اردو کا کلاسیکی ادب

کلیاتِ نظمِ حالی

جلد دوم

از

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی

مرتبہ

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

مجلسِ ترقی ادب ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : جنوری ۱۹۷۰ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارہ امتیاز
ناظم ، مجلس ترقیِ ادب ، لاہور

طابع : ایس ۔ ایم شفیق

مطبع : شفیق پریس کبیر سٹریٹ ۔ لاہور

سرورق وغیرہ : مطبع عالیہ ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : نو روپے

بعونِ صنّاعِ مکین و مکان و بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان

۱۱۴

اُردو کا کلاسیکی ادب

کلیاتِ نظمِ حالی

جلد دوم

مرتبہ

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

کلیاتِ نظمِ حالی

جلد دوم

صاحب طرز نثر نگار اور شاعر ابن الشاء مرحوم
کی یاد میں یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند
کی لائبریری کو پیش کی جاتی ہے

فہرست مشمولات

فصل ہفتم (ہمدردیٔ نسواں) ۵ تا ۵۳

عنوان	سنہ تصنیف	ہیئت	ماخذ	صفحہ
۱- مناجات بیوہ	۱۸۸۴ع	مثنوی	مثنویات حالی (نسخۂ شجاعت)	۵
۲- چپ کی داد	۱۹۰۵	ترکیب بند	مخزن لاہور فروری ۱۹۰۶ع	۴۶

فصل ہشتم (قومی و ملی نظمیں) ۵۷ تا ۱۹۶

۱- مسدس مد و جزر اسلام	۱۸۷۹ع	مسدس	صدی ایڈیشن	۵۷
۲- ضمیمۂ مسدس	۱۸۸۶ع	،،	،، ،،	۱۳۶
۳- عرض حال	۱۸۸۸ع	قصیدہ	،، ،،	۱۷۷
۴- شکوۂ ہند	۱۸۸۸ع	ترکیب بند	نسخۂ محمڈن پریس علی گڑھ (طبع اول)	۱۸۲

فصل نہم (تعلیمی و اصلاحی نظمیں) ۱۹۹ تا ۲۹۱

۱- مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڑھ	۱۸۸۰ع	ترکیب بند	مجموعۂ نظم حالی (طبع اول)	۱۹۹
۲- ننگ خدمت	۱۸۸۷ع	مسدس	،،	۲۰۴
۳- مسلمانوں کی تعلیم	۱۸۸۹ع	ترکیب بند	،،	۲۱۸
۴- قوم کا متوسط طبقہ	۱۸۹۱ع	،،	،،	۲۳۰
۵- جشن قومی	۱۸۹۲ع	،،	،،	۲۳۹
۶- صدائے گدایان قوم ق	۱۸۹۳ع	قصیدہ	،،	۲۴۵

۷- حاضرین کانفرنس
سے خطاب قبل ۱۸۹۸ء قطعہ جواہرات حالی ۲۴۶
۸- علی گڑھ کالج
کیا سکھاتا ہے ؟ ترکیب بند ،، ۲۴۸
۹- شکریۂ حضور نظام ؟ ،، ،، ۲۴۹
۱۰- شکریہ والی رام پور ۱۹۰۰ء ،، معارف پانی پت
دسمبر ۱۹۰۰ء ۲۵۰
۱۱- گدایانِ قوم ۱۹۰۱ء مثنوی جواہرات حالی ۲۵۵
۱۲- تحفۃالاخوان ۱۹۰۲ء ترکیب بند کلیات حالی
جلد دوم (مرتبہ
شیخ محمد اسماعیل) ۲۶۲
۱۳- فلسفۂ ترقی ۱۹۰۳ء ،، جواہرات حالی ۲۷۱
۱۴- انجمن حمایت اسلام
لاہور ۱۹۰۴ء ،، ،، ۲۷۹
۱۵- ترغیب امدادیتیماں ۱۹۰۵ء قطعہ ،، ۲۸۵

فصل دہم (تراجم) **۲۹۵ تا ۳۳۰**

۱- زمزمۂ قیصری ۱۸۷۸ء ترکیب بند مجموعۂ نظم حالی
(طبع اول) ۲۹۵
۲- انگریزی اشعار کا ؟ قطعہ دیوان حالی
ترجمہ (طبع اول) ۳۲۷
۳- ناقدری ۱۹۱۳ء ،، جواہرات حالی ۳۲۸
۴- واقعۂ ہجرت ۱۸۸۶ء ،، نقوش لاہور
جنوری ۱۹۶۳ء ۳۲۹

فصل یازدہم (متفرقات و نوادر) **۳۳۳ تا ۳۴۸**

۱ - متفرقات
۱- اشعار غزل ناتمام غزل دیوان حالی
(طبع اول) ۳۳۳
۲- اشعار قصیدۂ نا تمام قصیدہ ،، ۳۳۴

۳- حالی کے اُستاد	بیت (غزل)	جواہرات حالی	۳۳۴
۴- دوست کا درجہ	قطعہ	جواہرات حالی	۳۳۴
۵- تمہید رقعۂ شادی عروسی	،،	دیوان حالی (طبع اول)	۳۳۵
۶- ایضاً	مثنوی	،،	۳۳۵

ب - قطعات تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآن :

۱- تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم	قطعہ	دیوان حالی (طبع اول)	۳۳۷
۲- تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر دہلوی	،،	،،	۳۳۸
۳- تاریخ طبع جغرافیۂ بےمثال	،،	،،	۳۳۹
۴- تاریخ تالیف قواعد اُردو	،،	،،	۳۳۹
۵- تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃالعلوم	،،	،،	۳۴۰
۶- تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری	،،	،،	۳۴۰
۷- تاریخ وفات مولانا محمد حسین آزاد	،،	جواہرات حالی	۳۴۱
۸- تاریخی جملے مقتبس از قرآن		دیوان حالی	۳۴۲

ج - نوادر حالی ۳۴۵

ضمیمے ۳۵۱ تا آخر

ضمیمہ (۱) دیباچہ ضمیمہ اُردو کلیات نظم حالی (از مصنف) ۳۵۱

ضمیمہ (۲) کلام فارسی ۳۵۶ تا ۴۳۰

(ا) غزلیات : ۳۵۶ تا ۳۷۲

تخمیس غزل نعتیہ (غالب) ۳۷۳

(ب) رباعیات ۳۷۵ تا ۳۸۰
(ج) قصائد : ۳۸۱ تا ۳۹۴
۱ - قصیده در مدح نواب محمد کلب علی خان
رئیس رام پور ۳۸۱
۲ - قصیده در تهنیت عیدالفطر بجناب نواب
سر آسمان جاه بهادر ۳۸۸
۳ - قصیده در تهنیت عید اضحیٰ بجناب نواب
سر آسمان جاه بهادر ۳۹۰
۴ - قصیده در شان جناب مستطاب ہز مجسٹی
حبیب الله خان ۳۹۳
(د) مراثی : ۳۹۵ تا ۴۱۰
۱ - مرثیه نواب مختارالملک سر سالار جنگ
میر تراب علی خان مرحوم ۳۹۵
۲ - مرثیه سر سید احمد خان ۳۹۷
۳ - قطعه بروفات نواب محمد علی خان رشکی ۴۰۴
۴ - قطعه تاریخ وفات سید محمود علی مرحوم ۴۰۵
۵ - قطعه بر وفات جناب وزیرالدوله خلیفه
سید محمد حسن خان مرحوم ۴۰۶
۶ - قطعه در نوحهٔ وفات جناب مشیرالدوله
خلیفه سید محمد حسین خان مرحوم ۴۰۸
۷ - قطعه بروفات مولوی چراغ علی مرحوم ۴۱۰
(ه) قطعات : ۴۱۱ تا ۴۲۰
۱ - قطعه بنام غالب ۴۱۱
۲ - قطعهٔ دیگر بنام غالب ۴۱۴
۳ - قطعه در سپاس کرنل ہالرائڈ ۴۱۵
۴ - شکریه مسٹر وٹن ۴۱۵
۵ - در شکر یادآوری عالی جناب ہز ہائینس نواب
سر حامد علی خان ، والی ریاست رام پور ۴۱۷
۶ - قطعه در شکر صحت یابی شمس العلما مولانا شبلی نعمانی ۴۱۸

(و) متفرقات : ۴۱۹ تا ۴۲۰
(ز) قطعات تاریخ و مختلف ماده های تاریخ (۱ تا ۱۲) ۴۲۰ تا ۴۲۸
(ح) قطعات تاریخ (غیر مدون) ۴۲۸ تا ۴۲۹

ضمیمه (۳) کلام عربی ۴۳۰ تا ۴۴۲
ضمیمه (۴) کتابیات ۴۴۳

پیش لفظ

جلد دوم کی طباعت کے دوران میں ، متن کی تصحیح کے لیے کئی ایسے ماخذ دستیاب ہوئے جن کا ذکر مقدمے میں نہیں کیا گیا ۔ مثلاً کلیات کی ابتدائی ترتیب کے وقت مسدس حالی کا صدی ایڈیشن ، تاج کمپنی ایڈیشن اور طبع اول کا متن (مطبوعہ تہذیب الاخلاق) پیش نظر رہا لیکن آخری مراحل میں دو کان الفرض مدرستہ العلوم علی گڑھ کے ایک قدیم نسخے (مطبوعہ محمدی پریس علی گڑھ) اور مطبع نول کشور کانپور کے تیسرے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۸۹۵ء) سے بھی استفادے کا موقع ملا ۔ اسی طرح حالی کی کئی طویل نظموں (مثلاً مرثیہ سر سید احمد خاں ، چپ کی داد ، شکوۂ ہند وغیرہ) کے متون کی تصحیح میں ان نظموں کی اولین اشاعتوں اور مختلف ماہناموں سے جن میں یہ نظمیں چھپی تھیں ، مدد لی گئی ۔ سب سے اہم بات یہ کہ مجموعۂ نظم حالی (طبع اول) کا نادر نسخہ جو اس سے پہلے پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں اپنی جگہ چھوڑ کر مہینوں رو پوش رہا ، اب اتفاقاً ہاتھ آ گیا ۔ کتابت و طباعت کے لحاظ سے دیوان حالی (طبع اول) کے مقابلے میں یہ نسخہ بہت ناقص ہے لیکن مؤخر نسخوں کی بے شمار اغلاط و تحریفات کی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہ تھی ۔ مجموعۂ نظم حالی کے تمام مؤخر نسخوں (مثلاً مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ایڈیشن ۱۹۱۸ء ، مطبع ریاض ہند علی گڑھ ایڈیشن ۱۹۲۳ء شیخ جان محمد اللہ بخش لاہور ایڈیشن ۱۹۳۱ء وغیرہ) میں لفظی تحریفات کے علاوہ ، مثنوی برکھا رت کا ایک شعر اور مثنوی صبح امید کے مسلسل تیرہ شعر حذف ہو گئے ہیں ۔

تعجب ہے کہ پنج گنج حالی ، اور مثنویات حالی کے نسخوں میں بھی مجموعۂ نظم حالی کے یہ محذوف اشعار درج نہیں ۔ اس بنا پر فصل پنجم (جلد اول) کے متن کی تصحیح میں جو کوتاہی رہ گئی تھی ، اس کی تلافی کے لیے ، اس فصل سے متعلق صحت نامۂ اغلاط دوبارہ مرتب کرکے جلد دوم کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے اور مثنوی نشاط امید کے بالاجماع متروک و محذوف اشعار کو فصل یازدہم کے بہرۂ نوادر میں جگہ دی گئی ہے ۔ فارسی و عربی کلام کے متون کی تصحیح میں بھی حتی الامکان دقت نظر سے کام لیا گیا ہے ۔ ان سب کوششوں اور کاوشوں کے باوجود عاجز مرتب کا یہ خواب کہ کلیات کی جلد دوم صحت نامے کی علت سے پاک رہے ، شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا ۔

یہاں فصل ششم (کلیات جلد اول) کی نظموں کے بارے میں ایک وضاحت ضروری ہے ۔ اس فصل میں سے ایک کے سوا بقیہ تمام نظموں کا ماخذ جواہرات حالی ہے ۔ جواہرات میں بارہ نظمیں ، بچوں کی نظموں کے ایک مجموعے ”اطوار بازیچہ“ سے لی گئی ہیں ، چنانچہ ہر نظم کے عنوان کے نیچے ”منقول از اطوار بازیچہ“ کے الفاظ درج ہیں ۔ مرتب جواہرات ، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے کتاب کے مقدمے میں مآخذ کا ذکر کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ مسٹر نولٹن (پرنسپل ٹریننگ کالج ، لاہور) نے ۱۹۰۸ء میں ”اطوار بازیچہ“ کے نام سے یہ مجموعہ مرتب کیا تھا ، اور اس امر کا احتمال ظاہر کیا ہے کہ شاید مسٹر نولٹن کی فرمائش سے مولانا حالی نے کچھ انگریزی مضامین کے تراجم بچوں کے لیے نظم کیے تھے ۔ جواہرات حالی کی ترتیب و اشاعت (۱۹۲۲ء) کے بعد سے اب تک کسی محقق

نے یا خود شیخ صاحب نے ان نظموں کے بارے میں مزید تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی ۔ ابھی پچھلے دنوں مکتوبات حالی حصہٴ دوم کے دو خطوط (۴۱۳ ، ۴۱۴ ۔ صفحہ ۳۴۸ ، ۳۴۹) کے حوالے سے ان نظموں کی اصل حیثیت زیر بحث آئی ۔ ان خطوط سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ مسٹر نولٹن نے مولانا حالی کے فرزند ، خواجہ سجاد حسین کی وساطت سے کچھ مضامین کے ترجمے مولانا کی خدمت میں بھیجے اور بچوں کے لیے یہ مضامین نظم کرنے کی درخواست کی ۔ مولانا نے غالباً اپنی مصروفیت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے اپنے بعض شاگردوں یا دوستوں سے مدد لی اور مناسب اصلاح و نظرثانی کے بعد یہ منظوم ترجمے خواجہ سجاد حسین کے پاس بھیج دیے ۔ اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ۱۹۰۸ء میں جب مسٹر نولٹن نے ” اطوار بازیچہ “ مرتب کرکے چھپوائی تو اس میں وہ بارہ نظمیں حالی کے نام سے شائع کیں ۔ خواجہ سجاد حسین نے بھی (جو بہ سلسلہٴ ملازمت غالباً اس وقت یہیں موجود تھے) ان نظموں کو حالی سے منسوب کرنے میں کوئی قباحت نہ سمجھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان منظوم ترجموں کو بنانے سنوارنے اور محکمہٴ تعلیم کی منشا کے مطابق ڈھالنے میں حالی کا کتنا حصہ ہے ۔ ان میں سے دو ایک نظموں کی حالی نے اپنے خط میں تعریف کی ہے لیکن خود انھی کا بیان ہے کہ ان نظموں میں بھی جا بجا تصرف کیا ہے ” اس خیال سے کہ بچے ان کو اچھی طرح پڑھ سکیں اور کوئی گلجھٹ باقی نہ رہے یا کوئی بات سرکاری تعلیم کے اصول کے خلاف نہ ہو ۔“ (مکتوبات حصہ دوم ۔ صفحہ ۔ ۴۴۹) ۔ بہر حال اگر خواجہ سجاد حسین کے ایما سے مرتب اطوار بازیچہ نے اور اطوار بازیچہ کے حوالے سے مرتب جواہرات حالی نے ان نظموں کو حالی سے منسوب

کیا تو چنداں قابل اعتراض بات نہیں کیونکہ تراجم کے باب میں معاونین کی غیر مبین شرکت کی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن پہلی صورت میں مولانا حالی کی اجازت، اور دوسری صورت میں رفع اشتباہ کی کوشش لازم تھی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہوئیں۔ حالی اور خاندان حالی سے دیرینہ روابط کی بنا پر شیخ صاحب کو حالی کی شخصیت، سوانح اور تصانیف کے بارے میں استناد کا درجہ حاصل ہے۔ پس اسے محض اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ وہ اس معاملے میں اصل حقیقت سے بے خبر رہے اور مکتوبات حالی کی اشاعت (۱۹۲۶ء) کے بعد بھی کوئی توجیہہ و تاویل پیش نہ کر سکے۔ میں ان احباب کا شکرگزار ہوں جنھوں نے مجھے اس مسئلے کی طرف متوجہ کرکے وضاحت کا موقع دیا۔

کلیات حالی کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں، ابتدا سے اب تک جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، ان کا ذکر مناسب نہیں لیکن اس حقیقت کا اعتراف لازم ہے کہ مکرمی سید امتیاز علی تاج صاحب، ناظم مجلس ترقی ادب کی خاص توجہ سے بالآخر وہ رکاوٹیں دور ہو گئیں جو گذشتہ نصف صدی سے کلیات کی تدوین میں حائل تھیں۔ یہ بھی موصوف کی نوازش ہے کہ خاکسار کو اس ادبی خدمت کا موقع ملا شکر ہے کہ بتائید ایزدی یہ اہم فریضہ تکمیل پذیر ہوا۔ والمنتہ اللہ و ما توفیقی الا باللہ۔

افتخار احمد صدیقی
شعبۂ اردو
یونیورسٹی اورینٹل کالج
لاہور

یکم جنوری ۱۹۷۰ء

کلیاتِ نظمِ حالی

جلد دوم

مرتبہ

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

فصل هفتم

همدردیِ نسوان

مناجاتِ بیوہ

(۱۸۸۴ء)[1]

اے سب سے اول اور آخر
جہاں تہاں حاضر اور ناظر
اے سب داناؤں سے دانا
سارے تواناؤں سے توانا
اے بالا ہر بالا تر سے
چاند سے سورج سے امبر سے
اے سمجھے بوجھے بن سوجھے
جانے پہچانے بن بوجھے
سب سے انوکھے سب سے نرالے
آنکھ سے اوجھل دل کے اُجالے
اے اندھوں کی آنکھ کے تارے
اے لنگڑے لولوں کے سہارے
ناتیوں سے چھوٹوں کے ناتی
ساتھیوں سے بچھڑوں کے ساتھی
ناؤ جہاں کی کھینے والے
دکھ میں تسلی دینے والے

۱- شیخ محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں: ''مناجات بیوہ ۱۸۸۶ء یا ۱۸۸۷ء کی تصنیف ہے'' (تذکرۂ حالی ص ۹۹) لیکن ''حالی کا ذہنی ارتقا'' (ص ۹۴) اور ''حالی بحیثیت شاعر'' (ص ۸۶) میں اس نظم کا سن تصنیف ۱۸۸۴ء درج ہے۔ (مرتب)

جب ، اب ، تب تجھ سا نہیں کوئی
تجھ سے ہیں سب تجھ سا نہیں کوئی

جوت ہے تیری جل اور تھل میں
باس ہے تیری پھول اور پھل میں

ہر دل میں ہے تیرا بسیرا
تو پاس اور گھر دور ہے تیرا

راہ تری دشوار اور سکڑی
نام ترا رہگیر کی لکڑی

تو ہے ٹھکانا مسکینوں کا
تو ہے سہارا غمگینوں کا

تو ہے اکیلوں کا رکھوالا
تو ہے اندھیرے گھر کا آجالا

لاگو[1] اچھے اور برے کا
خواہاں کھوٹے اور کھرے کا

بید نراسے بیماروں کا
گاہک مندے بازاروں کا

سوچ میں دل بہلانے والا
بپتا میں یاد آنے والا

اے بے وارث گھروں کے وارث
بے بازو بے پروں کے وارث

---

۱ - لاگو : (۱) دشمن یا درپے رہنے والا- (۲) ساتھی ، لگاؤ رکھنے والا ، آرزو مند - یہاں دوسرے معنی مراد ہیں -

بے آسوں کی آس ہے تو ہی
جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی[1]

بس والے ہیں یا بے بس ہیں
تو نہیں جن کا وہ بے کس ہیں

ساتھی جن کا دھیان ہے تیرا
دسرایت کی واں نہیں پروا

دل میں ہے جن کے تیری بڑائی
گنتے ہیں وہ پربت کو رائی

بے کس کا غم خوار ہے تو ہی
بری بنی کا یار ہے تو ہی

دکھیا ، دکھی ، یتیم اور بیوہ
تیرے ہی ہاتھ ان سب کا ہے کھیوا

تو ہی ڈبوئے تو ہی ترائے
تو ہی یہ بیڑے پار لگائے[2]

تو ہی مرض دے تو ہی دوا دے
تو ہی دوا دارو میں شفا دے

تو ہی پلائے زہر کے پیالے
تو ہی پھر امرت زہر میں ڈالے

تو ہی دلوں میں آگ لگائے
تو ہی دلوں کی لگی بجھائے

۱- مطابق نسخۂ مصطفائی (ص ۲) - ''آس تو ہی ہے''۔ ''پاس تو ہی ہے'' (مثنویات حالی نسخۂ شجاعت ص ۱۱۶ - نسخۂ فاضل ص ۱۵) -

۲- ''پار لنگھائے''۔ نسخۂ مصطفائی (ص ۳) - (مرتب)

چمکارے چمکار کے مارے
مارے مار کے پھر چمکارے
پیار کا تیرے پوچھنا کیا ہے
مار میں بھی اک تیری مزا ہے[1]

اے رحمت اور ہیبت والے
شفقت اور دباغت والے
اے اٹکل اور دھیان سے باہر
جان سے اور پہچان سے باہر
عقل سے کوئی پا نہیں سکتا
بھید ترے حکموں میں ہیں کیا کیا
ایک کو تو نے شاد کیا ہے
ایک کے دل کو داغ دیا ہے
اس سے نہ تیرا پیار کچھ ایسا
اس سے نہ تو بیزار کچھ ایسا
ہر دم تیری آن نئی ہے
جب دیکھو تب شان نئی ہے
یاں پچھوا ہے واں پروا ہے
گھر گھر تیرا حکم نیا ہے
پھول کہیں کمھلائے ہوئے ہیں
اور کہیں پھل آئے ہوئے ہیں

۱- مطابق نسخۂ مصطفائی (ص - ۳) - مثنویات حالی ، (نسخۂ شجاعت ص ۱۱۷) اور نسخۂ فاضل (ص ۱۵۵) میں یہ شعر یوں درج ہے :

پیار کے تیرے پوچھنا کیا ہے
مار میں بھی اک تیرے مزا ہے

(مرتب)

کھیتی ایک کی ہے لہراتی
ایک کا ہر دم خون سکھاتی
ایک پڑے ہیں دھن کو ڈبوئے
ایک ہیں گھوڑے بیچ کے سوئے

ایک نے جب سے ہوش سنبھالا
رنج سے اُس کو پڑا نہ پالا
ایک نے اس جنجال میں آ کر
چین نہ دیکھا آنکھ اُٹھا کر

مینہ کہیں دولت کا ہے برستا
ہے کوئی پانی تک کو ترستا
ایک کو مرنے تک نہیں دیتے
ایک اُکتا گیا لیٹے لیٹے[1]

حال غرض دنیا کا یہی ہے
غم پہلے اور بعد خوشی ہے
رنج کا ہے دنیا کے گلہ کیا
تحفہ یہی لے دے کے ہے یاں کا[2]

یاں نہیں بنتی رنج سہے بن
رنج نہیں سب ایک سے لیکن
ایک سے یاں رنج ایک ہے بالا
ایک سے ہے درد ایک نرالا

---

۱ - بعض نسخوں میں ''لیتے لیتے'' درج ہے -

۲- مطابق نسخۂ مصطفائی (ص ۴) - مثنویات حالی نسخۂ شجاعت (ص ۱۱۷) اور نسخۂ فاضل (ص ۱۵۶) میں یہ مصرع یوں ہے :
''تحفہ یہی لے دے کے یہاں کا'' (مرتب)

گھاؤ ہے گو ناسور کی صورت
پر اسے کیا ناسور سے نسبت

تپ وہی دق کی شکل ہے لیکن
دق نہیں رہتی جان لیے بن

دق ہو وہ یا ناسور ہو ، کچھ ہو
دے نہ جواب آمید کسی کو

روز کا غم کیونکر سہے کوئی
آس نہ جب باقی رہے کوئی

تو ہی کر انصاف اے مرے مولا
کون ہے جو بے آس ہے جیتا

گو کہ بہت بندے ہیں پر ارماں
کم ہیں مگر ، مایوس ہیں جو یاں

خواہ دکھی ہے خواہ سکھی ہے
جو ہے اک آمید آس کو بندھی ہے

کھیتیاں جن کی کھڑی ہیں سو کھی
آس وہ باندھے بیٹھے ہیں مینہ کی

گھاٹا جن کو اساڑھی میں ہے
ساؤنی کی آمید انہیں ہے

ڈوب چکی ہے جن کی اگیتی
دیتی ہے ڈھارس آن کو پچھیتی

ایک ہے اس آمید پہ جیتا
اب ہوئی بیٹی اب ہوا بیٹا

ایک کو جو اولاد ملی ہے
اس کو آمنگ اب شادیوں کی ہے

رنج ہے یا قسمت میں خوشی ہے
کچھ ہے مگر اک آس بندھی ہے

غم نہیں اُن کو ، گو غمگیں ہیں
جو دل نا اُمید نہیں ہیں

کل میں کچھ سختی نہیں ایسی
کل میں ہے جب آس سمیں[1] کی

سہل ہے موجوں سے چھٹکارا
جب کہ نظر آتا ہے کنارا

پر نہیں اُٹھ سکتی وہ مصیبت
آئے گی جس کے بعد نہ راحت

شاد ہو اس رہگیر کا کیا دل
مر کے کٹے گی جس کی منزل

اُن اُجڑوں کو کل پڑے کیوں کر
گھر نہ بسے گا جن کا جنم بھر

اُن بچھڑوں کا کیا ہے ٹھکانا
جن کو نہ ملنے دے گا زمانا

اب یہ بلا ٹلتی نہیں ٹالی
مجھ پہ ہے جو تقدیر نے ڈالی

آئیں بہت دنیا میں بہاریں
عیش کی گھر گھر پڑیں پکاریں

---

۱ - یہ لفظ عام تلفظ کے مطابق باندھا گیا ہے - اصلاً سمے (سنسکرت - ہندی) اردو میں سمے، سما ، سماں ، کئی صورتوں میں مستعمل ہے - مختلف معانی میں آتا ہے : (۱) وقت ، موسم (۲) کیفیت ، حالت (۳) خوش حالی کا زمانہ ، بہتات و فراوانی کا موسم - یہاں آخری معنی مراد ہیں - (مرتب)

پڑے بہت[1] باغوں میں جھولے
ڈھاک بہت جنگل میں پھولے

گئیں اور آئیں چاندنی راتیں
برسیں کُھلیں بہت برساتیں

پر نہ کِھلی ہرگز نہ کِھلے گی
وہ جو کلی مرجھائی تھی دل کی

آس ہی کا یاں نام ہے دنیا
جب نہ رہی یہ ہی تو رہا کیا

ایسے بدیسی کا نہیں غم کچھ
جس کو نہ ہو ملنے کی قسم کچھ

رونا ان بن باسیوں کا ہے
دیس نکالا جن کو ملا ہے

حکم سے تیرے پر نہیں چارا
کڑوی میٹھی سب ہے گوارا

زور ہے کیا پتے کا ہوا پر
چاہے جدھر لے جائے اُڑا کر

تنکا اک اور سات سمندر
جائے کہاں موجوں سے نکل کر

قسمت ہی میں جب تھی جدائی
پھر ٹلتی کس طرح یہ آئی

آج کی بگڑی ہو تو بنے بھی
ازل کی بگڑی خاک بنے گی

تو جو چاہے وہ نہیں ٹلتا
بندے کا یاں بس نہیں چلتا

۱- ''پڑیں بہت'' (نسخۂ شجاعت ص ۱۱۹)، ''پڑے ہیں بہت'' (نسخۂ فاضل - ص ۱۵۷) -

مارے اور نہ دے تو رونے[1]
تھپکے اور نہ دے تو سونے

ٹھہرے بن آتی ہے نہ بھاگے
تیری زبردستی کے آگے

تجھ سے کہیں گر بھاگنا چاہیں
بند ہیں چاروں کھونٹ کی راہیں

تو مارے اور خواہ نوازے
پڑی ہوں میں تیرے دروازے

تجھی کو اپنا جانتی ہوں میں
تجھ سے نہیں تو کس سے کہوں میں

ماں ہی سدا بچے کو مارے
اور بچہ ماں ماں ہی پکارے

اے مرے زور اور قدرت والے
حکمت اور حکومت والے

میں لونڈی تیری دکھیاری
دروازے کی تیرے بھکاری[2]

موت کی خواہاں جان کی دشمن
جان پہ اپنی آپ اجیرن

اپنے پرائے کی دھتکاری
میکے اور سسرال پہ بھاری

---

۱ - نسخۂ مصطفائی اور نسخۂ فاضل (ص ۱۵۷) میں یہ مصرع یوں ہے: ''مارے تو اور نہ دے تو رونے'' - (مرتب)
۲ - '' تیری بھکاری '' نسخۂ مصطفائی (ص ۷) ، نسخۂ شجاعت (ص ۱۲۰) ، نسخۂ فاضل (ص ۱۵۸) -

سہہ کے بہت آزار چلی ہوں
دنیا سے بیزار چلی ہوں

دل پر میرے داغ ہیں جتنے
منہ میں بول نہیں ہیں اتنے

دکھ دل کا کچھ کہہ نہیں سکتی
اس کے سوا کچھ کہہ نہیں سکتی

تجھ پہ ہے روشن سب دکھ دل کا
تجھ سے حقیقت اپنی کہوں کیا

بیاہ کے دم پائی تھی نہ لینے
لینے کے یاں پڑ گئے دینے

خوشی میں بھی سکھ پاس نہ آیا
غم کے سوا کچھ راس نہ آیا

ایک خوشی نے غم یہ دکھائے
ایک ہنسی نے گل یہ کھلائے

کیسا تھا یہ بیاہ ننا واں[1]
جونہی پڑا اس کا پرچھاواں

چین سے رہنے دیا نہ جی کو
کر دیا ملیامیٹ خوشی کو

رو نہیں سکتی[2] تنگ ہوں یاں تک
اور روؤں تو روؤں کہاں تک

ہنس ہنس دل بہلاؤں کیوں کر
اوسوں پیاس بجھاؤں کیوں کر

ایک کا کچھ جینا نہیں ہوتا
ایک نہ ہنستا بھلا نہ روتا

---

۱ - وہ چیز جس کا نام لینا بد شگونی ہو - (عورتوں کا محاورہ) -
۲ - ''رہ نہیں سکتی'' : نسخۂ شجاعت و نسخۂ فاضل (ص ۱۲۰ و ۱۵۸) -

لیٹیے گر سونے کے بہانے
پائنتی کل ہے اور نہ سرہانے

جاگیے تو بھی بن نہیں پڑتی
جاگنے کی آخر کوئی حد بھی

اب کل ہم کو پکڑے گی مر کر
گور ہے سونی سیج سے بہتر

بات سے نفرت ، کام سے وحشت
ٹوٹی آس اور بجھی طبیعت

آبادی جنگل کا نمونا
دنیا سونی اور گھر سونا

دن بھیانک اور رات ڈرانی[1]
یوں گزری ساری یہ جوانی

بہنیں اور بہنیلیاں میری
ساتھ کی تھیں جو کھیلیاں میری

مل نہ سکیں جی کھول کے مجھ سے
خوش نہ ہوئیں ہنس بول کے مجھ سے[2]

جب آئیں رو دھو کے گئیں وہ
جب گئیں بے کل ہو کے گئیں وہ

کوئی نہیں دل کا بہلاوا
آ نہیں چکتا میرا بلاوا

آٹھ پہر کا ہے یہ جلاپا
کاٹوں گی کس طرح رنڈاپا

---

۱ - مطابق نسخۂ مصطفائی (ص ۸) - نسخۂ شجاعت (ص ۱۲۰) اور نسخۂ فاضل (ص ۱۵۹) میں یہ مصرع یوں ہے : ''دن بھیانک رات ڈراؤنی'' -

۲ - ''ہنس بول مجھ سے'' نسخۂ شجاعت و نسخۂ فاضل (ص ۱۲۱ و ۱۵۹) - (مرتب)

تھک گئی میں دکھ سہتے سہتے
تھم گئے آنسو بہتے بہتے

آگ کھلی دل کی نہ کسی پر
گھل گئی جان اندر ہی اندر

دیکھ کے چپ جانا نہ کسی نے
جان کو پھونکا دل کی لگی نے

دبی تھی بھوبھل میں چنگاری
لی نہ کسی نے خبر ہماری

قوم میں وہ خوشیاں بیاہوں کی
شہر میں وہ دھومیں ساہوں[1] کی

آئے دن تیوہاروں کا آنا
اور سب، کا تیوہار منانا

وہ چیت اور پھاگن کی ہوائیں
وہ ساون بھادوں کی گھٹائیں

وہ گرمی کی چاندنی راتیں
وہ ارمان بھری برساتیں

کس سے کہوں کس طور سے کاٹیں
خیر ، کٹیں جس طور سے کاٹیں

چاؤ کے اور خوشیوں کے سمیں[2] سب
آتے ہیں خوش ، کل جان کو ہو جب

---

۱ - ساہوں : شادیوں—ساہا : (ہندی) شادی کی تقریب - بیاہ کا دن - (بحوالہ Platts) ۔

۲ - ''ہمیں سب'' نسخۂ شجاعت ، نسخۂ فاضل (ص ۱۲۲ و ۱۵۹)-

رنج میں ہیں سامان خوشی کے
اور جلانے والے جی کے

گھر برکھا اور پیا بدیسی
آئیو برکھا کہیں نہ ایسی

دن یہ جوانی کے کٹے ایسے
باغ میں پنچھی قید ہو جیسے

رُت گئی ساری سر ٹکراتے
اڑ نہ سکے پر ہوتے ساتے

ہو گی کسی نے کچھ کل پائی
مجھے تو شادی راس نہ آئی

آس بندھی لیکن نہ ملا کچھ
پھول آیا اور پھل نہ لگا کچھ

رہ گیا دے کر چاند دکھائی
چاند ہوا پر عید نہ آئی

رت بدلی پر ہوئی نہ برکھا
بادل گرجا اور نہ برسا

پھل کی خاطر برچھی کھائی
پھل نہ ملا اور جان گنوائی

ریت میں ذرے دیکھ چمکتے
دوڑ پڑی میں جھیل سمجھ کے

چاروں کھونٹ نظر دوڑائی
پر پانی کی بوند نہ پائی

———

اے دین اور دنیا کے مالک
راجا اور پرجا کے مالک

بے پر اور پردار کے والی
اے سارے سنسار کے والی

پورب ، پچھم ، دکھن ، اتر
بخشش تیری عام ہے گھر گھر

پیاؤ لگی ہے سب کے لیے یاں
خواہ ہوں ہندو خواہ مسلماں

ہو نہ اگر قسمت نے کمی کی
کی نہیں بندی تو نے کسی کی

چیونٹا ، کیڑا ، مچھر ، بھنگا
کچھوا ، مینڈک ، سیپ اور گھونگا

سارے پنچھی اور پکھیرو
مور ، پپیہا ، سارس ، پیرو

بھیڑ اور بکری ، شیر اور چیتے
تیرے جلائے سب ہیں جیتے

سب پہ کھلا ہے در رحمت کا
برس رہا ہے مینہ نعمت کا

خاک سے تو نے بیج اگائے
پھر پودے پروان چڑھائے

سیپ کو بخشی تو نے دولت
اور بخشا مکھی کو امرت

لکڑی میں پھل تو نے لگائے
اور کوڑے پر پھول کھلائے

ہیرا بخشا کان کو تو نے
مشک دیا حیوان کو تو نے
جگنو کو بجلی کی چمک دی
ذرے کو کندن کی دمک دی

دین سے تیری اے مرے مولا
سب ہیں نہال ادنٰی اور اعلٰی
عام ہے سب پر تیری رحمت
ہیں محروم مگر بد قسمت

پیڑ ہوں چھوٹے یا کہ بڑے یاں
فیض ہوا کا سب پہ ہے یکساں
پھلتے ہیں جو ہیں پھلنے والے
جلتے ہیں جو ہیں جلنے والے

جب اپنی ہی زمیں ہو کلّر
پھر الزام نہیں کچھ مینہ پر
سب کو ترے انعام تھے شامل
میں ہی نہ تھی انعام کے قابل

گر کچھ آتا بانٹ میں میری
سب کچھ تھا سرکار میں تیری

تھی نہ کمی کچھ تیرے گھر میں
نون کو ترسی میں سانبھر میں

راجا کے گھر پلی ہوں بھوکی
سدابرت سے چلی ہوں بھوکی

پہروں سوچتی ہوں یہ جی میں
آئی تھی کیوں اس نگری میں؟

ہونے سے میرے فائدہ کیا تھا ؟
کس لیے پیدا مجھ کو کیا تھا ؟

آن کے آخر میں نے لیا کیا ؟
مجھ کو مری قسمت نے دیا کیا ؟

نین دیے اور کچھ نہ دکھایا
دانت دیے اور کچھ نہ چکھایا

جندڑی[1] دی اور خوشی نہ بخشی
دل بخشا ، دل لگی نہ بخشی

رہی اکیلی بھری سبھا میں
پیاسی رہی بھری گنگا میں

چین سے جاگی اور نہ سوئی
میں نہ ہنسی جی بھر کے نہ روئی

آ کے خوشی سی چیز نہ پائی
جیسی آئی ویسی نہ آئی

کھایا تو کچھ مزا نہ آیا
سوئی تو کچھ چین نہ پایا

پھول ہمیشہ آنکھ میں کھٹکے
اور پھل سدا گلے میں اٹکے

ہو نہ سکی کچھ دل سے عبادت
اور نہ جمی کاموں پہ طبیعت

---

۱ - جندڑی : جان کی تصغیر بالتحقیر ، عورتوں کا محاورہ (بحوالہ نور اللغات) - عوامی بولی میں زندگی سے بگڑ کر "جندڑی" ہو گیا (بحوالہ Platts) -

کام سنوارا کوئی نہ یاں کا
اور نہ کیا دھندا کوئی واں کا

کام آیا یاں کوئی نہ میرے
اور نہ میں کام آئی کسی کے

قسمت نے جب سے منہ موڑا
آدمیوں کا ہو گیا توڑا

باپ اور بھائی ، چچا بھتیجے
سب رکھتی ہوں تیرے کرم سے

پر نہیں پاتی ایک بھی ایسا
جس کو ہو میری جان کی پروا

ناتیوں میں شفقت نہیں پاتی
اپنوں میں اپنایت نہیں پاتی

گھر ہے یہ اک حیرت کا نمونا
سو گھر والے اور گھر سونا

جس نے خدا کا خوف کیا کچھ
آ کے کبھی یاں پوچھ لیا کچھ

سو یہ خوشی کا دل کی ہے سودا
زور کسی پر اب نہیں اپنا

اس میں شکایت کیا ہے پرائی
اپنی ہی قسمت کی ہے برائی

چین گر اپنی بانٹ میں آتا
کیوں تو عورت ذات بناتا

کیوں پڑتے ہم غیر کے پالے
کیوں ہوتے اوروں کے حوالے

آٹھ پہر کیوں دکھ یہ اُٹھاتے
جیتے ہی جی کیوں مر جاتے
دکھ میں نہیں یاں کوئی کسی کا
باپ نہ ماں ، بھائی نہ بھتیجا

سچ یہ کسی سائیں کی صدا تھی
''سکھ سمپت کا ہر کوئی ساتھی''

تیرے سوا اے رحم کے بانی
کون سنے یہ رام کہانی
ایک کہانی ہو تو کہوں میں
ایک مصیبت ہو تو سہوں میں

حال نہ ہو دشمن کا ایسا
میرا نازک حال ہے جیسا
کوئی نہیں لاگو اب میرا
باپ نہ بھائی ، ساس نہ سسرا

آنکھ میں ایک اک کے ہوں کھٹکتی
پر اپنے بس مر نہیں سکتی
ماں اور باپ عزیز اور پیارے
بے کل ہیں جینے سے ہمارے

روکے پلک نم کر نہیں سکتی
ہنس کے غلط غم کر نہیں سکتی
روئیے تو سب روتے ہیں گھر کے
رونے نہیں دیتے جی بھر کے

ہنسیے تو ہنسنا عیب ہے ہم کو
کیونکہ الٰہی کاٹیے غم کو

گر سسرال میں جاتی ہوں میں
نحس قدم کہلاتی ہوں میں

میکے میں جس وقت ہوں آئی
رو رو کر ہوں سب کو رلاتی

جب سے یہ دن قسمت نے دکھائے
تکتے ہیں جو ہیں اپنے پرائے

میرا سدا ہنسنا اور رونا
بیٹھنا ، اٹھنا ، جاگنا ، سونا

سوچ میں میرے سارا گھر ہے
میرے چلن پر سب کی نظر ہے

آپ کو ہوں ہر وقت مٹاتی
پہنتی اچھا میں ہوں نہ کھاتی

جانتی ہوں نازک ہے زمانا
بات ہے اک یاں عیب لگانا

موتی کی سی آب ہے عزت
جا کے نہیں آتی پھر حرمت

مہندی میں نے لگانی چھوڑی
پٹی میں نے جمانی چھوڑی

کپڑے مہینوں میں ہوں بدلتی
عطر نہیں میں بھول کے ملتی

سرمہ نہیں آنکھوں میں لگاتی
بال نہیں برسوں گندھواتی

دو دو چاند نہیں سر دھوتی
اٹھواروں کنگھی نہیں ہوتی[1]

کان میں پتے ہاتھ میں کنگن
پہن چکی سب جب تھی سہاگن

پہنچیوں کا ارمان نہیں اب
چوڑیوں کا کچھ دھیان نہیں اب[2]

اڑ گئیں دل کی سب وہ ترنگیں
چاؤ رہے باقی نہ اُمنگیں[3]

آپ کو یاں تک میں نے مٹایا
پر دنیا کو صبر نہ آیا

وہم نے ہے ایک ایک کو گھیرا
جب دیکھو تب ذکر ہے میرا

کھینچ چکا ہے میرا مقدر
داغ بدی کا میری جبیں پر

مل جاؤں گر خاک میں بھی میں
بچ نہ سکوں طعنوں سے کبھی میں

سچ اگلے لوگوں نے کہا ہے
"بد اچھا بد نام برا ہے"

---

۱ - "نہیں کرتی" نسخۂ شجاعت و نسخۂ فاضل (۱۲۶، ۱۶۳) - دو دو چاند : دو دو مہینے - اٹھواروں : ہفتوں (عورتوں کا محاورہ) -
۲ - "کب" نسخۂ شجاعت و نسخۂ فاضل (۱۲۶، ۱۶۳) -
۳ - مثنویات کے نسخۂ شجاعت اور نسخۂ فاضل میں یہ شعر یوں لکھا ہے :

اڑ گئیں دل کی سب وہ تڑنگیں
چادر ہے باقی نہ امنگیں (مرتب)

جینے سے گھبرا گئی ہوں میں
اس دم سے تنگ آ گئی ہوں میں

یوں نہ بری اس جان پہ بنتی
ماں مجھ کو اے کاش نہ جنتی

رہتے ہم انجان بلا سے
دنیا مجھ سے ، میں دنیا سے

اے بے آسروں کے رکھوّیا !
اے ڈوبے بیڑوں کے کھویا !

کیجیو میری کشتی بانی
آ پہنچا ہے ڈباؤ پانی

اب تیرے گی ترائی تیری
ڈوبی ناؤ ، دہائی تیری

اے امبر کے چمکتے تارو !
اے گھر کے در اور دیوارو !

اے جانی پہچانی راتو !
تنہائی کی ڈرانی راتو !

اے نیک اور بد کے دربانو !
دیکھتی آنکھو ! سنتے کانو !

ایک دن اس گندی دنیا سے
جانا ہے مالک کے آگے

بوجھ ہیں واں سب تلنے والے
پترے سب کے کھلنے والے

جب واں پوچھ ہو تیری میری
تم سب دیجو گواہی میری

میں نیکی کا دم نہیں بھرتی
پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی
کیونکہ خطا سے بچ سکتا ہے
جس نے کچا دودھ پیا ہے

خواہ ولی ہو خواہ رشی ہو
اس سے رہائی نہیں کسی کو
گنوں اگر میں اپنی خطائیں
ہے یہ یقیں گنتی میں نہ آئیں

پر یہ خدا سے ڈر کے ہوں کہتی
منہ پہ یہ آئے بن نہیں رہتی
خواہ بری تھی خواہ بھلی میں
بات سے اپنی نہیں ٹلی میں

پڑی تھی جس بے دید کے پالے
ہوئی تھی جس بیری کے حوالے
نام پہ دھونی اس کے رما کر
آن کو رکھا جان گنوا کر

ساتھ نہ قوم اور دیس کا چھوڑا
اور نہ خدا کے عہد کو توڑا
آئے اگر دنیا کو نہ باور
اب مجھے کچھ دنیا کا نہیں ڈر

میرا نگہباں اور رکھوالا
سب سے بڑا ہے جاننے والا

اے ایمان کے رکھنے والے
اے نیت کے پرکھنے والے

میں نہیں رکھتی کام کسی سے
چاہتی ہوں انصاف تجھی سے

حکم پہ چلتی تیرے اگر میں
چین سے کرتی عمر بسر میں

مانتی گر میں عقل کا کہنا
مجھ کو نہ پڑتا رنج یہ سہنا

کچھ نہ عدالت کا تھا ڈراوا
اور نہ مذہب کا اٹکاوا

ہے دستور یہی دنیا کا
آپ سے اچھا نام خدا کا

لیکن ہٹ پیاروں کی یہی تھی
مرضی غم خواروں کی یہی تھی

اپنے بڑوں کی ریت نہ چھوٹے
قوم کی باندھی رسم نہ ٹوٹے

ہو نہ کسی سے ہم کو ندامت
ناک رہے کنبے کی سلامت

جان کسی کی جائے تو جائے
آن میں اپنی فرق نہ آئے

دم پہ بنے جو اس کو سہوں میں
لوٹتی انگاروں پہ رہوں میں

درد نہ ہو دل کا کہیں ظاہر
چپکے ہی چپکے کام ہو آخر

مرمٹوں اور کچھ منہ پہ نہ لاؤں
جل بجھوں اور آف کرنے نہ پاؤں

گھٹ گھٹ کر دم اپنا گنوا دوں
جل جل کر آپا[1] کو بجھا دوں

تجھ پہ ہے روشن اے مرے مولا
وقت یہ کیسا مجھ پہ پڑا تھا

بیڑا تھا منجدھار میں میرا
چار طرف چھایا تھا اندھیرا

تھاہ تھی پانی کی نہ کنارا
تیرے سوا تھا کچھ نہ سہارا

شرم ادھر دنیا کی مجھے تھی
فکر اُدھر عقبیٰ کی مجھے تھی

روکتے تھے حملے مجھے دل کے
تھا مجھے جینا خاک میں مل کے

نفس سے تھی دن رات لڑائی
دور تھی نیکی پاس برائی

جان تھی میری آن کی دشمن
آن تھی میری جان کی دشمن

آن سنبھالے جان تھی جاتی
جان بچاتے آن تھی جاتی

طے کرنے تھے سات سمندر
حکم یہ تھا ہاں پاؤں نہ ہوں تر

کوئلا چاروں کھونٹ تھا پھیلا
حکم یہ تھا پلا[2] نہ ہو میلا

۱- آپا : اپنی ذات، اپنے آپ کو (آپا تجنا یا آپا بسرانا : اپنے آپ کو قربان کر دینا ، خود فراموشی) -

۲ - پلا یا پلو : کنارا یا سرا -

پیاس تھی لو تھی اور تھی کھرسا[1]
اور دریا سے گزرنا پیاسا

دھوپ کی تھی پالے پہ چڑھائی
آگ اور گندھک کی تھی لڑائی

درد اپنا کس سے کہوں کیا تھا
آ کے پہاڑ اک مجھ پہ گرا تھا

نفس سے ڈر تھا مجھ کو بدی کا
اس لیے ہر دم تھی یہ تمنا

مر جاؤں یا زندہ رہوں میں
تجھ سے مگر شرمندہ نہ ہوں میں

جان بلا سے جائے تو جائے
پر کہیں دینی بات نہ آئے

کی نہ کسی نے میری خوشی گو
میں نے کیا ناخوش نہ کسی کو

بات کسی کی میں نے نہ ٹالی
اپنے ہی دم پر سب کی بلا لی

جان نہ سمجھا جان کو اپنی
دیا نہ جانے آن کو اپنی

قول پہ اپنے جمی رہی میں
ہوئی نہ ڈانواں ڈول کبھی میں

دل تھاما آپے کو سنبھالا
سانس تلک منہ سے نہ نکالا

اور نہ اگر کرتی میں ایسا
کیوں کر کرتی اور کرتی کیا

۱- کھرسا : تپش ، گرم موسم ، خشک سالی - (بحوالہ Platts) -

بن نہیں آتی دیس سے بھاگے
کچھ نہیں چلتی دیس کے آگے

کہہ گئی سچ اک راج کماری
''لاچاری پر پیت ہے بھاری''

اے اچھے اور برے کے بھیدی
کھوٹے اور کھرے کے بھیدی

چھپی ڈھکی کے کھولنے والے
بری بھلی کے تولنے والے

بھید دلوں کے جاننے والے
پاپ اور پن کے چھاننے والے

عیب اور گن سب تجھ پہ ہیں روشن
پاپ اور پن سب تجھ پہ ہیں روشن

عیب نہ اپنا تجھ کو جتانا
ہے دائی سے پیٹ چھپانا

میں نہیں آخر پاک بدی سے
بنی ہوں پانی اور مٹی سے

تونے بنایا تھا مجھے جیسا
چاہیے تھا ہونا مجھے ویسا

بس ہمیں جتنا تو نے دیا ہے
اس سے سوا قدرت ہمیں کیا ہے

۱- نسخۂ فاضل (ص ۱۶۶) میں مصرعوں کی ترتیب معکوس ہے۔ (مرتب)

کان اور آنکھیں ہاتھ اور بازو
جن جن پر تھا یاں مجھے قابو

سب کو بدی سے میں نے بچایا
سب کو خودی سے میں نے مٹایا

اُٹھتے بیٹھتے روکا سب کو
سوتے جاگتے ٹوکا سب کو

ہاتھ کو ہلنے دیا نہ بے جا
پاؤں کو چلنے دیا نہ ٹیڑھا

آنکھ کو اُٹھنے دیا نہ اتنا
جس سے کہ پیدا ہو کوئی فتنہ

کان کو رکھا دور بلا سے
اوپری آوازوں کی ہوا سے

روک کے یوں اور تھام کے آپا
میں نے یہ کاٹا اپنا رنڈاپا

ایک نہ سنبھلا میرا سنبھالا
تھا بےتاب جو اندر والا

حال کروں میں دل کا بیاں کیا
حال ہے دل کا تجھ سے نہاں کیا

دھوپ تھی تیز اور ریت تھی تپتی
مچھلی تھی اک اس میں تڑپتی

جان نہ مچھلی کی تھی نکلتی
اور نہ سر سے دھوپ تھی ٹلتی

گو دم بھر اس دل کی لگی نے
ٹھنڈا پانی دیا نہ پینے

تو ہے مگر اس بات کا داند
میں نے کہا دل کا نہیں مانا

زور تھا میرا دل پہ جہاں تک
میں نے سنبھالا دل کو وہاں تک

تھامنا دل کا کام تھا میرا
اور تھانا کام تھا تیرا

پکڑے اگر تو دل کی خطا پر
میں راضی ہوں تیری رضا پر

رکھ تکلیف میں یا راحت میں
ڈال جہنم یا جنت میں

اب نہ مجھے جنت کی تمنا
اور نہ خطرہ کچھ دوزخ کا

آئے گی جنت راس کب اس کو
جلنے میں جس کی عمر کٹی ہو

ڈر دوزخ کا پھر اُسے کیا ہو
جس نے رنڈاپا جھیل لیا ہو[1]

پر تجھ سے اک عرض ہے میری
رد نہ ہو گر درگاہ میں تیری

جو قسمت نے مجھ کو دکھایا
خوش ناخوش سب میں نے اُٹھایا

مجھ ناچیز کی ہے کیا طاقت
جو منہ پر کچھ لاؤں شکایت

عمر بہت سی کاٹ چکی ہوں
یہ دن بھی کٹ جائیں گے جوں توں

۱- نسخۂ مصطفائی (ص ۱۹) : ''اُسے کیا ہے''- ''جھیل لیا ہے''- (مرتب)

اپنے لیے کچھ کہہ نہیں سکتی
پر یہ کہے بن رہ نہیں سکتی

میں ہی اکیلی نہیں ہوں دکھیا
پڑی ہے لاکھوں پر یہی بپتا

بس کے بہت یاں اُجڑ گئے گھر
بن کے ہزاروں بگڑ گئے گھر

جلیں کروڑوں اسی لپٹ میں
پدموں پھنکیں اسی مرگھٹ میں

بالیاں ایک اک ذات کی لاکھوں
بیاہیاں ایک اک رات کی لاکھوں

ہو گئیں آخر اسی الم میں
کاٹ گئیں عمریں اسی غم میں[1]

سیکڑوں بےچاری مظلومیں
بھولی ، نادانیں ، معصومیں[2]

بیاہ سے انجان اور منگنی سے
بنے سے واقف اور نہ بنی سے

ماؤں سے جو منہ دھلواتی تھیں
رو رو مانگ کے جو کھاتی تھیں

تھپک تھپک تھے جن کو سلاتے
گھڑک گھڑک تھے جن کو کھلاتے

۱- نسخۂ شجاعت (ص ۱۳۱) اور نسخۂ فاضل (ص ۱۶۸) میں یہ مصرع یوں ہے : "کاٹ گئیں عمریں سب اسی غم میں"۔
۲- نسخۂ مصطفائی (ص ۲۰) : "بھولیں ، نادانیں ، معصومیں"۔

جن کو نہ شادی کی تھی تمنا
اور نہ منگنی کا تھا تقاضا

جن کو نہ آپے کی تھی خبر کچھ
اور نہ رنڈاپے کی تھی خبر کچھ

بھلی سے واقف تھیں نہ بری سے
بد سے مطلب تھا نہ بدی سے[1]

رخصت چالے اور چوتھی کو
کھیل تماشا جانتی تھیں جو

ہوش جنھیں تھا رات نہ دن کا
گڑیوں کا سا بیاہ تھا جن کا

دو دو دن رہ رہ کے سہاگن
جنم جنم کو ہوئیں بروگن

دولھا نے جانا نہ دلھن کو
دلھن نے پہچانا نہ سجن کو

دل نہ طبیعت، شوق نہ چاہت
مفت لگا لی بیاہ کی تہمت

شرط سے پہلے بازی ہاری
بیاہ ہوا اور رہیں کنواری

سیلانی جب باغ میں آئے
پھول ابھی تھے کھلنے نہ پائے

پھول کھلے جس وقت چمن میں
جا سوئے سیلانی بن میں

پیت نہ تھی جب پایا پیتم
جب ہوئی پیت گنوایا پیتم

۱- نسخۂ شجاعت (ص ۱۳۲)، نسخۂ فاضل (ص ۱۶۸): "بد سے مطلب تھا نہ بری سے"۔

ہوش سے پہلے ہوئی میں بیوہ
کب پہنچے گا پار یہ کھیوا

خیر سے بچپن کا ہے رنڈاپا
دور پڑا ہے ابھی بڑھاپا

عمر ہے منزل تک پہنچانی
کاٹنی ہے بھرپور جوانی

شام کے مردے کا ہے یہ رونا
ساری رات نہیں اب سونا

آئی نہیں دنیا میں الٰہی
ایسی کسی بیڑے پہ تباہی

آئیں بلکتی گئیں سسکتی
رہیں ترستی اور پھڑکتی

کوئی نہیں جو غور کرے اب
نبض پہ ان کی ہاتھ دھرے اب

دکھ اُن کا آئے اور پوچھے
روگ اُن کا سمجھے اور بوجھے

چوٹ نہ جن کے دل پہ لگی ہو
وہ کیا جانیں دل کی لگی کو

بے دردوں سے پڑا ہے پالا
تو ہی اب ان کا ہے رکھوالا

اپنی بیتی ہے یہ کہانی
اب یہ دھان رہے بن پانی

اے غمخوار ہر اک بے کس کے
حامی ہر عاجز بے بس کے

ہے اپنے عاجز بندوں پر
پیار ترا ماں باپ سے بڑھ کر
جس نے لگی میں تجھ کو پکارا
سامنے تیرے ہاتھ پسارا

پھرا نہ خالی اس چوکھٹ سے
گیا نہ پیاسا اس پنگھٹ سے

کس کو زمانے نے ہے ستایا
تو نہیں جس کے آڑے آیا

اُجڑے کھیڑے تو نے بسائے
ڈوبے بیڑے تو نے ترائے

مظلوموں کی داد کو پہنچا
قیدیوں کی فریاد کو پہنچا

بنجر ملک آباد کرائے
اور بردے آزاد کرائے

عام تری رحمت جب ٹھہری
دور ہے پھر رحمت سے تیری

داد ہر اک مظلوم کی دے تو
اور رانڈوں کی خبر نہ لے تو

عورت ذات کا تنہا جینا
ہر دم خونِ جگر کا پینا

گھر بسنے کی آس نہ رہنی
ساری عمر جدائی سہنی

ہے وہ بلا جو سہی نہ جائے
بپتا ہے جو کہی نہ جائے

قدر اس کی یا تو پہچانے
یا جس پر گزری ہو وہ جانے

اے خاوند خداوندوں کے
مالک خاوند اور بندوں کے

واسطہ اپنی خاوندی کا
صدقہ اپنی خداوندی کا

تو یہ کسی کو داغ نہ دیجو
کسی کو بے وارث مت کیجو

کیجو جو کچھ تیری خوشی ہو
رانڈ مگر کیجو نہ کسی کو

مسند تکیہ عزت حرمت
نوکر چاکر دولت حشمت

چاندی سونا نقدی غلا
گہنا پاتا ٹوم[1] اور چھلا

سائیں بن جو چیز ہے گھر میں
خاک ہے سب عورت کی نظر میں

دل کی خوشی اک آس پہ تھی سب
سو وہ ہزاروں کوس گئی اب

پھول کچھ اب کانٹوں سے نہیں کم
جنت بھی ہو تو ہے جہنم

۱- ٹوم : زیور، گہنا پاتا (پنجابی میں ''گہنا پاتا'' کی جگہ ''ٹوم ٹام'' بولا جاتا ہے) -

باغ نظر میں اس کی خزاں ہے
آنکھ میں تاریک اس کی جہاں ہے

عیش ہے اس کے واسطے ماتم
عید ہے اس کے حق میں محرم

جس دکھیا پر پڑے یہ بپتا
کر اسے تو پیوند زمیں کا

یا عورت کو پہلے بلا لے
یا دونوں کو ساتھ اٹھا لے[1]

یا یہ مٹا دے ریت جہاں کی
جس سے گئی ہے پریت یہاں کی

جس سے ہوئے دل سیکڑوں بسمل
جس نے ہزاروں کر دیے گھائل

جس نے کلیجے آگ میں بھونے
جس نے بھرے گھر کر دیے سونے

خوف دلوں سے کھو دیا جس نے
شرم سے دیدے دھو دیے جس نے

قوم کی جس بن آن ہے جاتی
دیس کی جس پر جان ہے جاتی

جس نے کیے دل رحم سے خالی
ریت ہے جو دنیا سے نرالی

---

۱ - مطابق نسخۂ مصطفائی (ص ۲۳) - نسخۂ شجاعت (ص ۱۳۵) اور نسخۂ فاضل (ص ۱۷۱) میں یہ شعر یوں درج ہے :
یا عورت کو پہلے بلا لے یا دونوں کو ساتھ بلا لے (مرتب)

قوم سے تو یہ ریت چھڑا دے
بندیوں کی بیڑی یہ تڑا دے

سہل اور مشکل تجھ کو ہے یکساں
ہم کو ہے مشکل تجھ کو ہے آساں

رنج اور دکھ قبضے میں ہے تیرے
چین اور سکھ قبضے میں ہے تیرے

ہلتے ہیں پتے تیرے ہلائے
کھلتے ہیں غنچے تیرے کھلائے

مٹھی میں ہیں تیری ہوائیں
قابو میں ہیں تیرے[1] گھٹائیں

تجھ سے ہے دریاؤں کی روانی
تیرے بہائے بہتے ہیں پانی

جھیل ، سمندر ، پربت ، رائی
کہنے میں ہے سب تیرے[2] خدائی

ناتا ، رشتہ ، نسبت ، شادی
سوگ ، رنڈاپا ، قید ، آزادی

قوم کی ریتیں ، دیس کی رسمیں
کیا ہے وہ جو تیرے نہیں بس میں

کام کوئی مشکل نہیں تجھ کو
ایک یہ کیا ، گر تیری خوشی ہو

سوت لگے پتھر سے نکلنے
ناؤ لگے ریتی میں چلنے

اے عزت اور عظمت والے
رحمت اور عدالت والے

---

۱ ، ۲ - مختلف نسخوں میں ''تیری گھٹائیں'' اور ''تیری خدائی'' چھپا ہے - تصحیح قیاسی ہے -

دکھڑا تجھ سے کہنا دل کا
اک بشریت کا ہے تقاضا

دل پہ ہے جب برچھی کوئی چلتی
آہ کلیجے سے ہے نکلتی

جب کوئی دکھ یاد آ جاتا ہے
جی بے ساختہ بھر آتا ہے

ورنہ ہے اس دنیا میں دھرا کیا
خواب کا سا اک ہے یہ تماشا[1]

دکھ سے ہے یاں کے گھبرانا کیا
سکھ پہ ہے یاں کے اترانا کیا

عیش کی یاں مہلت ہے نہ غم کی
سب یہ نمائش ہے کوئی دم کی

آنی جانی چیز ہیں خوشیاں
چلتی پھرتی چھاؤں ہیں ارماں

منگنی ، بیاہ ، برات اور رخصت
میل ملاپ ، سہاگ اور سنگت

---

۱ - نسخۂ مصطفائی (ص ۲۴) میں مصرع اولیٰ یوں ہے :
"ورنہ ہے اس دنیا میں بھرا کیا"
نسخۂ شجاعت (ص ۱۳۶) میں یہ شعر یوں چھپا ہے :
ورنہ اس دنیا میں دھرا کیا ہے
خواب کا سا اک ہے یہ تماشا
نسخۂ فاضل (ص ۱۷۲) میں یوں درج ہے :
ورنہ اس دنیا میں دھرا کیا
خواب سا اک ہے گا یہ تماشا
(مرتب)

ہیں دو دن کے سب بہلاوے
آگے چل کر ہیں پچھتاوے

ریت کی سی دیوار ہے دنیا
اوچھے کا سا پیار ہے دنیا

بجلی جیسی چمک ہے اس کی
پل دو پل کی جھلک ہے اس کی

پانی کا سا ہے یہ بچارا
جگنو کا سا ہے چمکارا

آج ہے یاں جنگل میں منگل
کل سنسان پڑا ہے جنگل

آج ہے میلا ہر دم دونا
اور کل گاؤں پڑا ہے سونا

آج ہے رہنے کی تیاری
اور کل ہے چلنے کی باری

آج ہے پانا کل ہے کھونا
آج ہے ہنسنا کل ہے رونا

کبھی ہے بادھا کبھی ہے گھاٹا
کبھی جوار اور کبھی ہے بھاٹا

ہار کبھی اور جیت کبھی ہے
اس نگری کی ریت یہی ہے

ساتھ سہاگ اور سوگ ہے یاں کا
ناؤ کا سا سنجوگ ہے یاں کا

خوشی میں غم یاں ملا ہوا ہے
امرت میں بس گھلا ہوا ہے

سیر کو جو اس باغ میں آئیں
دیکھ کے پھل کو ہاتھ لگائیں

یاں ہر پھل اندرائن کا ہے
دیکھنے سے چکھنے میں برا ہے

عیش جنھوں نے سدا اڑائے
وہ بھی ہیں آخر کو پچھتائے

رہے ہیں گر کر چڑھے ہیں جو یاں
گھٹے ہیں آخر بڑھے ہیں جو یاں

جو بیاہے وہ ہیں پچھتاتے
بن بیاہے ہیں بیاہ مناتے

اس پھل کا ہے یہی پریکھا
جو نہیں چکھا وہی ہے میٹھا

خوش نہ ہوں خوشیوں کے متوالے
ہیں یہ نشے سب اترنے والے

غم کی گھٹا آتی ہے گرجتی
گھڑی میں یاں گھڑیال ہے بجتی[1]

رہگیروں کا بندھا ہے تانتا
ایک آتا ہے ایک ہے جاتا

جو آئے ہیں ان کو ہے جانا
جو گئے ان کو پھر نہیں آنا

---

۱ - ''گھڑی میں یہاں'' (نسخۂ مصطفائی ص ۲۶) - ''گھڑیال کی بجتی'' (نسخۂ فاضل ص ۱۷۳) ع: ''گھڑی ہیں یہاں گھڑیال کی بجتی'' (نسخۂ شجاعت - ص ۱۳۷) - (مرتب)

خواہ ہوں رانڈ اور خواہ سہاگن
موت ہے سب کی جان کی دشمن
ایک ہے گو آج ایک سے بہتر
مر گئیں جب دونوں ہیں برابر

اور کوئی گر انصاف سے دیکھے
مر کے اُسے نسبت نہیں اس سے
عیش گئی وہ چھوڑ کے یاں کے
قید گئی یہ کاٹ کے یاں سے

اس کو پڑی کل اس کی گئی کل
یہ گئی ہلکی وہ گئی بوجھل
اس کا دل اس دنیا سے اُٹھانا
ہے ناخن سے گوشت چھٹانا

جان یہ آساں دیتی ہے ایسے
بو ہے نکلتی پھول سے جیسے[1]
غم ہو غرض یا عیش ہو کچھ ہو
ہے ہمیں جانا چھوڑ کے سب کو

تیرے سوا یاں اے مرے مولا !
کوئی رہا ہے اور نہ رہے گا
پڑی تھی سونی جب یہ نگریا
تیری ہی تھی یاں کھڑی اٹریا

پھر یہ نگریا اُجڑ کے ساری
تیری ہی رہ جائے گی اٹاری
تھا نہ کچھ آگے تیرے سوا یاں
اور رہے گا کچھ نہ سدا یاں

۱۔ نسخۂ شجاعت اور نسخۂ فاضل میں ایسی اور جیسی درج ہے۔

یاں کوئی دن دکھ پایا تو کیا
اور کوئی دم سکھ پایا تو کیا

اب نہ مجھے کچھ رنج کی پروا
اور نہ آسائش کی تمنا

چاہتی ہوں اک تیری محبت
اور نہیں رکھتی کوئی حاجت

گھونٹ اک ایسا مجھ کو پلا دے
تیرے سوا جو سب کو بھلا دے

آئے کسی کا دھیان نہ جی میں
کوئی رہے ارمان نہ جی میں

فکر ہو اچھی کی نہ بری کی
تیرے سوا دھن ہو نہ کسی کی

کوئی جگہ اس دل میں نہ پائے
یاد کوئی بھولے سے نہ آئے

سینہ یہ تجھ سے بھرا ہو سارا
میت سمائے اس میں نہ پیارا

دل نے بہت یاں مجھ کو ستایا
موت کا برسوں مزا چکھایا

خواب میں دیکھ اک سوانگ نرالا[1]
آگ میں جیتے جی مجھے ڈالا

---

۱ - مطابق نسخۂ مصطفائی (ص ۲۷) - نسخۂ شجاعت (ص ۱۳۹) اور نسخۂ فاضل (ص ۱۷۴) میں یہ مصرع یوں درج ہے:
''خواب میں دیکھا اک سوانگ نرالا'' (مرتب)

میرا اور اپنا چین گنوایا
آپ جلا اور مجھ کو جلایا
آٹھ نہیں سکتے مجھ سے اب اک دم
یہ دنیا کے ناشدنی غم

دل میں لگن بس اپنی لگا دے
سارے غم اپنے غم میں کھپا دے
غیر کے رشتے توڑ دے سارے
دل کے پھپھولے پھوڑ دے سارے

جب مجھے تنہا کیا ہے پیدا
تو مجھے بندھوا کر نہ کسی کا
واں سے اکیلی آئی ہوں جیسی
ویسی ہی یاں سے جاؤں اکیلی

ساتھ کوئی غم لے کے نہ جاؤں
تیرے سوا کھو دوں جسے پاؤں
دل نہ پھرے دنیا میں بھٹکتا
کوئی رہے کانٹا نہ کھٹکتا

جی سے نشاں پیاروں کا مٹا دوں
پیار کے منہ کو آگ لگا دوں
تو ہی ہو دل میں تو ہی زباں پر
مار کے جاؤں لات جہاں پر

پاؤں تجھے اک اک کو گنوا کر
خاک میں جاؤں سب کو ملا کر

* * *

چپ کی داد

(۱۹۰۵ع)[1]

اے ماؤ ، بہنو ، بیٹیو ، دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھی ، قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں ، شہروں کی ہو آبادیاں
غم گیں دلوں کی شادیاں ، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن ، تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو ، عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں ، ایماں سلامت تم سے ہے
فطرت تمھاری ہے حیا ، طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا ، انساں عبارت تم سے ہے

۱- ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے اس نظم کا سنہ تصنیف ۱۹۰۶ع متعین کیا ہے (حالی کا ذہنی ارتقا ، ص ۲۱۳) - ڈاکٹر شجاعت علی بھی اس رائے سے متفق ہیں (حالی بحیثیت شاعر ، ص ۹۱) - مولانا حالی آخر دسمبر ۱۹۰۵ع میں حیدر آباد تشریف لے گئے تھے جہاں وسط جون ۱۹۰۶ع تک قیام فرما رہے - اسی دوران میں انھوں نے مہاراجہ سر کشن پرشاد کے زیر صدارت ایک بہت بڑے جلسے میں یہ نظم سنائی تھی - فاضل محققین کے قیاس کی بنیاد غالباً یہی واقعہ ہے - خاکسار مرتب نے بھی ''ترجمۂ حالی'' کے تتمے (مشمولہ کلیات جلد اول)میں اسی رائے کا اعادہ کیا ہے لیکن حیدر آباد کے جلسے میں نظم خوانی ' سن تصنیف کے بارے میں کوئی قطعی دلیل نہیں - در حقیقت یہ نظم سفر حیدر آباد سے قبل لکھی جا چکی تھی اور رسالہ ''خاتون'' (علی گڑھ) کے شمارہ بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۵ع میں شائع ہوئی تھی ، پھر فروری ۱۹۰۶ع کے مخزن میں رسالہ ''خاتون'' سے منقول ہوئی - (مرتب)

مردوں میں ست والے تھے جو ست بیٹھے اپنا کب کا کھو
دنیا میں اے ستونتیو ! لے دے کے اب ست تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم ، غم خوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب ، گھر بھر کی برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی ، ڈھارس ہو تم بے کار کی
دولت ہو تم نادار کی ، عسرت میں عشرت تم سے ہے
آتی ہو اکثر بے طلب دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

میکے میں سارے گھر کی تھیں گو مالک و مختار تم
پر سارے کنبے کی رہیں بچپن سے خدمت‌گار تم
ماں باپ کے حکموں پہ پتلی کی طرح پھرتی رہیں
غم خوار باپوں کی رہیں ، ماؤں کی تابعدار تم
دن بھر پکانا ریندھنا ، سینا ، پرونا ، ٹانکنا
بیٹھیں نہ گھر پر باپ کے خالی کبھی زنہار تم
راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اٹھ اٹھ کے لی
بچہ کوئی سوتے میں رویا اور ہوئیں بیدار تم
سسرال میں پہنچیں تو واں اک دوسرا دیکھا جہاں
جا اتریں گویا دیس سے پردیس میں اک بار تم
واں فکر تھی ہر دم یہاں ناخوش نہ ہو تم سے کوئی
اپنے سے رنجش کے کبھی پاؤ نہ واں آثار تم
بدلے نہ شوہر کی نظر ، سسرے کا دل میلا نہ ہو
آنکھوں میں ساس اور نند کی کھٹکو نہ مثلِ خار تم
پالا بروں سے گر پڑے ، بدخو ہوں سب چھوٹے بڑے
چتون پہ میل آنے نہ دو ، گو دل میں ہو بیزار تم

غم کو غلط کرتی رہو سسرال میں ہنس بول کر
شربت کے گھونٹوں کی طرح پیتی رہو خونِ جگر

شادی کے بعد ایک ایک کو تھی آرزو اولاد کی
تم پھنس گئیں جنجال میں خالق نے جب اولاد دی
دردوں کے دکھ تم نے سہے ، جاپے[1] کی جھیلیں سختیاں
جب موت کا چکھا مزا تب تم کو یہ دولت ملی
میکے میں اور سسرال میں سب کے ہوئے دل باغ باغ
گھر میں اُجالا تو ہوا پر تم پہ بپتا پڑ گئی
کھانا پہننا اوڑھنا اپنا گئیں سب بھول تم
بچوں کے دھندے میں تمھیں اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
تب تک بھی سمجھو خیر تھی جب تک بھلے چنگے تھے سب
پر سامنا آفت کا تھا گر ہو گیا ماندہ کوئی
سولی پہ دن کٹنے لگے راتوں کی نیندیں اڑ گئیں
اک اک برس کی ہو گئی اک ایک پل اک اک گھڑی
بچوں کی سیوا میں تمھیں گزرے ہیں جیسے دس برس
قدر اس کی جانے گا وہی دم پر ہو جس کے یوں بنی
کی ہے مہم جو تم نے سر ، مردوں کو اس کی کیا خبر
جانے پرائی پیڑ وہ جس کی بوائی ہو پھٹی[2]
تھا پالنا اولاد کا مردوں کے بوتے سے سوا
آخر یہ اے دکھیاریو خدمت تمھارے سر پڑی

---

۱ - جاپا : زچگی -

۲ - بوائی پھٹنا : ایڑی پھٹنے یا ایڑی میں خراش پڑنے کی تکلیف -
ضرب المثل : جس کی پھٹی نہ ہو بوائی ، کیا جانے پیڑ پرائی -

پیدا اگر ہوتیں نہ تم بیڑا نہ ہوتا پار یہ
چیخ اٹھتے دو دن میں اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ

لیتیں خبر اولاد کی مائیں نہ گر چھٹپن میں یاں
خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہو جاتا جہاں

یہ گوشت کا اک لوتھڑا پروان چڑھتا کس طرح
چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں

وہ دین اور دنیا کے مصلح جن کے وعظ اور پند سے
ظلمت میں باطل کی ہوا دنیا میں نورِ حق عیاں

وہ علم اور حکمت کے بانی جن کی تحقیقات سے
ظاہر ہوئے عالم میں اسرارِ زمین و آسماں

وہ شاہِ کشور گیر اسکندر کہ جس کی دھاک سے
تھے بید کی مانند لرزاں تاج دارانِ جہاں

وہ فخرِ شاہانِ عجم کسریٰ کہ جس کے عدل کی
مشرق سے تا مغرب زبانوں پر ہے جاری داستاں

کیا پھول پھل یہ سب انھی کمزور پودوں کے نہ تھے
سینچا تھا ماؤں نے جنھیں خونِ جگر سے اپنے یاں

کیا صوفیانِ با صفا ، کیا عارفانِ با خدا
کیا اولیا کیا انبیا ، کیا غوث کیا قطبِ زماں

سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑھے
وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں سب اوپر چڑھے

افسوس ! دنیا میں بہت تم پر ہوئے جور و جفا
حق تلفیاں تم نے سہیں بے مہریاں جھیلیں سدا

اکثر تمہارے قتل پر قوموں نے باندھی ہے کمر
دیں تا کہ تم کو یک قلم خود لوحِ ہستی سے مٹا
گاڑی گئیں تم مدتوں مٹی میں جیتی جاگتی
حامی تمہارا تھا مگر کوئی نہ جز ذاتِ خدا
زندہ سدا جلتی رہیں تم مردہ خاوندوں کے ساتھ
اور چین سے عالم رہا یہ سب تماشے دیکھتا
بیاہی گئیں اس وقت تم ، جب بیاہ سے واقف نہ تھیں
جو عمر بھر کا عہد تھا وہ کچے دھاگے سے ہندھا
بیاہا تمھیں ماں باپ نے اے بے زبانو اس طرح
جیسے کسی تقصیر پر مجرم کو دیتے ہیں سزا
گزری اُمید و بیم میں جب تک رہا باقی سہاگ
بیوہ ہوئیں تو عمر بھر پھر چین قسمت میں نہ تھا
تم سخت سے سخت امتحاں دیتی رہیں پر رائگاں
کیں تم نے جانیں تک فدا کہلائیں پھر بھی بے وفا
گو صبر کا اپنے نہ کچھ تم کو ملا انعام یاں
پر جو فرشتے سے نہ ہو وہ کر گئیں تم کام یاں

———

کی تم نے اس دارالمحن میں جس تحمل سے گزر
زیبا ہے گر کہیے تمھیں فخرِ بنی نوعِ بشر
جو سنگ دل سفاک پیاسے تھے تمہارے خون کے
اُن کی تو ہیں بے رحمیاں مشہور عالم میں مگر
تم نے تو چین اپنے خریداروں سے بھی پایا نہ کچھ
شوہر ہوں اس میں یا پدر ، یا ہوں برادر یا پسر
الفت تمھاری کر گئی گھر دل میں جس بے دید کے
وہ بدگماں تم سے رہا اے بد نصیبو عمر بھر

گو نیک مرد اکثر تمھارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہوں یا بد ، رہے سب متفق اس رائے پر

جب تک جیو تم علم و دانش سے رہو محروم یاں
آئی ہو جیسی بے خبر ویسی ہی جاؤ بے خبر

تم اس طرح مجہول اور گم نام دنیا میں رہو
ہو تم کو دنیا کی ، نہ دنیا کو تمھاری ہو خبر

جو علم مردوں کے لیے سمجھا گیا آبِ حیات
ٹھہرا تمھارے حق میں وہ زہرِ ہلاہل سر بسر

آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب
دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

گزرے تھے جگ تم پر کہ ہمدردی نہ تھی تم سے کہیں
تھا منحرف تم سے فلک ، برگشتہ تھی تم سے زمیں

دنیا کے دانا اور حکیم اس خوف سے لرزاں تھے سب
تم پر مبادا علم کی پڑ جائے پرچھائیں کہیں

ایسا نہ ہو مرد اور عورت میں رہے باقی نہ فرق
تعلیم پا کر آدمی بننا تمھیں زیبا نہیں

یاں تک تمھاری ہجو کے گائے گئے دنیا میں راگ
تم کو بھی دنیا کی کہن کا آ گیا آخر یقیں

علم و ہنر سے رفتہ رفتہ ہو گئیں مایوس تم
سمجھا لیا دل کو کہ ہم خود علم کے قابل نہ تھیں

جو ذلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کے لیے
وہ ذلتیں سب نفس پر اپنے گوارا تم نے کیں

سمجھا نہ تم کو ایک دن مردوں نے قابل بات کے
تم بے وفا کہلائیں لیکن لونڈیاں بن کر رہیں
آخر تمھاری چپ دلوں میں اہلِ دل کے چبھ گئی
سچ ہے کہ **چپ کی داد** آخر بے ملے رہتی نہیں
بارے زمانہ نیند کے ماروں کو لایا ہوش میں
آیا تمھارے صبر پر دریائے رحمت جوش میں

نوبت تمھاری حق رسی کی بعد موت آئی ہے
انصاف نے دھندلی سی اک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہے تمھارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا
پر حل ہر اک مشکل یونہی دنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سدا سچائی کی
پر فتح جب پائی ہے سچائی نے آخر پائی ہے
اے بے زبانوں کی زبانو ، بے بسوں کے بازوؤ
تعلیمِ نسواں کی مہم جو تم کو اب پیش آئی ہے
یہ مرحلہ آیا ہے تم سے پہلے جن قوموں کو پیش
منزل پہ گاڑی ان کی استقلال نے پہنچائی ہے
ہے رائی بھی پربت اگر دل میں نہیں عزمِ درست
پر ٹھان لی جب جی میں پھر پربت بھی ہو تو رائی ہے
یہ جیت بھی کیا کم ہے خود حق ہے تمھاری پشت پر
جو حق پہ منہ آیا ہے آخر اس نے منہ کی کھائی ہے
جو حق کے جانب دار ہیں بس آن کے بیڑے پار ہیں
بھوپال کی جانب سے یہ ہاتف کی آواز آئی ہے

ہے جو مہم در پیشِ دستِ غیب ہے اس میں نہاں
تائید حق کا ہے نشاں امدادِ سلطانِ جہاں!

* * *

---

۱ - مراد نواب سلطان جہاں بیگم، والیۂ ریاست بھوپال جو تحریکِ تعلیم نسواں کی سب سے بڑی سرپرست تھیں اور بھوپال کے باہر بھی خواتین کی اصلاح و تعلیم پر توجہ فرماتی رہیں - نظم کے آخری بند میں شاعر نے اُن دشواریوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو عام مخالفت کی وجہ سے اس تحریک کے علم برداروں کی راہ میں حائل تھیں - بالآخر ڈاکٹر شیخ عبداللہ اور اُن کے رفقا کی کوششوں سے علی گڑھ میں ایک گرلز ہائی سکول قائم ہوا - ۱۹۰۵ء میں اس تحریک کی اشاعت کی غرض سے رسالہ ''خاتون'' (علی گڑھ) جاری کیا گیا - ۱۹۰۶ء میں نواب سلطان جہاں بیگم کی مالی امداد سے مسلمان طالبات کے لیے ایک بورڈنگ ہاؤس بھی تعمیر ہو گیا - (مرتب)

فصل هشتم

قومی و ملی نظمیں

۱۰۳۸۸

۱ - مد و جزر اسلام

(۱۸۷۹ ع)

رباعی

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے پر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

مسدس

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
"مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا؟" [تمہید]
کہا "دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا
کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گر ان کو سجھائیں
تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں
یونہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ"

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے
گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
چپ و راست[1] سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

پر اُس قومِ غافل کی غفلت وہی ہے
تنزل پہ اپنے قناعت وہی ہے
ملے خاک میں پر رعونت وہی ہے
ہوئی صبح اور خوابِ راحت وہی ہے
نہ افسوس انھیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

بہائم کی اور ان کی حالت ہے یکساں
کہ جس حال میں ہیں اُسی میں ہیں شاداں
نہ ذلت سے نفرت نہ عزت کا ارماں
نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کے خواہاں
لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انھوں نے
کیا دینِ برحق کو بدنام انھوں نے

---

۱ - مطابق صدی ایڈیشن (ص ۲۷) - تہذیب الاخلاق اور معاصر نسخوں میں ''چپ و راس'' درج ہے -

وہ دیں جس نے اعدا کو اخواں بنایا
وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوارِ دوراں بنایا
گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلہ
گراں کر دیا اس کا عالم سے پلہ

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا [زمانۂ جاہلیت]
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ کشورستاں تھا نہ کشور کشا تھا[1]
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور
کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے سامان تھے واں میسر
کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں
لوؤں کی لپٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں
کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں

---

۱ - طبع اول میں یہ چاروں مصرعے اس طرح ہیں :

عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نما تھا
کہ پیوند ملکوں سے جس کا جدا تھا
نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا
نہ اس پر کوئی غیر فرماں ہوا تھا (تہذیب - ص ۷۲)

نہ کھتّوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

نہ واں مصر کی روشنی[1] جلوہ گر تھی
نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبعِ بشر تھی
خدا کی زمیں بن جتی سربسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا

کہیں آگ پجتی تھی واں بےمحابا
کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا
بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا[2]

---

۱ - مصر کی روشنی سے مراد ہے قدیم مصری تہذیب جو دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار کی جاتی ہے -

۲ - یہ شعر اس طرح ہے

وہ اک بت پرستوں کا تیرتھ بنا تھا
جہاں تین سو ساٹھ بت پج رہا تھا (تہذیب - ص ۷۳)

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا
کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزا پہ وہ نائلہ پر فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب[1] کی باہم لڑائی[2]
صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی

---

۱ - عرب کے دو قبیلے ، بنی بکر اور بنی تغلب جن کے درمیان لڑائی شروع ہوئی اور پھر عرب کے تمام قبیلوں میں پھیل گئی - یہ لڑائی جو قدیم عرب کی تاریخ میں حرب بسوس کے نام سے مشہور ہے ، ۴۹۴ء سے ۵۳۴ء تک جاری رہی اور اس میں ستر ہزار آدمی مارے گئے -

۲ - یہ مصرعہ اس طرح ہے :

وہ بکر اور تغلب کی نامی لڑائی (تہذیب - ص ۷۳)

قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی
تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جگھڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ[1]

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی

---

۱ - اس کے بعد مندرجہ ذیل بند درج ہے جو بعد میں خارج کر دیا گیا :

اسی طرح اور ایک خون ریز پیدا
عرب میں لقب حرب داحس تھا جس کا
رہا ایک مدت تک آپس میں برپا
بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا
سبب اس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے
کہ گھوڑ دوڑ میں چیند کی تھی کسی نے

(تہذیب - ص ۳۷)

تعیش تھا ، غفلت تھی ، دیوانگی تھی
غرض ہر طرح اُن کی حالت بری تھی

بہت اس طرح اُن کو گزری تھیں صدیاں[1]
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت
بڑھا جانبِ بوقبیس[2] ابرِ رحمت [ولادت رحمۃللعالمین]
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوے آمنہ سے ہویدا
دعاے خلیل اور نویدِ مسیحا[3]

ہوے محو عالم سے آثار ظلمت
کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت

---

۱ - یہ مصرع اس طرح ہے :
بس اس طرح دس ان کو گزری تھیں صدیاں (تہذیب - ص ۴۷)

۲ - ایک پہاڑ کا نام ہے جو شہر مکہ سے مشرق کی جانب ہے -

۳- اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے دادا ابرہیم[4] کی دعا اور اپنے بھائی عیسیٰ کی بشارت ہوں - حضرت ابراہیم[4] نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت مکہ اور اہل مکہ کے لیے جو دعائیں مانگی تھیں ، اُن کا ذکر سورۃ البقرہ میں آیا ہے - اُن کی ایک دعا یہ تھی : ربنا وابعث فیہم رسولاً منھم.....الخ (۲ : ۱۲۹). ترجمہ : اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیج.....- حضرت عیسیٰ[4] نے بنی اسرائیل کو جو بشارت دی تھی ، اس کا ذکر انجیل یوحنا کے سولھویں باب اور قرآن کی سورۃ الصف میں آیا ہے - الصف کی آیت کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں ... و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (۶۱ : ۶) ترجمہ خوش خبری سناتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا ، اس کا نام ہوگا احمد -
(مرتب)

نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت
کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت
یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا[1] سے
وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا[2]
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا [بعثت خاتم النبین]
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اُس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

---

۱ - مکہ معظمہ سے تین میل دور ، کوہ حرا میں ایک غار جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعثت ذکر و فکر کیا کرتے تھے - سب سے پہلے وحی الٰہی اسی غار میں نازل ہوئی تھی -
۲ - قرآن (سورۂ انبیاء) کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے : ...وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین (۲۱ : ۱۰۷)-

پڑی کان میں دھات تھی اک نکمی
نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی
طبیعت میں جو اُس کے جوہر تھے اصلی
ہوئے سب تھے مٹی میں مل کر وہ مٹی
یہ تھا ثبت علمِ قضا و قدر میں
کہ بن جائے گی وہ طلا اک نظر میں

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر
تمام اہلِ مکہ کو ہمراہ لے کر
[رسالت کی پہلی تبلیغ]
دیا ایک دن حسبِ فرمانِ داور
سوے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ ''اے آلِ غالب![1]
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب؟''
کہا سب نے ''قول آج تک کوئی تیرا
کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا''
کہا ''گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا
تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا؟
کہ فوجِ گراں پشتِ کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمھیں گھات پا کر''
کہا ''تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے
کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے''
کہا ''گر مری بات یہ دل نشیں ہے
تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنے والا''

۱- بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کو آل غالب کہتے ہیں - غالب، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں دادا کا نام ہے جو عدنان سے گیارہ پشت نیچے ہیں -

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی
اک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا
حقیقت کا گر اُن کو ایک اک بتایا [تبلیغ شریعت]
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا
بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیے ایک پردہ اٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں [ضلالت اہل اسلام]
بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانے میں تھا دورِ صہبائے بطلاں
مئے حق سے محرم نہ تھی بزمِ دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خمِ معرفت کا تھا منہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے
نہ آگاہ تھے مبداٴ و منتہا سے
لگائی تھی ایک اک نے لو ماسوا سے
پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لایق
زباں اور دل کی شہادت کے لایق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لایق [توحید کی تعلیم]
اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لایق

لگاؤ تو لو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اُسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم
اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اُسی کی طلب میں مرو گر مرو تم

مبّرا ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں
مہ و مہر ادنٰی سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں
نبی اور صدیق مجبور ہیں واں

نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

تم اوروں کے مانند دھوکا نہ کھانا[1]
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا

۱- اس بند کے پانچ مصرعے یوں ہیں :

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا
کہ سمجھے وہ عیسٰی کو بیٹا خدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا
مری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا
سب انسان ہیں جس طرح سر فگندہ
(تہذیب - ص ۷۵)

مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا
بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ
اُسی طرح ہوں میں بھی اک اُس کا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[1]

اسی طرح دل اُن کا ایک اک سے توڑا
ہر اک قبلۂ کج سے منہ اُن کا موڑا
کہیں ماسوی کا علاقہ نہ چھوڑا
خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا

کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیے سر جھکا اُن کے، مالک کے آگے

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب
نشاں گنجِ دولت کا ہاتھ آ گیا جب
محبت سے دل ان کا گرما گیا جب
سماں اُن پہ توحید کا چھا گیا جب

سکھائے معیشت کے آداب اُن کو
پڑھائے تمدن کے سب باب اُن کو

[تعلیم معاش]

۱- سورۃ الکہف کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی...(۱۸: ۱۱۰) **ترجمہ:** کہہ دو کہ میں بھی تمھی جیسا انسان ہوں مگر مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ (مرتب)

جتائی اُنھیں وقت کی قدر و قیمت
دلائی اُنھیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت
ہو فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمھارا!
بھلائی میں جو وقت تم نے گزارا[1]

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے [فرصت]
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت ، مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

یہ کہہ کر کیا علم پر اُن کو شیدا
کہ ہیں دور رحمت سے سب اہلِ دنیا [علم]
مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا
ہے تعلیم کا یا سدا جن میں چرچا
انھی کے لیے یاں ہے نعمت خدا کی
انھی پر ہے واں جا کے رحمت خدا کی[2]

سکھائی اُنھیں نوع انساں پہ شفقت
کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت [ہمدردی]

۱- اس بند کے آخری چار مصرعوں میں اس حدیث کا مفہوم ادا کیا گیا ہے : ”یتبع المیت ثلثہ فیرجع اثنان و یبقی معہ واحد یتبع اھلہ و مالہ و عملہ فیرجع اھلہ و مالہ و یبقی عملہ۔“

۲- اس حدیث کی طرف اشارہ ہے : ”الا ان الدنیا ملعونۃ ملعون مافیھا الّا ذکر اللہ و ما والاہ وعالم و متعلم“ (یعنی خبردار رہو کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں ملعون ہیں بجز ذکر خدا کے اور جو اس سے ملتا جلتا ہو اور بجز عالم اور متعلم کے)۔

کہ ہمسایے سے رکھتے ہیں وہ محبت
شب و روز پہنچاتے ہیں اُس کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں[1]

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر[2]
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اُس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر[3]

ڈرایا تعصب سے ان کو یہ کہہ کر
کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر [تعصب]
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر
وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرہ
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا[4]

۱- اس بند میں اس حدیث کا مفہوم ادا کیا گیا ہے : ''احسن الیٰ جارک تکن مومناً و احب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلماً'' (اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کر ، تو مومن ہو جائے گا اور لوگوں کے لیے وہی پسند کر جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے ، تبھی تو سچا مسلمان ہوگا) ۔

۲- اس حدیث کی طرف اشارہ ہے : ''لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس'' (اللہ رحم نہیں کرتا اس پر جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا)

۳- اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث کا ترجمہ کیا گیا ہے :
''ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء ۔''

۴- اس بند میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: ''لیس منّا من دعا الی عصبیّۃ ولیس منّا من قاتل عصبیۃ و لیس منّا من مات علی عصبیۃ حبک

(باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

بچایا برائی سے اُن کو یہ کہہ کر
کہ طاعت سے ترکِ معاصی ہے بہتر [پرہیزگاری]

تورّع کا ہے ذات میں جن کی جوہر
نہ ہوں گے کبھی عابد اُن کے برابر

کرو ذکر اہلِ ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم[1]

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی
کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی [کمائی]

خبر تاکہ لو اس سے اپنی پرائی
نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی

طلب سے ہے دنیا کی گر یاں یہ نیت
تو چمکو گے واں ماہِ کامل کی صورت[2]

(صفحہ گزشتہ کا باقی حاشیہ)
الشئی یعمی و یصم" (وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی ترغیب دیتا ہے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنا پر قتال کرتا ہے اور عصبیت پر مرتا ہے - کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے -)

۱- اس بند میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: "ذکر رجل عند رسول اللہ بعبادۃ و ذکر آخر برعۃ فقال النبی لا تعدل بالرعۃ یعنی الورع - " (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر عبادت گزاری اور دوسرے کا ذکر پرہیزگاری کے لیے کیا گیا - نبی کریمؐ نے فرمایا کہ عابد پرہیزگار کے برابر نہیں ہو سکتا) -

۲- یہاں اس حدیث کا مفہوم ادا کیا گیا ہے: "من طلب الدنیا حلالاً استعفافاً عن المسئلۃ وسعیاً علیٰ اھلہ و تعطفاً علی جارہ لقی اللہ تعالیٰ یوم القیمۃ و وجھہ مثل القمر لیلۃ البدر -" (جو شخص جائز ذریعے سے روپیہ اس غرض سے کمائے کہ بھیک مانگنے سے بچے اور بال بچوں کے لیے کوشش کرے اور اپنے ہمسایوں پر مہربانی کرے، ایسا شخص قیامت کے دن خدا سے اس طرح ملے گا کہ اس کا چہرہ مثل چودھویں کے چاند کے روشن ہو گا) -

امیروں کو تنبیہ کی اس طرح پر
کہ ہیں تم میں جو اغنیا اور تونگر
اگر اپنے طبقے میں ہوں سب سے بہتر [اغنیا]
بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور
نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز
اُٹھاتے نہ ہوں بے دھڑک گام ہرگز

تو مُردوں سے آسودہ تر ہے وہ طبقہ
زمانہ مبارک ملے جس کو ایسا
پہ جب اہلِ دولت ہوں اشرارِ دنیا
نہ ہو عیش میں جن کو اوروں کی پروا
نہیں اُس زمانے میں کچھ خیر و برکت
اقامت سے بہتر ہے اُس وقت رحلت[1]
دے پھیر دل اُن کے مکر و ریا سے
بھرا اُن کے سینے کو صدق و صفا سے [اخلاق]

۱- گزشتہ بند اور اس بند میں حدیث ذیل کی ترجمانی کی گئی ہے:
"اذ کان اُمراؤکم خیارکم و اغنیاءکم سمحاءکم و امورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا و اذ کان اُمراؤکم شرارکم و اغنیاءکم بخلاؤکم و امورکم الیٰ نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا" (جب تم میں سے بہتر لوگ تمھارے حاکم ہوں اور تم میں سے فیاض لوگ مالدار ہوں اور تمھارے کام باہمی مشورے سے انجام پاتے ہوں تو تمھارے لیے زمین کے پیٹ سے اس کی پشت اچھی ہے یعنی تمھاری زندگی موت سے بہتر ہے - اور جب تم میں سے بد لوگ تمھارے حاکم ہوں اور بخیل لوگ امیر ہوں اور تمھارے کام عورتوں کے حوالے ہوں تو تمھارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے، یعنی تمھاری موت زندگی سے بہتر ہے) -

بچایا اُنھیں کذب سے افترا سے
کیا سرخ رو خلق سے اور خدا سے

رہا قولِ حق میں نہ کچھ باک اُن کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک اُن کو

کہیں حفظِ صحت کے آئیں سکھائے
سفر کے کہیں شوق ان کو دلائے
مفاد ان کو سوداگری کے سجھائے
اصول ان کو فرماں دہی کے بتائے

نشاں راہِ منزل کا ایک اک دکھایا
بنی نوع کا اُن کو رہبر بنایا

[تمدن]

ہوئی ایسی عادت پہ تعلیم غالب
کہ باطل کے شیدا ہوئے حق کے طالب
مناقب سے بدلے گئے سب مثالب
ہوئے روح سے بہرہ ور اُن کے قالب

[اثر تربیت]

جسے راج رد کر چکے تھے، وہ پتھر
ہوا جا کے آخر کو قایم سرے پر

جب اُمت کو سب مل چکی حق کی نعمت
ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت
نبی نے کیا خلق سے قصدِ رحلت

[رحلت ختم المرسلین]

تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے

[عہد خلافت]

خدا اور نبی کے وفادار بندے
یتیموں کے ، رانڈوں[1] کے غم‌خوار بندے
رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکامِ دیں پر جھکا دینے والے
خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ[2] سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف آن میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار اُس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش‌آیندہ‌تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغِ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

۱- اس مصرعے میں رانڈوں کی جگہ ”بیووں“ درج ہے۔ (تہذیب - ص ۷۷)

۲- ”سینے“ - (تہذیب - ص ۷۷)

خلیفہ تھے اُمت کے ایسے نگہباں
ہو گلے کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں[1]
نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی
زمانے میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی
رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی
شریعت کے قبضے میں تھی باگ اُن کی
جہاں کردیا نرم ، نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم ، گرما گئے وہ
کفایت جہاں چاہیے واں کفایت
سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت
نہ بے وجہ اُلفت نہ بے وجہ نفرت
جھکا حق سے جو جھک گئے اُس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اُس سے وہ بھی
ترقی کا جس دم خیال اُن کو آیا
اک اندھیر تھا ربعِ مسکوں میں چھایا
ہر اک قوم پر تھا تنزل کا سایا [عام تاریکی کا زمانہ]
بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا
وہ نیشن جو ہیں آج گردوں کے تارے
دھندلکے میں پستی کے پنہاں تھے سارے

۱- یہ مصرع یوں درج ہے :
"مسلمان و ذمی کے سب حق تھے یکساں" (تہذیب - ص : ۷۸)

نہ وہ دور دورہ تھا عبرانیوں کا
نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا[1]
پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا
پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا
جہاز اہلِ روما کا تھا ڈگمگاتا
چراغ اہلِ ایراں کا تھا ٹمٹماتا[2]
ادھر ہند میں ہر طرف تھا اندھیرا
کہ تھا گیان گن کا لدا یاں سے ڈیرا
اُدھر تھا عجم کو جہالت نے گھیرا[3]
کہ دل سب نے کیش و کنش سے تھا پھیرا
نہ بھگوان کا دھیان تھا گیانیوں میں
نہ یزداں پرستی تھی یزدانیوں میں
ہوا ہر طرف موجزن تھی بلا کی
گلوں پر چھری چل رہی تھی جفا کی
عقوبت کی حد تھی نہ پرسش خطا کی
پڑی لٹ رہی تھی ودیعت خدا کی
زمیں پر تھا ابرِ ستم کا دڑیڑا
تباہی میں تھا نوعِ انساں کا بیڑا
وہ قومیں جو ہیں آج غم‌خوارِ انساں
درندوں کی اور اُن کی طینت تھی یکساں

---

۱ - ''نہ ہنگامہ تھا گرم عبرانیوں کا
نہ اقبال یاور تھا نصرانیوں کا'' (تہذیب - ص ۷۸)

۲ - جہاز استعارہ ہے سلطنت روم کے لیے (بحر روم پر اس کے تسلط اور زبردست جہازی بیڑے کی مناسبت سے) اور چراغ استعارہ ہے سلطنت ایران کے لیے (ایرانیوں کی آتش پرستی کی رعایت سے) -

۳ - ''ادھر تھا جہالت نے فارس کو گھیرا'' (تہذیب - ص ۷۸)

جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں
بہت دور پہنچا تھا واں ظلم و طغیاں
بنے آج جو گلہباں ہیں ہمارے
وہ تھے بھیڑیے آدمی خوار سارے
ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب
جہاں عقل و دانش کا بھوار ہے اب
جہاں ابرِ رحمت گہربار ہے اب[1]
جہاں ہن برستا لگاتار ہے اب
تمدن کا پیدا نہ تھا واں نشاں تک
سمندر کی آئی نہ تھی موج واں تک
نہ رستہ ترقی کا کوئی کھلا تھا[2]
نہ زینہ بلندی پہ کوئی لگا تھا
وہ صحرا انھیں قطع کرنا پڑا تھا
جہاں نقشِ پا تھا نہ شورِ درا تھا
جونہی کان میں حق کی آواز آئی
لگا کرنے خود ان کا دل رہنمائی
اٹھا اک پہاڑوں سے بطحا کے آٹھی
پڑی چار سو یک بہ یک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی
جو ٹیگس[3] پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

[ترقی مسلماناں]

---

۱ - اس بند کا تیسرا مصرع یوں درج ہے :
''جہاں علم و حکمت کی بھر مار ہے اب'' (تہذیب۔ ص ۷۸)
۲ - ''نہ رستہ ترقی کا اب تک کھلا تھا'' (تہذیب - ص ۷۸)
۳ - ٹیگس : اسپین کی سب سے بڑی ندی - مراد یہ کہ اسلام ، اسپین سے ہندوستان تک پھیل گیا -

کیا اُمیوں نے جہاں میں اُجالا
ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا [نشر توحید]
ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

زمانے میں پھیلائی توحیدِ مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آوازِ حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں
پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتش کدوں میں
لگی خاک سی اُڑنے سب معبدوں میں

ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر

لیے علم و فن اُن سے نصرانیوں نے
کیا کسبِ اخلاق روحانیوں نے [نشر حسنات]
ادب اُن سے سیکھا صفاہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا
فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا [احیاے علوم]
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا
مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

کیا برطرف پردہ چشمِ جہاں سے
جگایا زمانے کو خوابِ گراں سے

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر [طلب علم]
ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر

گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر
گرہ میں لیا باندھ حکمِ پیمبر
کہ ''حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو''[1]
ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ
ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ[2]
ہر اگ ملک میں ان کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت
کیا جا کے آباد ہر ملکِ ویراں
مہیا کیے سب کی راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں [تعمیر بلاد]
اُنھیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں
بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود اُنھی کی لگائی ہوئی ہے
یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفا
دو طرفہ برابر درختوں کا سایا
نشاں جا بہ جا میل و فرسخ کے برپا
سرِ رہ کنوئیں اور سرائیں مہیا
انھی کے ہیں سب نے یہ چربے اُتارے
اُسی قافلے کے نشاں ہیں یہ سارے

---

۱ - اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث کا مفہوم ادا کیا گیا ہے :
''الحکمة ضالة المومن حیث وجدها فهوا حق بها''
۲ - اس مصرعے میں ''سیاحت'' کی جگہ ''زراعت'' درج ہے -
(تہذیب - ص ۷۹)

سدا ان کو مرغوب سیر و سفر تھا
ہر اک براعظم میں آن کا گزر تھا
تمام آن کا چھانا ہوا بحر و بر تھا[1] [سیر و سیاحت]
جو لنکا میں ڈیرا تو بربر میں گھر تھا
وہ گنتے تھے یکساں وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

جہاں کو ہے یاد آن کی رفتار اب تک
کہ نقشِ قدم ہیں نمودار اب تک
ملایا میں ہیں آن کے آثار اب تک
انھیں رو رہا ہے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات آن کے ازبر
نشاں آن کے باقی ہیں جبرالٹر پر
نہیں اس طبق پر کوئی براعظم
نہ ہوں[2] جس میں آن کی عمارات محکم
عرب ، ہند ، مصر ، آندلس ، شام ، دیلم[3]
بناؤں سے ہیں آن کی معمور عالم
سر کوہ آدم سے تا کوہ بیضا[4]
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے آن کا[5]

۱- ''کھنگالا ہوا آن کا سب بحر و بر تھا'' (تہذیب - ص ۷۹)
۲- اس مصرعے میں ''نہ ہوں'' کی جگہ ''نہیں'' درج ہے - (تہذیب - ص ۸۰)
۳- دیلم : بحیرۂ کیسپین کے جنوب میں ایک پہاڑی علاقہ جو پہلے ایران میں شامل تھا اور اب روس میں ہے -
۴- کوہ آدم : لنکا میں ایک پہاڑ کی چوٹی کا نام ہے - کوہ بیضا : اندلس میں ایک پہاڑ جسے اس کی برف پوش چوٹی کی مناسبت سے اہل عرب ''قلۂ بیضا'' کہتے تھے -
۵- ''تمھیں کوہ آدم سے تا کوہ بیضا
ملے گا جہاں جاؤ گے کھوج آن کا'' (تہذیب - ص ۸۰)

وہ سنگیں محل اور وہ اُن کی صفائی
جمی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی
وہ معبد جہاں جلوہ‌گر تھی خدائی
زمانے نے گو اُن کی برکت اُٹھا لی
نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی
ہوا اندلس اُن سے گلزار یکسر
جہاں اُن کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر [خلافت اندلس]
یہ ہے بیت حمرا[1] کی گویا زباں پر
کہ تھے آلِ عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی[2]
ہویدا ہے غرناطہ سے شوکت اُن کی
عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت اُن کی
بطلیموس کو یاد ہے عظمت اُن کی
ٹپکتی ہے قادس میں سر حسرت اُن کی
نصیب اُن کا اشبیلیہ میں ہے سوتا
شب و روز ہے قرطبہ اُن کو روتا
کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے
مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے
خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے[3]

---

۱ - غرناطہ میں سنگ سرخ کا بنا ہوا عظیم‌الشان قصرالحمراء - اگلے بند میں اسلامی عہد کے مشہور ہسپانوی شہروں کے نام آئے ہیں -
۲- ''میں ہوں اس زمیں پر عرب کی نشانی'' (تہذیب - ص ۸۰)
۳- ''وہ اجڑا ہوا کروفر جا کے دیکھے'' (تہذیب - ص ۸۰)

جلال اُن کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا
وہ بلدہ کہ فخرِ بلادِ جہاں تھا[1]
تر و خشک پر جس کا سکہ رواں تھا [خلافت بغداد]
گڑا جس میں عباسیوں کا نشاں تھا
عراقِ عرب جس سے رشکِ جناں تھا
اُڑا لے گئی بادِ پندار جس کو
بہا لے گئی سیلِ تاتار جس کو[2]
سنے گوشِ عبرت سے گر جا کے انساں
تو واں ذرہ ذرہ یہ کرتا ہے اعلاں
کہ تھا جن دنوں مہرِ اسلام تاباں
ہوا یاں کی تھی زندگی بخشِ دوراں
پڑی خاکِ ایتھنز میں جاں یہیں سے
ہوا زندہ پھر نامِ یوناں یہیں سے
وہ لقمان و سقراط کے درِ مکنوں
وہ اسرارِ بقراط و درسِ فلاطوں
ارسطو کی تعلیم سولن کے قانوں
پڑے تھے کسی قبرِ کہنہ میں مدفوں

۱- یہ بند اس طرح ہے :

وہ مشہور پاتخت عباسیوں کا
لب دجلہ اُڑتا تھا جس کا پھریرا
تر و خشک پر جس کا پڑتا تھا سایہ
عراقِ عرب جس پہ تھا فخر کرتا
ہوئی سرنگوں جس کی مدت سے جھنڈی
جو ہے آج کل اک تجارت کی منڈی

(تہذیب - ص ۸۰)

۲- اس بند میں ''وہ بلدہ'' سے مراد بغداد ہے جو ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک عباسیوں کا دارالخلافہ اور عالم اسلام کا سب سے بڑا تہذیبی مرکز رہا - آخر تاتاریوں کے حملے نے اسے برباد کر دیا -

یہیں آ کے مہرِ سکوت اُن کی ٹوٹی
اسی باغ رعنا سے بو اُن کی پھوٹی[1]
یہ تھا علم پر واں توجہ کا عالم
کہ ہو جیسے مجروح جویائے مرہم
کسی طرح پیاس ان کی ہوتی نہ تھی کم
بجھاتا تھا آگ اُن کی باراں نہ شبنم
حریمِ خلافت میں اُونٹوں پہ لد کر
چلے آتے تھے مصر و یوناں کے دفتر
وہ تارے جو تھے شرق میں لمعہ افگن
پہ تھا اُن کی کرنوں سے تا غرب روشن
نوشتوں سے ہیں جن کے اب تک مزین
کتب‌خانۂ پیرس و روم و لندن
پڑا غلغلہ جن کا تھا کشوروں میں
وہ سوتے ہیں بغداد کے مقبروں میں
وہ سنجار کا اور کوفے کا میداں
فراہم ہوئے جس میں مساحِ دوراں
کرہ کی مساحت کے پھیلائے ساماں [علم ہیئت]
ہوئی جزو سے قدر کل کی نمایاں
زمانہ وہاں آج تک نوحہ‌گر ہے
کہ عباسیوں کی سبھا وہ کدھر ہے
سمرقند سے اندلس تک سراسر
انھی کی رصد گاہیں تھیں جلوہ گستر

۱- سولن : ایتھنز (یونان) کا مشہور مقنن - لقمان ، سقراط ، بقراط ، فلاطون ، ارسطو ، ان سب حکمائے یونان کی تصانیف کے عربی میں ترجمے ہوئے اور اس طرح بغداد میں یونانیوں کے مردہ علوم کو ایک نئی زندگی نصیب ہوئی - (مرتب)

سوادِ مراغہ میں[1] اور قاسیوں پر
زمیں سے صدا آرہی ہے برابر
کہ جن کی رصد کے یہ باقی نشاں ہیں
وہ اسلامیوں کے منجم کہاں ہیں
مورخ جو ہیں آج تحقیق والے
تفحص کے ہیں جن کے آئیں نرالے [تاریخ]
جنھوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے
زمیں کے طبق سربسر چھان ڈالے
عرب ہی نے دل اُن کے جا کر اُبھارے
عرب ہی سے وہ بھرنے سیکھے ترارے
اندھیرا تواریخ پر چھا رہا تھا
ستارہ روایت کا گہنا رہا تھا
درایت کے سورج پہ ابر آرہا تھا
شہادت کا میدان دھندلا رہا تھا
سرِ رہ چراغ اک عرب نے جلایا
ہر اک قافلے کا نشاں جس سے پایا
گروہ ایک جویا تھا علمِ نبی کا
لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا [محدثین]
کیا قافیہ تنگ ہر مدّعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

۱- مراغہ: آذربائیجان میں ایک شہر جہاں ہلاکو خاں نے محقق طوسی کی نگرانی میں ایک رصد گاہ بنوائی تھی - قاسیوں: دمشق کے شمال میں ایک پہاڑ کا نام - مامون الرشید نے ۲۱۵ھ میں یہاں ایک رصد گاہ کی تعمیر شروع کرائی تھی جو بعد میں مکمل ہوئی - (مرتب)

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو
اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازنِ علمِ دیں جس بشر کو
لیا اُس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزا اُس کا چکھ کر

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا
مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا
ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسمِ ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر[1]
گواہ اُن کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا اُن کا احساں یہ اک اہلِ دیں پر
وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے
بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

فصاحت کے دفتر تھے سب گاؤ خوردہ
بلاغت کے رستے تھے سب نا سپردہ [فصاحت عرب]

---

۱ - رجال سے مراد علم رجال جس میں راویان حدیث کے حالات پوری تحقیق سے مرتب کیے گئے ہیں - اسانید کے دفتر سے حدیث کی وہ کتابیں مراد ہیں جن میں ہر ایک حدیث راویوں کے حوالے اور سند کے ساتھ درج کی گئی ہے جیسے مسند بخاری و مسلم وغیرہ -

اُدھر روم کی شمعِ انشا تھی مردہ
ادھر آتشِ پارسی تھی فسردہ
یکا یک جو برق آ کے چمکی عرب کی
کھلی کی کھلی رہ گئی آنکھ سب کی
عرب کی جو دیکھی وہ آتش‌زبانی
سنی برمحل اُن کی شیوابیانی
وہ اشعار کی دل میں ریشہ‌دوانی
وہ خطبوں کی مانندِ دریا روانی
وہ جادو کے جملے وہ فقرے فسوں کے
تو سمجھے کہ گویا ہم اب تک تھے گونگے
سلیقہ کسی کو نہ تھا مدح و ذم کا
نہ ڈھب یاد تھا شرح شادی و غم کا
نہ انداز تلقین و وعظ و حکم کا
خزانہ تھا مدفوں زباں اور قلم کا
نوا سنجیاں اُن سے سیکھیں یہ سب نے
زباں کھول دی سب کی نطقِ عرب نے
زمانے میں پھیلی طب اُن کی بدولت
ہوئی بہرہ‌ور جس سے ہر قوم و ملت [علم طب]
نہ صرف ایک مشرق میں تھی اُن کی شہرت
مسلم تھی مغرب تک اُن کی حذاقت
سلرنوا میں جو ایک نامی مطب تھا
وہ مغرب میں عطارِ مشکِ عرب تھا
ابوبکر رازی علی ابن عیسیٰ
حکیمِ گرامی حسین اُبنِ سینا

---

۱ - اٹلی کا ایک شہر جہاں قدیم زمانے میں مسلمانوں کی ایک مشہور طبی درس گاہ تھی -

حنین ابنِ اسحاق قسیسِ دانا
ضیا ابنِ بیطار راس الاطبا[1]
انھی کے ہیں مشرق میں سب نام لیوا
انھی سے ہوا پار مغرب کا کھیوا

غرض فن ہیں جو مایۂ دین و دولت
طبیعی ، الٰہی ، ریاضی و حکمت
طب اور کیمیا ، ہندسہ اور ہیئت [عرب کے علوم]
سیاست ، تجارت ، عمارت ، فلاحت
لگاؤ گے کھوج اُن کا جا کر جہاں تم
نشاں اُن کے قدموں کے پاؤ گے واں تم

ہوا گو کہ پامال بستاں عرب کا
مگر اک جہاں ہے غزل‌خواں عرب کا
ہرا کر گیا سب کو باراں عرب کا [عرب کی فیض رسانی]
سپید و سیہ پر ہے احساں عرب کا
وہ قومیں جو ہیں آج سرتاج سب کی
کنونڈی رہیں گی ہمیشہ عرب کی

رہے جب تک ارکانِ اسلام برپا
چلن اہلِ دیں کا رہا سیدھا سادا
رہا میل سے شہدِ صافی مصفا
رہی کھوٹ سے سیمِ خالص مبرا
نہ تھا کوئی اسلام کا مردِ میداں
علم ایک تھا شش جہت میں درّ افشاں

---

۱ - رازی : امام فخرالدین رازی ، مشہور عالم ، حکیم اور مفسر قرآن - علی ابن عیسیٰ : ایک نامور طبیب - ابن سینا : شیخ‌الرئیس حکیم بو علی سینا ، مختلف علوم میں تقریباً چالیس مشہور کتابوں کے مصنف - حنین : ایک مشہور عیسائی طبیب جس نے خلفاے عباسیہ کی سرپرستی میں علم طب کی قابل قدر خدمات انجام دیں - ابن بیطار : ضیاءالدین ابن بیطار اندلسی ، مشہور محقق و ماہر علم نباتات -

پہ گدلا ہوا جب کہ چشمہ صفا کا
گیا چھوٹ سررشتہ دینِ ہدیٰ کا
رہا سر پہ باقی نہ سایہ ہما کا [تنزل اہل اسلام]
تو پورا ہوا عہد جو تھا خدا کا
کہ ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک
وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک[1]

برے اُن پہ وقت آ کے پڑنے لگے اب
وہ دنیا میں بس کر اُجڑنے لگے اب
بھرے ان کے میلے بچھڑنے لگے اب
بنے تھے وہ جیسے بگڑنے لگے اب
ہری کھیتیاں جل گئیں لہلہا کر
گھٹا کھل گئی سارے عالم پہ چھا کر

نہ ثروت رہی اُن کی قائم نہ عزت
گئے چھوڑ ساتھ اُن کا اقبال و دولت
ہوئے علم و فن اُن سے ایک ایک رخصت
مٹیں خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت
رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا
کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دنیا [تمثیل اقوام]
چڑھے اُس پہ پھر اک خردمند دانا
کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا
تو قوموں میں فرق اس قدر پائے گا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ

---

۱ - سورۃ الرعد کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے :
ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم (۱۳ : ۱۱)

وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چمن واں
بہت تازہ تر صورتِ باغِ رضواں
بہت اُن سے کم تر پہ سرسبز و خنداں
بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں
نہیں لائے گو برگ و بار اُن کے پودے
نظر آتے ہیں ہونہار اُن کے پودے
پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر
جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سو برابر [تمثیل ملت اسلامیہ]
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل
جہاں زہر کا کام کرتا ہے باراں
جہاں آ کے دیتا ہے رو ابرِ نیساں
تردد سے جو اور ہوتا ہے ویراں
نہیں راس جس کو خزاں اور بہاراں
یہ آواز پیہم وہاں آ رہی ہے
کہ اسلام کا باغِ ویراں یہی ہے[1]
وہ دینِ حجازی کا بے باک بیڑا
نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا

---

۱ - مولوی محمد امین زبیری لکھتے ہیں : ''علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ - - - فرماں روائے بھوپال نے تو اس مسدس کی وہ قدر دانی کی ہے جس کی نظیر مشکل ہے - غالباً ۱۹۱۱ء میں حضور ممدوحہ نے مندرجہ ذیل اشعار (اوپر کے چار بند - مرتب) کی اپنے قلم مبارک سے آئل پینٹنگ کی نہایت اعلیٰ درجے کی تصویر بنائی جو حضور ممدوحہ کے حسن مصوری کا بہترین نمونہ ہے -'' (تذکرۂ حالی - ص ۱۱)

مزاحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا
نہ عماں میں ٹھٹکا نہ قلزم میں جھجکا
کیے پے سپر جس نے ساتوں سمندر
وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آ کر

اگر کان دھر کر سنیں اہلِ عبرت
تو سیلون سے تا بہ کشمیر و تبت
زمیں ، رو کھ ، بن ، پھول ، پھل ، ریت ، پربت
یہ فریاد سب کر رہے ہیں بہ حسرت
کہ کل فخر تھا جن سے اہلِ جہاں کو
لگا اُن سے عیب آج ہندوستاں کو[1]

حکومت نے تم سے کیا گر کنارا
تو اس میں نہ تھا کچھ تمہارا اجارا [خطاب به سوے قوم]
زمانے کی گردش سے ہے کس کو چارا
کبھی یاں سکندر کبھی یاں ہے دارا[2]

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی
جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی
ہوئی مقتضی جب کہ حکمت خدا کی
کہ تعلیم جاری ہو خیرالوریٰ کی [سر تسلط اهل اسلام]
پڑے دھوم عالم میں دینِ ہدیٰ کی
تو عالم کی تم کو حکومت عطا کی
کہ پھیلاؤ دنیا میں حکمِ شریعت
کرو ختم بندوں پہ مالک کی حجت

۱- ''کہ کل فخر تھا جن سے ہندوستاں کو
ہوئے آج ہیں ننگ ہندوستاں وو'' (تہذیب - ص ۸۳)

۲- ''کبھی یاں ہے بہمن کبھی یاں ہے دارا'' (تہذیب - ص ۸۳)

ادا کر چکی جب حق اپنا حکومت
رہی اب نہ اسلام کو اُس کی حاجت
مگر حیف اے فخرِ آدم کی اُمت [ہماری موجودہ حالت]
ہوئی آدمیت بھی ساتھ اس کے رخصت
حکومت تھی گویا کہ اک جھول تم پر
کہ اُڑتے ہی اُس کے نکل آئے جوہر

زمانے میں ہیں ایسی قومیں بہت سی
نہیں جن میں تخصیص فرماں‌دہی کی
پر آفت کہیں ایسی آئی نہ ہوگی
کہ گھر گھر پہ یاں چھا گئی آ کے پستی
چکور[1] اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا
ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا
وہ اُمت لقب جس کا خیرالامم[2] تھا
نشاں اُس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو میں
ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو میں
طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں
نہیں کوئی ذرہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسی میں تو ہے اتفاقی

۱- چکور کی جگہ ''خروس'' درج ہے - (تہذیب - ص ۸۳)
۲- خیرالامم : سب اُمتوں سے بہتر - اشارہ ہے سورۃ آل عمران کی اس آیت کی طرف ''کنتم خیر اُمۃ اُخرجت للناس'' ... الخ (۳ : ۱۱۰)

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے
کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نامِ آبا کو ہم سے گہن ہے
ہمارا قدم ننگ اہلِ وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت ، نہ جلسوں میں وقعت
نہ اپنوں سے اُلفت ، نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی ، دماغوں میں نخوت
خیالوں میں پستی ، کمالوں سے نفرت
عداوت نہاں ، دوستی آشکارا
غرض کی تواضع ، غرض کی مدارا

نہ اہلِ حکومت کے ہم راز ہیں ہم
نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایانِ اعزاز ہیں ہم
نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزل نے کی ہے بری گت ہماری
بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری
نہیں کچھ اُبھرنے کی صورت ہماری
پڑے ہیں اک اُمید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے

سیاحت کی گوں ہیں ، نہ مردِ سفر ہیں
خدا کی خدائی سے ہم بے خبر ہیں

یہ دیواریں گھر کی جو پیشِ نظر ہیں
یہی اپنے نزدیک حدِّ بشر ہیں
ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم
وہی اُن کی دنیا وہی اُن کا عالم
بہشت اور ارم سلسبیل اور کوثر
پہاڑ اور جنگل جزیرے سمندر
اسی طرح کے اور بھی نام اکثر
کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں برابر
یہ جب تک نہ دیکھیں کہیں کس یقیں پر
کہ یہ آسماں پر ہیں یا ہیں زمیں پر
وہ بے مول پونجی کہ ہے اصل دولت
وہ شائستہ لوگوں[1] کا گنجِ سعادت
وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت
وہ دولت کہ ہے وقت جس سے عبارت
نہیں اُس کی وقعت نظر میں ہماری
یونہی مفت جاتی ہے برباد ساری
اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا
تو ہو گا کم و بیش بار اس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دنیا
کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خست اڑانے میں اس کے
بہت ہم سخی ہیں لٹانے میں اس کے
اگر سانس دن رات کے سب گنیں ہم
تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم

۱- لوگوں کی جگہ ''ملکوں'' - (تہذیب ، ص ۸۴)

کہ ہو جن میں کل کے لیے کچھ فراہم
یونہی گزرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں
کہ یہ سانس آخر ہیں اب کوئی دم میں

گڈریے کا وہ حکم‌بردار کتا
کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے رکھوال کرتا
جو ریوڑ میں ہوتا ہے پتے کا کھڑکا
تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا

گر انصاف کیجے تو ہے ہم سے بہتر
کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر

وہ قومیں جو سب راہیں طے کرچکی ہیں
ذخیرے ہر اک جنس کے بھر چکی ہیں [اهل یورپ کا
ہر اک بوجھ بار اپنے سر دھر چکی ہیں ضبط اوقات]
ہوئیں تب ہیں زندہ کہ جب مر چکی ہیں

اسی طرح راہِ طلب میں ہیں پویا
بہت دور ابھی ان کو جانا ہے گویا

کسی وقت جی بھر کے سوتے نہیں وہ
کبھی سیر محنت سے ہوتے نہیں وہ
بضاعت کو اپنی ڈبوتے نہیں وہ
کوئی لمحہ بےکار کھوتے نہیں وہ

نہ چلنے سے تھکتے نہ اکتاتے ہیں وہ
بہت بڑھ گئے اور بڑھے جاتے ہیں وہ

مگر ہم کہ اب تک جہاں تھے وہیں ہیں
جمادات کی طرح بارِ زمیں ہیں

جہاں میں ہیں ایسے کہ گویا نہیں ہیں
زمانے سے کچھ ایسے فارغ نشیں ہیں
کہ گویا ضروری تھا جو کام کرنا
وہ سب کر چکے ایک باقی ہے مرنا

یہاں اور ہیں جتنی قومیں گرامی
خود اقبال ہے آج اُن کا سلامی [ہندوؤں کی
تجارت میں ممتاز دولت میں نامی معزز قومیں]
زمانے کے ساتھی ترقی کے حامی
نہ فارغ ہیں اولاد کی تربیت سے
نہ بے فکر ہیں قوم کی تقویت سے[1]

دکاں ان کی ہے اور بازار ان کا
بنج ان کا ہے اور بہوار ان کا
زمانے میں پھیلا ہے بیوپار ان کا
ہے پیر و جواں بر سر کار ان کا
مدار اہل کاری کا ہے اب انھی پر
انھی کے ہیں آفس انھی کے ہیں دفتر

معزز ہیں ہر ایک دربار میں وہ
گرامی ہیں ہر ایک سرکار میں وہ
نہ رسوا ہیں عادات و اطوار میں وہ
نہ بدنام گفتار و کردار میں وہ
نہ پیشے سے حرفے سے انکار ان کو
نہ محنت مشقت سے کچھ عار ان کو[2]

۱- نہ فارغ ہیں تعلیم اولاد سے وہ
نہ غافل ہیں سستی بنیاد سے وہ (تہذیب - ص ۸۵)

۲- اس بند کے بعد مندرجہ ذیل بند درج ہے جو خارج کر دیا گیا :
(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

جو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ
پڑے زد تو بچ کر نکل جاتے ہیں وہ
ہر اک سانچے میں جا کے ڈھل جاتے ہیں وہ
جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں وہ
ہر اک وقت کا مقتضٰی جانتے ہیں
زمانے کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مگر ہے ہماری نظر اتنی اونچی
کہ یکساں ہے واں سب بلندی و پستی
نہیں اب تک اصلا خبر ہم کو یہ بھی
کہ ہے کون مردار کتیا ترقی
جدھر کھول کر آنکھ ہم دیکھتے ہیں
زمانے کو اپنے سے کم دیکھتے ہیں

زمانے کا دن رات ہے یہ اشارا
کہ ہے آشتی میں مری یاں گزارا
نہیں پیروی جن کو میری گوارا
مجھے ان سے کرنا پڑے گا کنارا
سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

چمن میں ہوا آچکی ہے خزاں کی
پھری ہے نظر دیر سے باغباں کی

(گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

طبیعت میں اک اک کے ہے خاکساری
برا سن کے کرتے ہیں وہ بردباری
تواضع ہے سب کی رگ و پے میں ساری
دماغ ان کے ہیں کبر و نخوت سے عاری
نہ باتوں میں آن کی حقارت کسی کی
نہ جلسوں میں آن کے مذمت کسی کی (تہذیب - ص۸۵)

صدا اور ہے بلبلِ نغمہ خواں کی
کوئی دم میں رحلت ہے اب گلستاں کی

تباہی کے خواب آ رہے ہیں نظر سب
مصیبت کی ہے آنے والی سحر اب

فلاکت جسے کہیے ام الجرائم
نہیں رہتے ایماں پہ دل جس سے قائم
بناتی ہے انسان کو جو بہائم
مصلی ہیں دل جمع جس سے نہ صائم

وہ یوں اہلِ اسلام پر چھا رہی ہے
کہ مسلم کی گویا نشانی یہی ہے

کہیں مکر کے گر سکھاتی ہے ہم کو
کہیں جھوٹ کی لو لگاتی ہے ہم کو
خیانت کی چالیں سجھاتی ہے ہم کو
خوشامد کی گھاتیں بتاتی ہے ہم کو

فسوں جب یہ پاتی نہیں کارگر وہ
تو کرتی ہے آخر کو دریوزہ‌گر وہ

یہاں جتنی قومیں ہمارے سوا ہیں
ہزار آن میں خوش ہیں تو دو بینوا ہیں
یہاں لاکھ میں دو اگر اغنیا ہیں
تو سو نیم بسمل ہیں باقی گدا ہیں

ذرا کام غیرت کو فرمائیں گر ہم
تو سمجھیں کہ ہیں مبتذل کس قدر ہم

بگاڑے ہیں گردش نے جو خاندانی
نہیں جانتے بس کہ روٹی کمانی

دلوں میں ہے یہ یک قلم سب نے ٹھانی
کہ کیجے بسر مانگ کر زندگانی
جہاں قدر دانوں کا ہیں کھوج پاتے
پہنچتے ہیں واں مانگتے اور کھاتے
کہیں باپ دادا کا ہیں نام لیتے
کہیں روشناسی سے ہیں کام لیتے
کہیں جھوٹے وعدوں پہ ہیں وام لیتے
یونہی ہیں وہ دے دے کے دم دام لیتے[1]
بزرگوں کے نازاں ہیں جس نام پر وہ
اُسے بیچتے پھرتے ہیں در بہ در وہ
یہ ہیں ڈھنگ اُن تازہ آفت زدوں کے
بہت کم زمانہ ہوا جن کو بگڑے
ابھی ایک عالم ہے آگاہ جن سے
کہ ہیں کس کے بیٹے وہ اور کس کے پوتے
جنھیں دیس پردیس سب جانتے ہیں
حسب اور نسب جن کا پہچانتے ہیں
مگر مٹ چکا جن کا نام و نشاں ہے
پرانی ہوئی جن کی اب داستاں ہے
فسانوں میں قصوں میں جن کا بیاں ہے
بہت نسل پر تنگ اُن کی جہاں ہے
نہیں اُن کی قدر اور پرسش کہیں اب
انھیں بھیک تک کوئی دیتا نہیں اب
بہت آگ چلموں کی سلگانے والے
بہت گھاس کی گٹھڑیاں لانے والے

---

۱ - ''یونہی سب کو دم دے کے ہیں دام لیتے'' (تہذیب - ص ۸۶)

بہت در بہ در مانگ کر کھانے والے
بہت فاقے کر کر کے مر جانے والے

جو پوچھو کہ کس کان کے ہیں وہ جوہر
تو نکلیں گے نسلِ ملوک اُن میں اکثر

انھی کے بزرگ ایک دن حکمراں تھے
انھی کے پرستار پیر و جواں تھے
یہی مامنِ عاجز و ناتواں تھے
یہی مرجعِ دیلم و اصفہاں تھے

یہی کرتے تھے ملک کی گلہ بانی
انھی کے گھروں میں تھی صاحب‌قرانی

یہ اے قومِ اسلام! عبرت کی جا ہے
کہ شاہوں کی اولاد در در گدا ہے
جسے سنیے افلاس میں مبتلا ہے
جسے دیکھیے مفلس و بے نوا ہے

نہیں کوئی ان میں کمانے کے قابل
اگر ہیں تو ہیں مانگ کھانے کے قابل

نہیں مانگنے کا طریق ایک ہی یاں
گدائی کی ہیں صورتیں نت نئی یاں
نہیں حصر کنگلوں پہ گدیہ گری یاں
کوئی دے تو منگتوں کی ہے کیا کمی یاں

بہت ہاتھ پھیلائے زیرِ ردا ہیں
چھپے اُجلے کپڑوں میں اکثر گدا ہیں

بہت آپ کو کہہ کے مسجد کے بانی
بہت بن کے خود سیدِ خاندانی

بہت سیکھ کر نوحہ و سوز خوانی
بہت مدح میں کرکے رنگیں بیانی
بہت آستانوں کے خدام بن کر
پڑے مانگتے کھاتے پھرتے ہیں در در

مشقت کو محنت کو جو عار سمجھیں
ہنر اور پیشے کو جو خوار سمجھیں
تجارت کو کھیتی کو دشوار سمجھیں
فرنگی کے پیسے کو مردار سمجھیں

تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی
وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی

کریں نوکری بھی تو بےعزتی کی
جو روٹی کمائیں تو بےحرمتی کی [امیروں کے مصاحب]
کہیں پائیں خدمت تو بےعزتی کی
قسم کھائیے آن کی خوش قسمتی کی

امیروں کے بنتے ہیں جب یہ مصاحب
تو جاتے ہیں ہو کر حمیت سے تائب

کہیں آن کی صحبت میں گانا بجانا
کہیں مسخرہ بن کے ہنسنا ہنسانا
کہیں پھبتیاں کہہ کے انعام پانا
کہیں چھیڑ کر گالیاں سب سے کھانا

یہ کام اور بھی کرتے ہیں پر نہ ایسے
مسلمان بھائی سے بن آئیں جیسے

امیروں کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہے [ذی مقدور مسلمان]
خمیر آن کا اور آن کی طینت جدا ہے

سزاوار ہے ان کو جو ناسزا ہے
روا ہے انھیں سب کہ جو ناروا ہے
شریعت ہوئی ہے نکو نام اُن سے
بہت فخر کرتا ہے اسلام اُن سے
ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہے
ہر اک بات پر واں درست اور بجا ہے
نہ گفتار میں اُن کی کوئی خطا ہے
نہ کردار اُن کا کوئی ناسزا ہے
وہ جو کچھ کہ ہیں ، کہہ سکے کون اُن کو
بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو
وہ دولت کہ ہے مایۂ دین و دنیا
وہ دولت کہ ہے توشۂ راہِ عقبیٰ
سلیماں نے کی جس کی حق سے تمنا[1]
بڑھا جس سے آفاق میں نام کسریٰ
کیا جس نے حاتم کو مشہورِ دوراں
کیا جس نے یوسف کو مسجودِ اخواں
ملا ہے یہ فخر اُس کو ان کی بدولت
کہ سمجھی گئی ہے وہ اصلِ شقاوت
کہیں ہے وہ سرمایۂ جہل و غفلت
کہیں نشۂ بادۂ کبر و نخوت
جہاں کے لیے جو کہ آبِ بقا ہے
وہ اس قوم کے حق میں سمّیِ دوا ہے

---

۱ - یہاں حضرت سلیمانؑ کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں : ''قال رب اغفرلی و ھب لی ملکاً لاینبغی لاحد من بعدی'' - (سورۂ ص ۳۸ : ۳۵) ترجمہ : (سلیمانؑ نے خدا کی بارگاہ میں دعا مانگی کہ) اے پروردگار ! مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کو سزاوار نہ ہو -

ادھر مال و دولت نے یاں منہ دکھایا
اُدھر ساتھ ساتھ اُس کے ادبار آیا
پڑا آ کے جس گھر پہ ثروت کا سایا
عمل واں سے برکت نے اپنا اُٹھایا
نہیں راس یاں چار پیسے کسی کو
مبارک نہیں جیسے پر چیونٹی کو

سمجھتے ہیں سب عیب جن عادتوں کو
بہائم سے نسبت ہے جن سیرتوں کو
چھپاتے ہیں اوباش جن خصلتوں کو
نہیں کرتے اجلاف جن حرکتوں کو
وہ یاں اہلِ دولت کو ہیں شیرِ مادر
نہ خوفِ خدا ہے نہ شرمِ پیمبر

طبیعت اگر لہو و بازی پہ آئی
تو دولت بہت سی اسی میں لٹائی
جو کی حضرت عشق نے رہنمائی
تو کردی بھرے گھر کی دم میں صفائی
پھر آخر لگے مانگنے اور کھانے
یونہی مٹ گئے یاں ہزاروں گھرانے

نہ آغاز پر اپنے غور اُن کو اصلا
نہ انجام کا اپنے کچھ اُن کو کھٹکا
نہ فکر اُن کو اولاد کی تربیت کا
نہ کچھ ذلتِ قوم کی اُن کو پروا
نہ حق کوئی دنیا پہ اُن کا نہ دیں پر
خدا کو وہ کیا منہ دکھائیں گے جا کر

کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر
تو ہوتے ہیں مسخ اُن میں پہلے تونگر

کمال اُن میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر
نہ عقل اُن کی ہادی نہ دیں اُن کا رہبر

نہ دنیا میں ذلت نہ عزت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا

نہ مظلوم کی آہ و زاری سے ڈرنا
نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گزرنا
تعیش میں جینا نمائش پہ مرنا

سدا خوابِ غفلت میں بے ہوش رہنا
دمِ نزع تک خود فراموش رہنا

پریشاں اگر قحط سے اک جہاں ہے
تو بے فکر ہیں کیونکہ گھر میں سماں ہے
اگر باغِ اُمت میں فصلِ خزاں ہے
تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گل فشاں ہے

بنی نوعِ انساں کا حق اُن پہ کیا ہے
وہ اک نوع ، نوعِ بشر سے جدا ہے

کہاں بندگانِ ذلیل اور کہاں وہ
بسر کرتے ہیں بے غمِ قوت و ناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ
مکاں رکھتے ہیں رشکِ خلدِ جناں وہ

نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر
نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

کمر بستہ ہیں لوگ خدمت میں اُن کی
گل و لالہ رہتے ہیں صحبت میں اُن کی

نفاست بھری ہے طبیعت میں اُن کی
نزاکت سو داخل ہے عادت میں اُن کی
دواؤں میں مشک اُن کی اُٹھتا ہے ڈھیروں
وہ پوشاک میں عطر ملتے ہیں سیروں
یہ ہو سکتے ہیں اُن کے ہم جنس کیوں کر
نہیں چین جن کو زمانے سے دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر
نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر اُلٹی تو تقدیر کھوٹی
یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا [محبت خلق اللہ]
وہی دوست ہے خالق دو سرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا[1]
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں
عمل جن کا ہے اس کلامِ متیں پر
وہ سرسبز ہیں آج روئے زمیں پر [اہل یورپ کی
تفوق ہے اُن کو کہیں و مہیں پر ہمدردی]
مدار آدمیت کا ہے اب اُنھیں پر
شریعت کے جو ہم نے پیمان توڑے
وہ لے جا کے سب اہلِ مغرب نے جوڑے
سمجھتے ہیں گمراہ جن کو مسلماں
نہیں جن کو عقبیٰ میں امیدِ غفراں

۱ - یہاں مندرجہ ذیل حدیث کا مفہوم ادا کیا گیا ہے :
"الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ" ۔

نہ حصے میں فردوس جن کے نہ رضواں
نہ تقدیر میں حور جن کے نہ غلماں
پس از مرگ دوزخ ٹھکانا ہے جن کا
حمیم آب[1] و زقوم کھانا ہے جن کا
وہ ملک اور ملت پہ اپنی فدا ہیں
سب آپس میں ایک اک کے حاجت روا ہیں
اُولوالعلم ہیں اُن میں یا اغنیا ہیں
طلب گارِ بہبودِ خلق خدا ہیں
یہ تمغا تھا گویا کہ حصہ انھیں کا
کہ حب الوطن ہے نشاں مومنیں کا[2]
امیروں کی دولت غریبوں کی ہمت
ادیبوں کی انشا حکیموں کی حکمت
فصیحوں کے خطبے شجاعوں کی جرأت
سپاہی کے ہتھیار شاہوں کی طاقت
دلوں کی امیدیں امنگوں کی خوشیاں
سب اہلِ وطن اور وطن پر ہیں قرباں
عروج ان کا جو تم عیاں دیکھتے ہو
جہاں میں انھیں کامراں دیکھتے ہو [ہمدردی کا نتیجہ]
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو
انھیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں ان کی جواں مردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے
غنی ہم میں ہیں جو کہ اربابِ ہمت [ہمت والے مسلمان
مسلم ہے عالم میں جن کی سخاوت دولت مند]

---

۱ - حمیم آب : گرم پانی جو دوزخیوں کو پلایا جائے گا اور زقوم (تھور : ایک کڑوا پھل) جو اُن کو کھلایا جائے گا۔
۲ - اس حدیث کی طرف اشارہ ہے : ''حب الوطن من الایمان''۔

اگر ہے مشائخ سے ان کو عقیدت
تو ہے پیرزادوں پہ وقف ان کی دولت
نکمے ہیں دن رات واں عیش کرتے
پہ نوکر ہیں جتنے وہ بھوکے ہیں مرتے

عمل واعظوں کے اگر قول پر ہے
تو بخشش کی امید بے صرفِ زر ہے
نماز اور روزہ کی عادت اگر ہے
تو روزِ حساب ان کو پھر کس کا ڈر ہے

اگر شہر میں کوئی مسجد بنادی
تو فردوس میں نیو اپنی جادی

عمارت کی بنیاد ایسی اٹھانی
نہ نکلے کہیں ملک میں جس کا ثانی
تماشوں میں ثروت بڑوں کی اڑانی
نمائش میں دولت خدا کی لٹانی

چھٹی ، بیاہ میں کرنے لاکھوں کے ساماں
یہ ہیں ان کی خوشیاں ، یہ ہیں ان کے ارماں[1]

مگر دینِ برحق کا بوسیدہ ایواں
تزلزل میں مدت سے ہیں جس کے ارکاں [دین اسلام کی حالت]
زمانے میں ہے جو کوئی دن کا مہماں
نہ پائیں گے ڈھونڈا جسے پھر مسلماں

عزیزوں نے اس سے توجہ اٹھا لی
عمارت کا ہے اس کی اللہ والی
پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں
وہ درویش و سلطاں کی امیدگاہیں [قحط اہل اللہ]

۱- ''یہ ہیں اُن کے ارماں یہ ہیں اُن کی خوشیاں'' (تہذیب - ص ۹۰)

کھلی تھیں جہاں علمِ باطن کی راہیں
فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

کہاں ہیں وہ جذبِ الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

وہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں
وہ اخبارِ دیں کے مبصر کدھر ہیں [قحط علمائے دین]
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں
محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں

وہ مجلس جو کل سربسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

مدارس وہ تعلیمِ دیں کے کہاں ہیں
مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں

وہ ارکان شرعِ متیں کے کہاں ہیں
وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں

رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماویٰ
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملا

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر
کہاں ہیں وہ علم الٰہی کے منظر[1] [قحط کتب دینیہ]

چلی ایسی اس بزم میں بادِ صرصر
بجھیں مشعلیں نورِ حق کی سراسر

رہا کوئی ساماں نہ مجلس میں باقی
صراحی نہ طنبور، مطرب نہ ساقی

بہت لوگ بن کر ہواخواہِ اُمت
سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت

۱- منظر کی جگہ "محضر" درج ہے۔ (تہذیب - ص ۹۰)

سدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت
پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیلِ دولت [مدعیان علم]
یہ ٹھہرے ہیں اسلام کے رہنما اب
لقب اُن کا ہے وارثِ انبیا اب
بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر
نہیں ذاتِ والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر [مدعیان درویشی]
کہ تھے اُن کے اسلاف مقبولِ داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے
یہ ہیں جادہ پیمائے راہِ طریقت
مقام ان کا ہے ماورائے شریعت
انھی پر ہے ختم آج کشف و کرامت
انھی کے ہے قبضے میں بندوں کی قسمت
یہی ہیں مراد اور یہی ہیں مرید اب
یہی ہیں جنید اور یہی بایزید[1] اب
بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی [علمائے زماں]
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی[2]
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

۱- حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ تیسری صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے ہیں۔
۲- اس شعر میں تقریر کی جگہ تحریر اور تحریر کی جگہ تقریر درج ہے۔ (تہذیب۔ ص ۹۰)

کوئی مسئلہ پوچھنے آن سے جائے
تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے
تو قطعی خطاب اہلِ دوزخ کا پائے

اگر اعتراض اُس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے
کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اُس کو بتاتے
کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے

ستوں ، چشمِ بد دور ، ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلقِ رسولِ امیں کے

جو چاہے کہ خوش آن سے مل کر ہو انساں
تو ہے شرط وہ قوم کا ہو مسلماں
نشاں سجدہ کا ہو جبیں پر نمایاں
تشرع میں اُس کے نہ ہو کوئی نقصاں

لبیں بڑھ رہی ہوں نہ داڑھی چڑھی ہو
ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

عقائد میں حضرت کا ہم‌داستاں ہو
ہر اک اصل میں فرع میں ہم‌زباں ہو
حریفوں سے ان کے بہت بدگماں ہو
مریدوں کا آن کے بڑا مدح خواں ہو

گر ایسا نہیں ہے تو مردودِ دیں ہے
بزرگوں سے ملنے کے قابل نہیں ہے

شریعت کے احکام تھے وہ گوارا
کہ شیدا تھے اُن پر یہود اور نصاریٰ
گواہ اُن کی نرمی کا قرآں ہے سارا
خود الدین یسرا[1] نبی نے پکارا
مگر یاں کیا ایسا دشوار اُن کو
کہ مومن سمجھنے لگے بار اُن کو

نہ کی اُن کی اخلاق میں رہنمائی
نہ باطن میں کی اُن کے پیدا صفائی
پہ احکامِ ظاہر کی لے یہ بڑھائی
کہ ہوتی نہیں اُن سے دم بھر رہائی
وہ دیں جو کہ چشمہ تھا خلقِ نکو کا
کیا قلتین اس کو غسل و وضو کا

سدا اہلِ تحقیق سے دل میں بل ہے
حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے [تقلید]
فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے
ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم
کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم [محال پسندی]
جسے عقل رکھے نہ ہرگز مسلم
اُسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم
سب اس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

۱- یعنی دین آسان ہے - (حدیث نبوی) -

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر [شرک اور
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر دعویٰ توحید]
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں
ہوا جلوہ‌گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں
وہ بدلا گیا آ کے ہندوستاں میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

تعصب کہ ہے دشمنِ نوعِ انساں
بھرے گھر کیے سیکڑوں جس نے ویراں [تعصب]
ہوئی بزمِ نمرود جس سے پریشاں
کیا جس نے فرعون کو نذرِ طوفاں

گیا جوش میں بولہب جس کے کھویا
ابوجہل کا جس نے بیڑا ڈبویا

وہ یاں اک عجب بھیس میں جلوہ گر ہے
چھپا جس کے پردے میں اس کا ضرر ہے
بھرا زہر جس جام میں سربسر ہے
وہ آبِ بقا ہم کو آتا نظر ہے

تعصب کو اک جزوِ دیں سمجھے ہیں ہم
جہنم کو خلدِ بریں سمجھے ہیں ہم

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے
کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے
مخالف کی ریس اُس میں کرنی بری ہے
نشاں غیرتِ دینِ حق کا یہی ہے

مخالف کی اُلٹی ہر اک بات سمجھو
وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو[1]

قدم گر رہِ راست پر اُس کا پاؤ
تو تم سیدھے رستے سے کترا کے جاؤ
پڑیں اس میں جو دقتیں وہ اُٹھاؤ
لگیں جس قدر ٹھوکریں اُس میں کھاؤ

جو نکلے جہاز اُس کا بچ کر بھنور سے
تو تم ڈال دو ناؤ اندر بھنور کے

اگر مسخ ہو جائے صورت تمھاری
بہائم میں مل جائے سیرت تمھاری
بدل جائے بالکل طبیعت تمھاری
سراسر بگڑ جائے حالت تمھاری

تو سمجھو کہ ہے حق کی اک شان یہ بھی
ہے اک جلوۂ نورِ ایمان یہ بھی

۱- ''نہ ٹھیک اس کی ہر گز کوئی بات سمجھو'' - (تہذیب - ص ۹۱)

نہ اوضاع میں تم سے نسبت کسی کو
نہ اخلاق میں تم پہ سبقت کسی کو
نہ حاصل یہ کھانوں میں لذت کسی کو
نہ پیدا یہ پوشش میں زینت کسی کو[1]
تمھیں فضل ہر علم میں برملا ہے
تمھاری جہالت میں بھی اک ادا ہے

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بری تم
رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم
حمایت میں ہو جب کہ اسلام کی تم
تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم
بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت
تمھارے گنہ اور نہ اوروں کی طاعت

مخالف کا اپنے اگر نام لیجے
تو ذکر اس کا ذلت سے خواری سے کیجے
کبھی بھول کر طرح اس میں نہ دیجے
قیامت کو دیکھو گے اس کے نتیجے
گناہوں سے ہوتے ہو گویا مبرا
مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرا

نہ سنّی میں اور جعفری میں ہو الفت
نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت
مقلد کرے نامقلد پہ لعنت
رہے اہلِ قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دینِ خدا پر ہنسے سارا عالم

۱- ''نہ پیدا یہ پوشش ، یہ زینت کسی کو'' (تہذیب - ص ۹۱)

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ
تو شیطان سے اُس کو سمجھو زیادہ
جسے ایسے مفسد سے ہے استفادہ
رہِ حق سے ہے برطرف اس کا جادہ
شریعت کو کرتے ہیں برباد دونوں
ہیں مردود شاگرد و اُستاد دونوں

[تالیف اسلام]

وہ دیں جس نے اُلفت کی بنیاد ڈالی
کیا طبعِ دوراں کو نفرت سے خالی
بنایا اجانب کو جس نے موالی
ہر اک قوم کے دل سے نفرت[1] نکالی
عرب اور حبش ترک و تاجیک و دیلم[2]
ہوئے سارے شیر و شکر مل کے باہم

[تفریق تعصب]

تعصب نے اس صاف چشمے کو آ کر
کیا بغض کے خار و خس سے مکدر
بنے خصم جو تھے عزیز اور برادر
نفاق اہلِ قبلہ میں پھیلا سراسر
نہیں دستیاب ایسے اب دس مسلماں
کہ ہو ایک کو دیکھ کر ایک شاداں

[فرض اہل اسلام]

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے
مصیبت میں یاروں کے غم خوار ہوتے
سب ایک اک کے باہم مددگار ہوتے
عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے[3]

۱- ''وحشت'' (بجائے نفرت)۔
۲- دیلم : بحیرۂ کیسپین کے جنوب میں ایک کوہستانی علاقہ۔
۳- ''غم قوم میں سینہ افگار ہوتے'' (تہذیب - ص ۹۳)

جب اُلفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیرالامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قولِ پیمبرؐ
کہ "ہیں سب مسلمان باہم برادر" [نتیجۂ تفرقہ]
برادر ہے جب تک برادر کا یاور
معین اُس کا ہے خود خداوندِ داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

وہ گھر جس میں دل ہوں ملے سب کے باہم
خوشی نا خوشی میں ہوں سب یار و ہم‌دم [ثمرۂ اتفاق]
اگر ایک خوش‌دل تو گھر سارا خرم
اگر ایک غمگیں تو دل سب کے پُر غم
مبارک ہے اُس قصرِ شاہنشہی سے
جہاں ایک دل ہو مکدر کسی سے

اگر ہو مدار اس پہ تحقیقِ دیں کا
کہ ہے دین والوں کا برتاؤ کیسا [اخلاق اهل اسلام]
کھرا اُن کا بازار ہے یا کہ کھوٹا[1]
ہے قول و قرار اُن کا جھوٹا کہ سچا
تو ایسے نمونے بہت شاذ ہیں یاں
کہ اسلام پر جن سے قائم ہو برہاں

مجالس میں غیبت کا زور اس قدر ہے
کہ آلودہ اس خون میں ہر بشر ہے [غیبت]
نہ بھائی کو بھائی سے یاں درگزر ہے
نہ ملا کو صوفی کو اس سے حذر ہے

---

۱ - "ہے بازار اُن کا کھرا یا کہ کھوٹا" (تہذیب = ص ۹۳)

اگر نشۂ مے ہو غیبت میں پنہاں
تو ہشیار پائے نہ کوئی مسلماں

جنھیں چار پیسے کا مقدور ہے یاں
سمجھتے نہیں ہیں وہ انساں کو انساں
موافق نہیں جن سے ایامِ دوراں
نہیں دیکھ سکتے کسی کو وہ شاداں
نشے میں تکبر کے ہے چور کوئی
حسد کے مرض میں ہے رنجور کوئی

[حسد و تکبر]

اگر مرجعِ خلق ہے ایک بھائی
نہیں ظاہراً جس میں کوئی برائی
بھلا جس کو کہتی ہے ساری خدائی
ہر اک دل میں عظمت ہے جس کی سمائی
تو پڑتی ہیں اس پر نگاہیں غضب کی
کھٹکتا ہے کانٹا سا آنکھوں میں سب کی

بگڑتا ہے جب قوم میں کوئی بن کر
ابھی بخت و اقبال تھے جس کے یاور
ابھی گردنیں جھکتی تھیں جس کے در پر
مگر کر دیا اب زمانے نے بے پر
تو ظاہر میں کڑھتے ہیں پر خوش ہیں جی میں
کہ ہمدرد ہاتھ آیا اک مفلسی میں

اگر اک جواں مرد ہمدرد انساں
کرے قوم پر دل سے جان اپنی قرباں
تو خود قوم اس پر لگائے یہ بہتاں
کہ ہے اس کی کوئی غرض اس میں پنہاں
وگرنہ پڑی کیا کسی کو کسی کی
یہ چالیں سراسر ہیں خود مطلبی کی

[کور باطنی]

نکالے گر اُن کی بھلائی کی صورت
تو ڈالیں جہاں تک بنے اس میں کھنڈت [خبثِ نفس]
سنیں کامیابی کی گر اس کی شہرت
نو دل سے تراشیں کوئی تازہ تہمت
منہ اپنا ہو گو دین و دنیا میں کالا
نہ ہو ایک بھائی کا پر بول بالا

گر پاتے ہیں دو دلوں میں صفائی
تو ہیں ڈالتے اس میں طرحِ جدائی [فتنہ انگیزی]
ٹھنی دو گروہوں میں جس دم لڑائی
تو گویا تمنا ہماری بر آئی
بس اس سے نہیں مشغلہ خوب کوئی
تماشا نہیں ایسا مرغوب کوئی

تغلّب میں، بد نیتی میں، دغا میں
نمود اور بناوٹ، فریب اور ریا میں [بدنامی و رسوائی]
سعایت میں، بہتان میں، افترا میں
کسی بزمِ بیگانہ و آشنا میں
نہ پاؤ گے رسوا و بدنام ہم سے
بڑھے پھر نہ کیوں شانِ اسلام ہم سے

خوشامد میں ہم کو وہ قدرت ہے حاصل
کہ انساں کو ہر طرح کرتے ہیں مائل [خوشامد]
کہیں احمقوں کو بناتے ہیں عاقل
کہیں ہوشیاروں کو کرتے ہیں غافل
کسی کو اُتارا کسی کو چڑھایا
یونہی سیکڑوں کو اسامی بنایا

روایات پر حاشیہ اک چڑھانا [کذب و مبالغہ]
قسم جھوٹے وعدوں پہ سو بار کھانا

اگر مدح کرنا تو حد سے بڑھانا
مذمت پہ آنا تو طوفاں اٹھانا

یہ ہے روزمرہ کا یاں اُن کے عنواں
فصاحت میں بے مثل ہیں جو مسلماں
اُسے جانتے ہیں بڑا اپنا دشمن
ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن [خود پسندی]
نصیحت سے نفرت ہے ناصح سے اَن بن
سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن

یہی عیب ہے، سب کو کھویا ہے جس نے
ہمیں ناؤ بھر کر ڈبویا ہے جس نے

وہ عہدِ ہمایوں جو خیرالقروں[1] تھا
خلافت کا جب تک کہ قائم ستوں تھا
نبوت کا سایہ ابھی رہنموں تھا [خلفا کی انصاف پسندی]
سماں خیر و برکت کا ہر دم فزوں تھا
عدالت کے زیور سے تھے سب مزین
پھلا اور پھولا تھا احمدؐ کا گلشن

سعادت بڑی اس زمانے کی یہ تھی
کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ کرتے تھے خود قولِ حق سے خموشی
نہ لگتی تھی حق کی انھیں بات کڑوی
غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفہ[2] سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

---

۱ - بہترین زمانہ - اشارہ ہے اس حدیث کی طرف: ''خیرالقرون قرنی''...
۲ - ''خلیفوں'' (تہذیب ص ۹۴) - یہاں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بڑھیا نے حضرت عمرؓ کو بر سر منبر ٹوک دیا اور مہر کے مسئلے میں آیت قرآنی سے استشہاد کرتے ہوئے اُن کے قول کی تردید کی۔
(مرتب)

نبیؐ نے کہا تھا انھیں فخرِ امت
جنھیں خلد کی مل چکی تھی بشارت
مسلم تھی عالم میں جن کی عدالت
رہا مفتخر جن سے تختِ خلافت
وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے در در
کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سن کر

مگر ہم کہ ہیں دام و دد ہم سے بہتر
نہ ظاہر کہیں ہم میں خوبی نہ مضمر
نہ اقران و امثال میں ہم موقّر
نہ اجداد و اسلاف کے ہم میں جوہر
نصیحت سے ایسا برا مانتے ہیں
کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر
کوئی ہم پہ مبعوث ہوتا پیمبر
تو ہے جیسے مذکور قرآں کے اندر
ضلالت یہود اور نصاریٰ کی اکثر
یونہی جو کتاب اس پیمبر پہ آتی
وہ گمراہیاں سب ہماری جتاتی

ہنر ہم میں جو ہیں وہ معلوم ہیں سب
علوم اور کمالات معدوم ہیں سب [فقدان علم دلیوی]
چلن اور اطوار مذموم ہیں سب
فراغت سے دولت سے محروم ہیں سب
جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر
تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر[1]

---

۱ - طبع اول میں اس بند کے بعد ''شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے'' تک ۲۵ بند حسب ترتیب ذیل درج ہیں : (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[حکمتِ یونان]

وہ تقویمِ پارینہ یونانیوں کی
وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکے کی ٹٹی
یقیں جس کو ٹھہرا چکا ہے نکمی
عمل نے جسے کر دیا آکے ردی

اسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ
کوئی بات اس میں نہیں کم زیادہ

زبور اور توریت و انجیل و قرآں
بالاجماع ہیں قابلِ نسخ و نسیاں
مگر لکھ گئے جو اصول اہلِ یوناں
نہیں نسخ و تبدیل کا اُن میں امکاں

نہیں مٹتے جب تک کہ آثارِ دنیا
مٹے گا کبھی کوئی شوشہ نہ اُن کا

نتائج ہیں جو مغربی علم و فن کے
وہ ہیں ہند میں جلوہ گر سو برس سے
تعصب نے لیکن یہ ڈالے ہیں پردے[1]
کہ ہم حق کا جلوہ نہیں دیکھ سکتے

دلوں پر ہیں نقش اہلِ یوناں کی رائیں[2]
جو اب وحی اُترے تو ایماں نہ لائیں

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ)

پہلے ''ہمارے شعرا'' کے عنوان کے ماتحت ۸ بند، بعد ازاں ''طب قدیم'' سے متعلق ۳ بند اور پھر ''حکمت یونان'' کے سلسلے میں ۱۴ بند ہیں - (بحوالہ تہذیب الاخلاق)

۱ - ''تعصب نے لیکن وہ ڈالے ہیں پردے'' (تہذیب - ص ۹۶)
۲ - ''جمی ہیں دلوں میں ارسطو کی رائیں'' (تہذیب - ص ۹۶)

اب اس فلسفے پر ہیں جو مرنے والے[1]
شفا اور مجسطی کا دم بھرنے والے
ارسطو کی چوکھٹ پہ سر دھرنے والے
فلاطون کی اقتدا کرنے والے
وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں

وہ جب کر چکے ختم تحصیلِ حکمت
بندھی سر پہ دستار علم و فضیلت
اگر رکھتے ہیں کچھ طبیعت میں جودت
تو ہے سب سے اُن کی بڑی یہ لیاقت
کہ گر دن کو وہ رات کہہ دیں زباں سے
تو منوا کے چھوڑیں اسے اک جہاں سے

سوا اس کے جو آئے اس کو پڑھا دیں
اُنھیں جو کچھ آتا ہے اُس کو بتا دیں
وہ سیکھے ہیں جو بولیاں سب سکھا دیں
میاں مٹھو اپنا سا اُس کو بنا دیں
یہ لے دے کے ہے علم کا اُن کے حاصل
اسی پر ہے فخر اُن کو بین‌الاماثل

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل
نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل
نہ بازار میں بوجھ اُٹھانے کے قابل

---

۱ - اس بند کے ابتدائی تین مصرعے یوں ہیں :
شفا کے ہیں سب جن کو ازبر مقالے
جنھوں نے مجسطی پہ ڈیرے ہیں ڈالے
حواشی ہیں تجرید کے سب کھنگالے (تہذیب - ص ۹۶)

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

جو پوچھو کہ حضرت نے جو کچھ پڑھا ہے
مراد آپ کی اُس کے پڑھنے سے کیا ہے
مفاد اس میں دنیا کا یا دین کا ہے
نتیجہ کوئی یا کہ اس کے سوا ہے

تو مجذوب کی طرح سب کچھ بکیں گے
جواب اس کا لیکن نہ کچھ دے سکیں گے

نہ حجت رسالت پہ لا سکتے ہیں وہ
نہ اسلام کا حق جتا سکتے ہیں وہ
نہ قرآں کی عظمت دکھا سکتے ہیں وہ
نہ حق کی حقیقت بتا سکتے ہیں وہ
دلیلیں ہیں سب آج بے کار اُن کی
نہیں چلتی توپوں میں تلوار اُن کی

پڑے اس مشقت میں ہیں وہ سراپا
نتیجہ نہیں ان کو معلوم جس کا
گئیں بھول آگے کی بھیڑیں جو بٹیا
اسی راہ پر پڑ لیا سارا گلا

نہیں جانتے یہ کہ جاتے کدھر ہیں
گئے بھول رستہ وہ یا راہ پر ہیں

مثال اُن کی کوشش کی ہے صاف ایسی
کہ کھائی کہیں بندروں نے جو سردی
ادھر اور اُدھر دیر تک آگ ڈھونڈی
کہیں روشنی دیکھپائی نہ اُس کی

مگر ایک جگنو چمکتا جو دیکھا
پتنگا اُسے آگ کا سب نے سمجھا
لیا جا کے تھام اور سب نے اُسی دم
کیا گھاس پھوس اس پہ لا کر فراہم
لگے اُس کو سلگانے سب مل کے پیہم
پہ کچھ آگ سلگی نہ سردی ہوئی کم
یونہی رات ساری انھوں نے گنوائی
مگر اپنی محنت کی راحت نہ پائی
گزرتے تھے جو جانور اس طرف سے
جب اس کشمکش میں انھیں دیکھتے تھے
ملامت بہت سخت تھے ان کو کرتے
کہ شرمائیں وہ زعمِ باطل سے اپنے
مگر اپنی کد سے نہ باز آتے تھے وہ
ملامت پہ اور اُلٹے غراتے تھے وہ
نہ سمجھے وہ جب تک ہوا دن نہ روشن
اسی طرح جو ہیں حقیقت کے دشمن
نہ جھاڑیں گے گردِ توہم سے دامن
پہ جب ہو گا نورِ سحر لمعہ افگن
بہت جلد ہو جائے گا آشکارا
کہ جگنو کو سمجھے تھے وہ اک شرارا
وہ طب جس پہ غش ہیں ہمارے اطبا
سمجھتے ہیں جس کو بیاضِ مسیحا [طبِ قدیم]
بتانے میں ہے بخل جس کے بہت سا
جسے عیب کی طرح کرتے ہیں اخفا
فقط چند نسخوں کا ہے وہ سفینہ
چلے آئے ہیں جو کہ سینہ بسینہ

نہ ان کو نباتات سے آگہی ہے
نہ اصلا خبر معدنیات کی ہے
نہ تشریح کی لے کسی پر کھلی ہے
نہ علمِ طبیعی نہ کیمسٹری ہے
نہ پانی کا علم اور نہ علمِ ہوا ہے
مریضوں کا اُن کے نگہباں خدا ہے
نہ قانون میں اُن کے کوئی خطا ہے
نہ مخزن میں انگشت رکھنے کی جا ہے
سدیدی میں لکھا ہے جو کچھ بجا ہے
نفیسی کے ہر قول پر جاں فدا ہے
سلف لکھ گئے جو قیاس اور گماں سے
صحیفے ہیں اُترے ہوئے آسماں سے
وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر
عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر [ہمارے شعرا]
زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر
ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا
وہ علموں میں علمِ ادب ہے ہمارا[1]
بُرا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے
عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے
مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے

---

۱ - طبع اول (بحوالہ تہذیب صفحہ ۹۵) تاج کمپنی ایڈیشن (صفحہ ۷۱) اور دیگر متداول نسخوں میں یہ مصرع اسی طرح ہے ، لیکن صدی ایڈیشن (صفحہ ۱۳۳) اور بعض قدیم معاصر نسخوں (مثلاً نسخۂ مہدی پریس علی گڑھ ، شائع کردہ دوکان الفرض ، صفحہ ۶۱) میں مصرع یوں ہے : ''وہ ہے ہف نظر علم انشا ہمارا'' ۔

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے[1]

زمانے میں جتنے قلی اور نفر ہیں
کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گویے امیروں کے نور نظر ہیں
ڈفالی بھی لے آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپ دق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں

جو سقے نہ ہوں جی سے جائیں گزر سب
ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب
جو ٹھہر جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
پہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے "خس کم جہاں پاک" سارے

عرب جو تھے دنیا میں اس فن کے بانی
نہ تھا کوئی آفاق میں جن کا ثانی
زمانے نے جن کی فصاحت تھی مانی
مٹادی عزیزوں نے ان کی نشانی
سب ان کے ہنر اور کمالات کھو کر
رہے شاعری کو بھی آخری ڈبو کر

ادب میں پڑی جان ان کی زباں سے
جلا دین نے پائی ان کے بیاں سے

۱۔ اس بند کے بعد مندرجہ ذیل بند درج ہے جو خارج کر دیا گیا :

سخن جو ہے یاں آج حصہ ہمارا — نہیں قوم کو ظاہرا جس سے چارا
ہر اک کذب و بہتان جس میں گوارا — مجسم ہو جس کا اگر جھوٹ سارا
بنے ہند میں اس سے اور اک ہمالا — ہمالا سے ہو جس کی چوٹی دو بالا

(تہذیب - ص ۹۵)

سناں کے لیے کام اُنھوں نے لساں سے
زبانوں کے کوچے تھے بڑھ کر سناں سے

ہوئے اُن کے شعروں سے اخلاق صیقل
پڑی اُن کے خطبوں سے عالم میں ہلچل

خلف ان کے یاں جو کہ جادو بیاں ہیں
فصاحت میں مقبولِ پیر و جواں ہیں
بلاغت میں مشہورِ ہندوستاں ہیں
وہ کچھ ہیں تو لے دے کے اس گوں کے یاں ہیں

کہ جب شعر میں عمر ساری گنوائیں
تو بھانڈ اُن کی غزلیں مجالس میں گائیں

طوائف کو ازبر ہیں دیوان اُن کے
گویّوں پہ بے حد ہیں احسان اُن کے
نکلتے ہیں تکیوں میں ارمان اُن کے
ثناخواں ہیں ابلیس و شیطان اُن کے

کہ عقلوں پہ پردے دے ڈال اُنھوں نے
ہمیں کر دیا فارغ البال اُنھوں نے

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے
تباہ اُن کی حالت بری اُن کی گت ہے [شریفوں کی اولاد]
کسی کو کبوتر اُڑانے کی لت ہے
کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے

چرس اور گانجے پہ شیدا ہے کوئی
مدک اور چنڈو کا رسیا ہے کوئی
سدا گرم انفار سے اُن کی صحبت
ہر اک رند اوباش سے اُن کی ملت

پڑھے لکھوں کے سایے سے اُن کو وحشت
مدارس سے تعلیم سے اُن کو نفرت

کمینوں کے جرگے میں عمریں گنوانی
اُنھیں گالیاں دینی اور آپ کھانی

نہ علمی مدارس میں ہیں اُن کو پاتے
نہ شائستہ جلسوں میں ہیں آتے جاتے
پہ میلوں کی رونق ہیں جا کر بڑھاتے
پڑے پھرتے ہیں دیکھتے اور دکھاتے

کتاب اور معلم سے پھرتے ہیں بھاگے
مگر ناچ گانے میں ہیں سب سے آگے

اگر کیجے اُن پاک شہدوں[1] کی گنتی
ہوا جن کے پہلو سے بچ کر ہے چلتی
ملی خاک میں جن سے عزت بڑوں کی
مٹی خاندانوں کی جن سے بزرگی

تو یہ جس قدر خانہ برباد ہوں گے
وہ سب ان شریفوں کی اولاد ہوں گے

ہوئی ان کی بچپن میں یوں پاسبانی
کہ قیدی کی جیسے کٹے زندگانی
لگی ہونے جب کچھ سمجھ بوجھ سیانی[2]
چڑھی بھوت کی طرح سر پر جوانی

بس اب گھر میں دشوار تھمنا ہے اُن کا
اکھاڑوں میں تکیوں میں رمنا ہے اُن کا

۱- پاک شہدوں : مراد مطلق آزاد ، بے شرم و بے باک لوگ ۔
۲ - ہندی میں سیانی اور گیانی کا یہی تلفظ (بہ یاے مخلوط) درست ہے۔

نشے میں مئے عشق کے چور ہیں وہ
صفِ فوجِ مژگاں میں محصور ہیں وہ
غمِ چشم و ابرو میں رنجور ہیں وہ
بہت ہاتھ سے دل کے مجبور ہیں وہ

کریں کیا کہ ہے عشق طینت میں اُن کی
حرارت بھری ہے طبیعت میں اُن کی

اگر شش جہت میں کوئی دلربا ہے
تو دل اُن کا نادیدہ اس پر فدا ہے
اگر خواب میں کچھ نظر آ گیا ہے
تو یاد اس کی دن رات نامِ خدا ہے

بھری سب کی وحشت سے روداد ہے یاں
جسے دیکھیے قیس و فرہاد ہے یاں

اگر ماں ہے دکھیا تو اُن کی بلا سے
اپاہج ہے باوا تو اُن کی بلا سے
جو ہے گھر میں فاقہ تو اُن کی بلا سے
جو مرتا ہے کنبا تو اُن کی بلا سے

جنھوں نے لگائی ہو لو دلربا سے
غرض پھر اُنھیں کیا رہی ماسوا سے

نہ گالی سے دشنام سے جی چرائیں
نہ جوتی سے پیزار سے ہچکچائیں
جو میلوں میں جائیں تو لچپن دکھائیں
جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اُٹھائیں

لرزتے ہیں اوباش اُن کی ہنسی سے
گریزاں ہیں رند اُن کی ہمسائگی سے

سپوتوں کو اپنے اگر بیاہ دیجے
تو بہوؤں کا بوجھ اپنی گردن پہ لیجے
جو بیٹی کے پیوند کی فکر کیجے
تو بدراہ ہیں بھانجے اور بھتیجے

یہی جھینکنا کو بہ کو گھر بہ گھر ہے
بہو کا ٹھکانا نہ بیٹی کو بر ہے

نہ مطلب نگاری کا اُن کو سلیقہ
نہ دربار داری کا اُن کو سلیقہ
نہ اُمیدواری کا اُن کو سلیقہ
نہ خدمت گزاری کا اُن کو سلیقہ

قلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے

نہیں ملتی روٹی جنھیں پیٹ بھر کے
وہ گزران کرتے ہیں سو عیب کر کے
جو ہیں اُن میں دو چار آسودہ گھر کے
وہ دن رات خواہاں ہیں مرگِ پدر کے

نمونے یہ اعیان و اشراف کے ہیں
سلف ان کے وہ تھے خلف اُن کے یہ ہیں

وہ اسلام کی پود شاید یہی ہے
کہ جس کی طرف آنکھ سب کی لگی ہے
بہت جس سے آئندہ چشمِ بہی ہے
بقا منحصر جس پہ اسلام کی ہے

یہی جان ڈالے گی باغِ کہن میں ؟
اسی سے بہار آئے گی اس چمن میں ؟

یہی ہیں وہ نسلیں مبارک ہماری ؟
کہ بخشیں گی جو دین کو آستواری ؟
کریں گی یہی قوم کی غم‌گساری ؟
انھی پر اُمیدیں ہیں موقوف ساری ؟

یہی شمعِ اسلام روشن کریں گی ؟
بڑوں کا یہی نام روشن کریں گی ؟

خلف اُن کے الحق اگر یاں یہی ہیں
سلف کے اگر فاتحہ خواں یہی ہیں
اگر یادگارِ عزیزاں یہی ہیں
اگر نسلِ اشراف و اعیاں یہی ہیں

تو یاد اس قدر اُن کی رہ جائے گی یاں
کہ اک قوم رہتی تھی اس نام کی یاں

سمجھتے ہیں شائستہ جو آپ کو یاں
ہیں آزادیِ رائے پر جو کہ نازاں
چلن پر ہیں جو قوم کے اپنی خنداں
مسلماں ہیں سب جن کے نزدیک ناداں

جو ڈھونڈو گے یاروں کے ہم‌درد اُن میں
تو نکلیں گے تھوڑے جواں مرد اُن میں

نہ رنج ان کے افلاس کا اُن کو اصلا
نہ فکر اُن کی تعلیم اور تربیت کا
نہ کوشش کی ہمت نہ دینے کو پیسا
اُڑانا مگر مفت ایک اک کا خاکا

کہیں اُن کی پوشاک پر طعن کرنا
کہیں اُن کی خوراک کو نام دھرنا

عزیزوں کی جس بات میں عیب پانا
نشانہ اُسے پھبتیوں کا بنانا
شماتت سے دل بھائیوں کا دکھانا
یگانوں کو بیگانہ بن کر چڑانا

نہ کچھ درد کی چوٹ اُن کے جگر میں
نہ قطرہ کوئی خون کا چشمِ تر میں

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے
پڑا جس سے جو کھوں میں چھوٹا بڑا ہے
نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے
کوئی اُن میں سوتا کوئی جاگتا ہے

جو سوتے ہیں وہ مستِ خوابِ گراں ہیں
جو بیدار ہیں ان پہ خندہ‌زناں ہیں
کوئی اُن سے پوچھے کہ اے ہوش والو
کس اُمید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو
برا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو
نہ چھوڑے گا سوتوں کو اور جاگتوں کو

بچو گے نہ تم اور نہ ساتھی تمھارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

غرض عیب کیجے بیاں اپنے کیا کیا
کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا
فقیہہ اور جاہل ضعیف اور توانا
تاسف کے قابل ہے احوال سب کا

مریض ایسے مایوس دنیا میں کم ہیں
بگڑ کر کبھی جو نہ سنبھلیں وہ ہم ہیں

کسی نے یہ اک مردِ دانا سے پوچھا
کہ ''نعمت ہے دنیا میں سب سے بڑی کیا؟''
کہا ''عقل جس سے ملے دین و دنیا''
کہا ''گر نہ ہو اس سے انساں کو بہرہ؟''

کہا ''پھر اہم سب سے علم و ہنر ہے
کہ جو باعثِ افتخار بشر ہے''
کہا ''گر نہ ہو یہ بھی اُس کو میسر؟''
کہا ''مال و دولت ہے پھر سب سے بڑھ کر''
کہا ''در ہو یہ بھی اگر بند اُس پر؟''
کہا ''اُس پہ بجلی کا گرنا ہے بہتر
وہ ننگ بشر تا کہ ذلت سے چھوٹے
خلائق سب اُس کی نحوست سے چھوٹے''

مجھے ڈر ہے اے میرے ہم قوم یارو
مبادا کہ وہ ننگ عالم تمھی ہو
گر اسلام کی کچھ حمیت ہے تم کو
تو جلدی سے اُٹھو اور اپنی خبر لو
وگرنہ یہ قول آئے گا راست تم پر
کہ ہونے سے ان کا نہ ہونا ہے بہتر

رہو گے یونہی فارغ البال کب تک
نہ بدلو گے یہ چال اور ڈھال کب تک
رہے گی نئی پود پامال کب تک
نہ چھوڑو گے تم بھیڑیا چال[1] کب تک
بس اگلے فسانے فراموش کر دو
تعصب کے شعلے کو خاموش کر دو

---

۱ - اصل لفظ ''بھیڑ چال'' ہے جس سے بگڑکر ''بھیڑیا چال'' ہوگیا۔

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں
ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں [برکاتِ حکومت]
صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں
کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں

تسلط ہے ملکوں میں امن و اماں کا
نہیں بند رستہ کسی کارواں کا

نہ بدخواہ ہے دین و ایماں کا کوئی
نہ دشمن حدیث اور قرآں کا کوئی
نہ ناقض ہے ملت کے ارکاں کا کوئی
نہ مانع شریعت کے فرماں کا کوئی

نمازیں پڑھو بے خطر معبدوں میں
اذانیں دھڑلے سے دو مسجدوں میں

کھلی ہیں سفر اور تجارت کی راہیں
نہیں بند صنعت کی حرفت کی راہیں
جو روشن ہیں تحصیلِ حکمت کی راہیں
تو ہموار ہیں کسبِ دولت کی راہیں

نہ گھر میں غنیم اور دشمن کا کھٹکا
نہ باہر ہے قزاق و رہزن کا کھٹکا

مہینوں کے کٹتے ہیں رستے پلوں میں
گھروں سے سوا چین ہے منزلوں میں
ہر اک گوشہ گلزار ہے جنگلوں میں
شب و روز ہے ایمنی قافلوں میں

سفر جو کبھی تھا نمونہ سقر کا
وسیلہ ہے وہ اب سراسر ظفر کا

پہنچتی ہیں ملکوں سے دم دم کی خبریں
چلی آتی ہیں شادی و غم کی خبریں
عیاں ہیں ہر اک براعظم کی خبریں
کھلی ہیں زمانے پہ عالم کی خبریں

نہیں واقعہ کوئی پنہاں کہیں کا
ہے آئینہ احوال روے زمیں کا

کرو قدر اس امن و آزادگی کی
کہ ہے صاف ہر سمت راہِ ترقی
ہر اک راہ رو کا زمانہ ہے ساتھی
یہ ہر سو سے آواز پیہم ہے آتی

کہ دشمن کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر ہے
نکل جاؤ رستہ ابھی بے خطر ہے

بہت قافلے دیر سے جا رہے ہیں
بہت بوجھ بار اپنے لدوا رہے ہیں
بہت چل چلاؤ میں گھبرا رہے ہیں
بہت سے نہ چلنے سے پچھتا رہے ہیں

مگر اک تمھی ہو کہ سوتے ہو غافل
مبادا کہ غفلت میں کھوٹی ہو منزل

نہ بدخواہ سمجھو بس اب یاوروں کو
لٹیرے نہ ٹھہراؤ تم رہبروں کو
دو الزام پیچھے نصیحت گروں کو
ٹٹولو ذرا پہلے اپنے گھروں کو

کہ خالی ہیں یا پر ذخیرے تمھارے
برے ہیں کہ اچھے وتیرے تمھارے

امیروں کی تم سن چکے داستاں سب
چلن ہو چکے عالموں کے بیاں سب [خاتمہ]
شریفوں کی حالت ہے تم پر عیاں سب
بگڑنے کو تیار بیٹھے ہیں یاں سب
یہ بوسیدہ گھر اب گرا کا گرا ہے
ستوں مرکزِ ثقل سے ہٹ چکا ہے
یہ جو کچھ ہوا ایک شمہ ہے اُس کا
کہ جو وقت یاروں پہ ہے آنے والا [خاتمہ]
زمانے نے اُونچے سے جس کو گرایا
وہ آخر کو مٹی میں مل کر رہے گا
نہیں گرچہ کچھ قوم میں حال باقی
ابھی اور ہونا ہے پامال باقی
یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے
سرانجامِ ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا سے زمانے کی عادت یہی ہے
طلسمِ جہاں کی حقیقت یہی ہے
بہت یاں ہوئے خشک چشمے اُبل کر
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھل کر
کہاں ہیں وہ اہرامِ مصری کے بانی
کہاں ہیں وہ گردانِ زابلستانی[1]
گئے پیشدادی کدھر اور کیانی
مٹا کر رہی سب کو دنیائے فانی

---

۱ - گردان زابلستانی : زابلی پہلوان ، مراد رستم کا خاندان جو زابل سے تعلق رکھتا تھا (وہ علاقہ جہاں قندھار و غزنی کے شہر واقع ہیں ، قدیم زمانے میں زابل کے نام سے مشہور تھا -) پیشدادی : قدیم ایران کا ایک شاہی خاندان جو بادشاہ ہوشنگ کی اولاد میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶ پر)

لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

وہی ایک ہے جس کو دایم بقا ہے
جہاں کی وراثت اُسی کو سزا ہے
سوا اُس کے انجام سب کا فنا ہے
نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے

مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب
غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب

★

(۲) ضمیمہ

(۱۸۸۶ع)

بس اے ناامیدی نہ یوں دل بجھا تو
جھلک اے اُمید اپنی آخر دکھا تو
ذرا ناامیدوں کی ڈھارس بندھا تو
فسردہ دلوں کے دل آ کر بڑھا تو

[خطاب بہ اُمید]

ترے دم سے مردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

سفینہ پئے نوح طوفاں میں تو تھی
سکوں بخشِ یعقوب کنعاں میں تو تھی
زلیخا کی غمخوار ہجراں میں تو تھی
دل آرام یوسف کی زنداں میں تو تھی

مصائب نے جب آن کر اُن کو گھیرا
سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا

(بقیہ حاشیہ)
سے تھا - کیانی : (کے قدیم فارسی میں شہنشاہ کو کہتے ہیں ، جمع ''کیان'' اور صفت نسبتی کیانی) ایران کے چار بادشاہوں کا سلسلہ ، جن کے نام یہ ہیں : کیکاؤس ، کیخسرو ، کیقباد اور کے لہراسپ - ساسانی : ایران کا شاہی خاندان جو ساسان (بن بہمن بن اسفند یار) کی اولاد میں سے تھا - کلدانی : کیلڈیا والے یعنی اہل بابل -

بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تو نے
بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تو نے
اُکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تو نے
اُجڑتے گھروں کو بسایا ہے تو نے
بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہے
اندھیرے میں اکثر اُجالا کیا ہے

قوی تجھ سے ہمت ہے پیر و جواں کی
بندھی تجھ سے ڈھارس ہے خورد و کلاں کی
تجھی پر ہے بنیاد نظمِ جہاں کی
نہ ہو تو نو رونق نہ ہو اس دکاں کی
تگاپو ہے ہر مرحلے میں تجھی سے
روا رو ہے ہر قافلے میں تجھی سے

کسانوں سے کلر میں ہے تو بواتی
جہازوں کو گرداب میں ہے کھواتی
سکندر کو دارا پہ ہے تو چڑھاتی
فریدوں کو ضحاک سے ہے لڑاتی[1]
چلے سب جدھر تو نے مائل عناں کی
نظر تیری سیٹی پہ ہے کارواں کی

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے
تونگر بنایا گداؤں کو تو نے
دیا دسترس نارساؤں کو تو نے
کیا بادشہ ناخداؤں کو تو نے

---

۱ - ضحاک : قدیم ایران کا ایک غاصب اور ظالم بادشاہ تھا جو جمشید کے بعد سلطنت پر قابض ہوا - بالآخر فریدون نے اُسے مغلوب اور ہلاک کیا اور خود اس کی جگہ تخت نشین ہوا - (مرتب)

سکندر کو شانِ کئی[1] تو نے بخشی
کلمبس[2] کو دنیا نئی تو نے بخشی

وہ رہرو نہیں رکھتے جو کوئی ساماں
خور و زاد سے جن کا خالی ہے داماں
نہ ساتھی کوئی جس سے منزل ہو آساں
نہ محرم کوئی جو سنے دردِ پنہاں
ترے بل پہ خوش خوش ہیں اس طرح جاتے
کہ جا کر خزانہ ہیں اب کوئی پاتے

زمیں جوتنے کو جب اٹھتا ہے جوتا
سمیں کا گماں تک نہیں جب کہ ہوتا
شب و روز محنت میں ہے جان کھوتا
مہینوں نہیں پاؤں پھیلا کے سوتا
اگر موجزن اس کے دل میں نہ تو ہو
تو دنیا میں غل بھوک کا چار سو ہو

بنے اس سے بھی گر سوا اپنے دم پر
بلاؤں کا ہو سامنا ہر قدم پر
پہاڑ اک فزوں اور ہو کوہِ غم پر
گزرنی ہو جو کچھ گزر جائے ہم پر
نہیں فکر، تو دل بڑھاتی ہے جب تک
دماغوں میں بو تیری آتی ہے جب تک

یہ سچ ہے کہ حالت ہماری زبوں ہے
عزیزوں کی غفلت وہی جوں کی توں ہے

---

۱ - منسوب بہ کے بمعنی شہنشاہ -
۲ - اٹلی کا مشہور جہازراں جس نے ملکہ ازبیلا (والیۂ اسپین) کی امداد سے ۱۴۹۲ء میں امریکہ کو دریافت کیا - (مرتب)

جہالت وہی قوم کی رہنموں ہے
تعصب کی گردن پہ ملت کا خوں ہے

مگر اے اُمید اک سہارا ہے تیرا
کہ جلوہ یہ دنیا میں سارا ہے تیرا

نہیں قوم میں گرچہ کچھ جان باقی
نہ اُس میں وہ اسلام کی شان باقی [آن بان]
نہ وہ جاہ و حشمت کے سامان باقی
پر اس حال میں بھی ہے اک آن باقی

بگڑنے کا گو اُن کے وقت آ گیا ہے
مگر اس بگڑنے میں بھی اک ادا ہے

بہت ہیں ابھی جن میں غیرت ہے باقی
دلیری نہیں پر حمیت ہے باقی [غیرت و حمیت]
فقیری میں بھی بوئے ثروت ہے باقی
تہی دست ہیں پر مروت ہے باقی

مٹے پر بھی پندارِ ہستی وہی ہے
مکاں گرم ہے آگ گو بجھ گئی ہے

سمجھتے ہیں عزت کو دولت سے بہتر
فقیری کو ذلت کی شہرت سے بہتر [خودداری]
گلیمِ قناعت کو ثروت سے بہتر
اُنھیں موت ہے بارِ منت سے بہتر

سر اُن کا نہیں در بدر جھکنے والا
وہ خود پست ہیں پر نگاہیں ہیں بالا

مشابہ ہے قوم اُس مریضِ جواں سے [اسباب اُمید]
کیا ضعف نے جس کو مایوس جاں سے

نہ بستر سے حرکت نہ جنبش مکاں سے
اجل کے ہیں آثار جس پر عیاں سے

نظر آتے ہیں سب مرض جس کے مزمن
نہیں کوئی مہلک مرض اس کو لیکن

بجا ہیں حواس اُس کے اور ہوش قائم
طبیعت میں میلِ خور و نوش قائم
دماغ اور دل چشم اور گوش قائم
جوانی کا پندار اور جوش قائم

کرے کوئی اس کی اگر غور کامل
عجب کیا جو ہو جائے زندوں میں شامل

عیاں سب پہ احوال بیمار کا ہے
کہ تیل اس میں جو کچھ تھا سب جل چکا ہے
موافق دوا ہے نہ کوئی غذا ہے
ہُزالِ بدن ہے زوالِ قویٰ ہے

مگر ہے ابھی یہ دیا ٹمٹماتا
بجھا جو کہ ہے یاں نظر سب کو آتا

یہ سچ ہے کہ ہے قوم میں قحطِ انساں
نہیں قوم کے پر سب افراد یکساں
سفال و خزف کے ہیں انبار گر یاں
جواہر کے ٹکڑے بھی ہیں ان میں پنہاں

چھپے سنگریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ
ملے ریت میں ریزۂ زر بھی ہیں کچھ

جو بے غم ہیں اُن میں تو غم‌خوار بھی ہیں
جو بے مہر ہیں کچھ تو کچھ یار بھی ہیں

[غم خواری]

انھی غافلوں میں خبردار بھی ہیں
خرابات میں چند ہشیار بھی ہیں

جماعت سے اپنی نرالے بھی ہیں یاں
نکموں میں کچھ کام والے بھی ہیں یاں

جو چاہیں پلٹ دیں یہی سب کی کایا
کہ ایک اک نے ملکوں کو ہے یاں جگایا
اکیلوں نے ہے قافلوں کو بچایا
جہازوں کو ہے زورقوں نے ترایا

یونہی کام دنیا کا چلتا رہا ہے
دیئے سے دیا یونہی جلتا رہا ہے

یہ سچ ہے کہ ہیں بیشتر ہم میں ناداں
نہیں جن کے درد تعصب کا درماں [قدر دانی]
جہاں میں ہیں جو اُنؔ کی عزت کے خواہاں
انھی سے وہ رہتے ہیں دست و گریباں

پہ ایسے بھی کچھ ہوتے جاتے ہیں پیدا
کہ جو خیرخواہوں پہ ہیں اپنے شیدا

کوئی خیرخواہی میں ہے ہمسر اُن کا
کوئی دست و بازو سے ہے یاور اُن کا
کوئی ہے زباں سے ستائش‌گر اُن کا
بہت رکھتے ہیں نقشِ حب دل پر اُن کا

بہت اُن کے گن سنتے ہیں چپکے چپکے
بہت سن کے سر دھنتے ہیں چپکے چپکے

بہت دن سے دریا کا پانی کھڑا تھا [آغازِ حرکت]
تموج کا جس میں نہ ہرگز پتا تھا

تغیر سے یہ حال اُس کا ہوا تھا
کہ مکروہ تھی بو تو کڑوا مزا تھا
ہوئی تھی یہ پانی سے زائل روانی
کہ مشکل سے کہہ سکتے تھے اس کو پانی
پر اب اُس میں رو کچھ کچھ آنے لگی ہے
کناروں کو اس کے ہلانے لگی ہے
ہوا بلبلے کچھ اُٹھانے لگی ہے
عفونت وہ پانی سے جانے لگی ہے
اگر ہو نہ یہ انقلاب اتفاقی
تو دریا میں بس اک تموج ہے باقی
حوادث نے اُن کو ڈرایا ہے کچھ کچھ
مصائب نے نیچا دکھایا ہے کچھ کچھ [آثارِ بیداری]
ضرورت نے رستہ بتایا ہے کچھ کچھ[1]
زمانے کے غل نے جگایا ہے کچھ کچھ
ذرا دست و بازو ہلانے لگے ہیں
وہ سوتے میں کچھ کلبلانے لگے ہیں
رہِ راست پر ہیں وہ کچھ آتے جاتے
تعلّی سے ہیں اپنی شرماتے جاتے
تفاخر سے ہیں اپنے پچھتاتے جاتے [موجودہ حالت کا احساس]
سراغ اپنا کچھ کچھ ہیں وہ پاتے جاتے
بزرگی کے دعووں سے پھرنے لگے ہیں
وہ خود اپنی نظروں سے گرنے لگے ہیں
نہیں گھاٹ پر گو ترقی کے آتے
نئی بات سے ناک بھوں ہیں چڑھاتے

---

۱ - ''ضرورت نے رستہ دکھایا ہے کچھ کچھ''
(صدی ایڈیشن - ص ۱۵۳)

نئی روشنی سے ہیں آنکھیں چراتے
مگر ساتھ ہی یہ بھی ہیں کہتے جاتے
کہ دنیا نہیں گرچہ رہنے کے قابل
پر اس طرح دنیا میں رہنا ہے مشکل

تنزل پہ وہ ہاتھ ملنے لگے ہیں
کچھ اس سوز سے جی پگھلنے لگے ہیں
دھوئیں کچھ دلوں سے نکلنے لگے ہیں
کچھ آرے سے سینوں پہ چلنے لگے ہیں
وہ غفلت کی راتیں گزرنے کو ہیں اب
نشے جو چڑھے تھے اُترنے کو ہیں اب

نہیں گرچہ کچھ دردِ اسلام ان کو
نہ بہبودی قوم سے کام اُن کو
نہ کچھ فکر آغاز و انجام اُن کو
برابر ہے ہو صبح یا شام اُن کو
مگر قوم کی سن کے کوئی مصیبت
انھیں کچھ نہ کچھ آ ہی جاتی ہے رقت

خصومت سے ہیں اپنی گو خواریاں سب
نزاعوں سے باہم کے ہیں ناتواں سب
خود آپس کی چوٹوں سے ہیں خستہ جاں سب
پہ ہیں متفق اس پہ پیر و جواں سب
کہ نااتفاقی نے کھویا ہے ہم کو
اسی جزر و مد نے ڈبویا ہے ہم کو

یہ مانا کہ کم ہم میں ہیں ایسے دانا
جنھوں نے حقیقت کو ہے اپنی چھانا

تنزل کو ہے ٹھیک ٹھیک اپنے جانا
کہ ہم ہیں کہاں اور کہاں ہے زمانہ

پہ اتنا زبانوں پہ ہے سب کی جاری
کہ حالت بری آج کل ہے ہماری

فرائض میں گو دین کے سب ہیں قاصر
نہ مشغولِ باطن نہ پابندِ ظاہر
[حب دین]
مساجد سے غائب ملاہی میں حاضر
مگر ایسے فاسق ہیں اُن میں نہ فاجر

کہ مذہب پہ حملے ہیں جو ہر طرف سے
وہ دیکھ اُن کو ہٹ جائیں راہِ سلف سے

خود اپنی ہے گو قدر و قیمت گنوائی
پہ بھولے نہیں ہیں بڑوں کی بڑائی
[سلف پر فخر]
جو آپ اُن کی خوبی نہیں کوئی پائی
تو ہیں خوبیوں پر انھی کی فدائی[1]

شرف گو کہ باقی نہیں اُن میں اب کچھ
مگر خواب میں دیکھ لیتے ہیں سب کچھ

ذرا پھر کے پیچھے وہ جب دیکھتے ہیں
وہ اپنا حسب اور نسب دیکھتے ہیں
بزرگوں کا علم و ادب دیکھتے ہیں
سر افرازیِ جد و اب دیکھتے ہیں

تو ہیں فخر سے وہ کبھی سر اُٹھاتے
کبھی ہیں ندامت سے گردن جھکاتے

اگر کچھ بھی باقی ہو یاروں میں ہمت
تو اُن کا یہی افتخار اور ندامت

---

۱ - ''انھی کے فدائی'' (صدی ایڈیشن ، صفحہ ۵۵۱)

شگونِ سعادت ہے اور فالِ دولت
کہ آتی ہے کچھ اس سے بوئے حمیت
وہ کھو بیٹھے آخر کمائی بڑوں کی
بھلا دی جنھوں نے بڑائی بڑوں کی

اسیری میں جو گرمِ فریاد ہیں یاں
وہی آشیاں کرتے آباد ہیں یاں
قفس سے وہی ہوتے آزاد ہیں یاں
چمن کے جنھیں چہچہے یاد ہیں یاں
وہ شاید قفس ہی میں عمریں گنوائیں
گئیں بھول صحرا کی جن کو فضائیں

بلندی میں ہوں یا کہ پستی میں ہوں ہم
قوی ہوں کہ کمزور، افزوں ہوں یا کم
محقر زمانے میں ہوں یا مکرم
مؤخر ہوں اس بزم میں یا مقدم
عبا میں ہوں پوشیدہ یا شال میں ہوں
کسی رنگ میں ہوں کسی حال میں ہوں

اگر با خبر ہیں حقیقت سے اپنی
تلف کی ہوئی اگلی عظمت سے اپنی
بلندی و پستی کی نسبت سے اپنی
گزشتہ اور آئندہ حالت سے اپنی
تو سمجھو کہ ہے پار کھیوا ہمارا
نہیں دور منجدھار سے کچھ کنارا

[خودشناسی کا فائدہ]
الپ ارسلان[1] سے یہ طغرل نے پوچھا
کہ ''قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ‌فرما

---

۱ - الپ ارسلان : سلجوقیہ خاندان کا دوسرا بادشاہ جو اپنے چچا، طغرل بیگ کے بعد تخت نشین ہوا -

نشاں اُن کی اقبال‌مندی کے ہیں کیا؟
کب اقبال مند اُنؔ کو کہنا ہے زیبا؟
کہا ''ملک و دولت ہو ہاتھ ان کے جب تک
جہاں ہو کمربستہ ساتھ اُن کے جب تک
جہاں جائیں وہ سرخرو ہو کے آئیں
ظفر ہم عناں ہو جدھر باگ اُٹھائیں
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں
نہ اکھڑیں قدم جس جگہ وہ جمائیں
کریں مِس کو گر مَس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہاتھ ڈالیں طلا ہو''
ولی عہد کی جب کہ باتیں سنیں یہ
ہنسا سن کے فرزانۂ دوربیں یہ
کہا ''جانِ عم گپ ہے گو دل نشیں یہ
مگر شرطِ اقبال ہرگز نہیں یہ
حوادث سہے بن گزارا نہیں یاں
بلندی و پستی سے چارہ نہیں یاں
بہم ہے کبھی گاہ برہم ہے محفل
کٹھن ہے کبھی گاہ آساں ہے منزل
زمانے کی گردش سے بچنا ہے مشکل
نہ محفوظ ہیں اس سے مدبر نہ مقبل
بہت یکہ‌تازوں کو یاں گھرتے دیکھا
سدا شہہ سواروں کو یاں گرتے دیکھا
جہاں سود ہے یاں وہیں ہے زیاں بھی
جہاں روشنی ہے وہیں ہے دھواں بھی
سقر بھی ہے یہ خاکداں اور جناں بھی
بہاریں بھی ہیں اس چمن میں خزاں بھی

نکھرتے ہیں جو یاں وہ گدلاتے بھی ہیں
چمکتے ہیں جو یاں وہ گہناتے بھی ہیں

ضعیف اور قوی ارمنی اور عراقی
چکھاتا ہے دُردِ قدح سب کو ساقی
یہ اقبال کی ہے رمق جن میں باقی
یہ سب تلخیاں آن میں ہیں اتفاقی

بلاؤں میں گھر کر نکل جاتے ہیں وہ
ذرا ڈگمگا کر سنبھل جاتے ہیں وہ

نہیں ہوتے نیرنگِ گردوں سے حیراں
ہر اک درد کا ڈھونڈ لیتے ہیں درماں
اٹھاتے نہیں کچھ حوادث سے نقصاں
وہ چونک اٹھتے ہیں دیکھ خوابِ پریشاں

بھڑکتے ہیں افسردہ ہو کر سوا وہ
پھبکتے ہیں پژمردہ ہو کر سوا وہ

پگھلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر
لگاتے ہیں غوطہ اچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لے کے چلنے کی خاطر
وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر

سبب کو مرض سے سمجھتے ہیں پہلے
اُلجھتے ہیں پیچھے سلجھتے ہیں پہلے

ضرورت نہیں یہ کہ فرماں روا ہوں
رعیت ہوں وہ خواہ کشور کشا ہوں
سپاہی ہوں تاجر ہوں یا ناخدا ہوں
وہ کچھ ہوں پہ اپنے سے واقف ذرا ہوں

کہ ہم کیا ہیں اور کون ہیں اور کہاں ہیں
گھٹے یا بڑھے ہیں، سبک یا گراں ہیں

جب آئے اُنھیں ہوش کچھ وقت کھو کر
رہیں بیٹھ قسمت کو اپنی نہ رو کر [کوشش و محنت]
کریں کوششیں سب بہم ایک ہو کر
رہیں داغ ذلت کا دامن سے دھو کر
نہ ہو تابِ پرواز اگر آسماں تک
تو واں تک اڑیں ہو رسائی جہاں تک"
پڑا ہے وہی وقت اب ہم پہ آ کر
کہ اُٹھے ہیں سوتے بہت دن چڑھا کر
سواروں نے کی راہ طے باگ اُٹھا کر
گئے قافلے ٹھہر منزل پہ جا کر
گر افتاں و خیزاں سدھارے بھی اب ہم
تو پہنچے بھلا جا کے منزل پہ کب ہم
مگر بیٹھ رہنے سے چلنا ہے بہتر
کہ ہے اہلِ ہمت کا اللہ یاور
جو ٹھنڈک میں چلنا نہ آیا میسر
تو پہنچیں گے ہم دھوپ کھا کھا کے سر پر
یہ تکلیف و راحت ہے سب اتفاق
چلو اب بھی ہے وقت چلنے کا باقی
ہوا کچھ وہی جس نے یاں کچھ کیا ہے
لیا جس نے پھل، بیج بو کر لیا ہے
کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے
مثل ہے کہ کرتے کی سب بدّیا ہے
یونہی وقت سو سو کے ہیں جو گنواتے
وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اُٹھاتے
یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری
جہاں دیکھیے فیض اُسی کا ہے جاری

یہی ہے کلیدِ درِ فضلِ باری
اسی پر ہے موقوف عزت تمھاری
اسی سے ہے قوموں کی یاں آبرو سب
اسی پر ہیں مغرور میں اور تو سب
گلستاں میں جوبن گل و یاسمن کا
سماں زلفِ سنبل کی تاب و شکن کا
قدِ دل ربا سرو اور نارون کا
رخِ جاں‌فزا لالہ و نسترن کا
غریبوں کی محنت کی ہے رنگ و بو سب
کمیروں کے خوں سے ہیں یہ تازہ رو سب
ہلاتے نہ اگلے اگر دست و بازو
جہاں عطرِ حکمت سے ہوتا نہ خوشبو
نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو
نہ حق پھیلتا ربعِ مسکوں میں ہر سو
حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے
ستارہ شریعت کا تاباں نہ ہوتا
اثر علمِ دیں کا نمایاں نہ ہوتا
جدا کفر سے نورِ ایماں نہ ہوتا
مساجد میں یوں وردِ قرآں نہ ہوتا
خدا کی ثنا معبدوں میں نہ ہوتی
اذاں جابجا مسجدوں میں نہ ہوتی
نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا
کہ ارکانِ دیں بھی اسی پر ہیں برپا
جنھیں ہو نہ دنیائے فانی کی پروا
کریں آخرت کا ہی وہ کاش سودا

نہیں ہلتے دنیا کی خاطر اگر تم
تو لو دینِ حق کی ہی اُٹھ کر خبر تم

بنی نوع میں دو طرح کے ہیں انساں
تفاوت ہے حالت میں جن کی نمایاں [کاہل]
کچھ ان میں ہیں راحت طلب اور تن‌آساں
بدن کے نگہبان بستر کے درباں
نہ محنت پہ مائل نہ قدرت کے قائل
سمجھتے ہیں تنکے کو رستے میں حائل

اگر ہیں تونگر تو بے کار ہیں سب
اپاہج ہیں روگی ہیں بیمار ہیں سب
تعیش کے ہاتھوں سے لاچار ہیں سب
تن آسانیوں میں گرفتار ہیں سب
برابر ہے یاں اُن کا ہونا نہ ہونا
نہ کچھ جاگنا اُن کا بہتر نہ سونا

اگر ہیں تہی دست اور بے نوا وہ
تو محنت سے ہیں جی چراتے سدا وہ
نصیبوں کا کرتے ہیں اکثر گلا وہ
ہلاتے نہیں کچھ مگر دست و پا وہ
اگر بھیک مل جائے قسمت سے اُن کو
تو سو بار بہتر ہے محنت سے اُن کو

نہ جو بے نوا ہیں نہ ہیں کچھ تونگر
وہ ہیں ڈھور کی طرح قانع اسی پر
کہ کھانے کو ملتا رہے پیٹ بھر کر
نہیں بڑھتے بس اس سے آگے قدم بھر
ہوئے زیورِ آدمیت سے عاری
معطل ہوئیں قوتیں اُن کی ساری

نہ ہمت کہ محنت کی سختی اٹھائیں
نہ جرأت کہ خطروں کے میداں میں آئیں
نہ غیرت کہ ذلت سے پہلو بچائیں
نہ عبرت کہ دنیا کی سمجھیں ادائیں
نہ کل فکر تھا یہ کہ ہیں اس کے پھل کیا
نہ ہے آج پروا کہ ہونا ہے کل کیا

نہیں کرتے کھیتی میں وہ جاں فشانی
نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
پہ جب یاس کرتی ہے دل پر گرانی
تو کہتے ہیں حق کی ہے نامہربانی
نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں ''ہیچ ہیں سب یہ ساماں
کہ خود زندگی ہے کوئی دن کی مہماں
دھرے سب یہ رہ جائیں گے کاخ و ایواں
نہ باقی رہے گی حکومت نہ فرماں
ترقی اگر ہم نے کی بھی تو پھر کیا
یہ بازی اگر جیت لی بھی تو پھر کیا

یہ سرگرم کوشش میں جو روز و شب ہیں
اٹھاتے سدا بارِ رنج و تعب ہیں
ترقی کے میداں میں سبقت‌طلب ہیں
نمائش پہ دنیا کی بھولے یہ سب ہیں
نہیں ان کو کچھ اپنی محنت سے لہنا
بناتے ہیں وہ گھر نہیں جس میں رہنا''

کبھی کرتے ہیں عقلِ انساں پہ نفریں
کہ با وصفِ کوتاہ بینی ہے خودبیں

وہ تدبیریں اس طرح کرتی ہے تلقیں
کہ گویا کھلا اس پہ ہے سرِّ تکویں
مگر سب خیالات ہیں خام اس کے
ادھورے ہیں جتنے ہیں یاں کام اس کے
نہ اسبابِ راحت کی اُس کو خبر کچھ
نہ آثارِ دولت کی اُس کو خبر کچھ
نہ عزت نہ ذلت کی اُس کو خبر کچھ
نہ کلفت نہ راحت کی اُس کو خبر کچھ
نہ آگاہ اس سے کہ ہستی ہے شے کیا
نہ واقف کہ مقصود ہستی سے ہے کیا
کبھی کہتے ہیں ''زہر ہے مال و دولت
اُٹھاتے ہیں جس کے لیے رنج و محنت
اسی سے گناہوں کی ہوتی ہے رغبت
اسی سے دماغوں میں آتی ہے نخوت
یہی حق سے کرتی ہے بندوں کو غافل
ہوئے ہیں عذاب اس سے قوموں پہ نازل''
کبھی کہتے ہیں ''سعی و کوشش سے حاصل؟
کہ مقسوم بن کوششیں سب ہیں باطل
نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر زائل
برابر ہیں یاں محنتی اور کاہل
ہلانے سے روزی کی گر ڈور ہلتی
تو روٹی نکموں کو ہرگز نہ ملتی''
نکموں کے ہیں سب یہ دلکش ترانے
سلانے کو قسمت کے رنگیں فسانے
اسی طرح کے کر کے حیلے بہانے
نہیں چاہتے دست و بازو ہلانے

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

سنی تم نے یہ جس جماعت کی حالت
تنزل کی بنیاد ہے یہ جماعت
بگڑتی ہیں قومیں اسی کی بدولت
ہوا اُس کی ہے مفسدِ ملک و ملت

کیا صور و صیدا[1] کو برباد اسی نے
بگاڑا دمشق اور بغداد اسی نے

جہاں ہے زمیں پر نحوست ہے ان کی
جدھر ہے زمانے میں نکبت ہے ان کی
مصیبت کا پیغام کثرت ہے ان کی
تباہی کا لشکر جماعت ہے ان کی

وجود ان کا اصل البلیات ہے یاں
خدا کا غضب ان کی بہتات ہے یاں

سب ایسے تن آسان و بے کار و کاہل
تمدن کے حق میں ہیں زہرِ ہلاہل
نہیں ان سے کچھ نوعِ انساں کو حاصل
نہیں ان کی صحبت کہ ہے سمِ قاتل

یہ جب پھیلتے ہیں سمٹتی ہے دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

جہاں بڑھ گئی ان کی تعداد حد سے
ہوئی قوم محسوب سب دام و دد سے
رہا اُس کو بہرہ نہ حق کی مدد سے
وہ اب بچ نہیں سکتی نکبت کی زد سے

بچو ایسے شوموں کی پرچھائیوں سے
ڈرو ایسے چپ چاپ یغمائیوں سے

---

۱ - صور و صیدا : ملک شام کے دو شہر جو قدیم زمانے میں بہت مشہور و ترقی یافتہ تھے -

مگر اک فریق اور ان کے سوا ہے
شرف جس سے نوعِ بشر کو ملا ہے [شرافتِ محنت]
سب اس بزم میں جن کا نور و ضیا ہے
سب اس باغ کی جن سے نشو و نما ہے
ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر
بنے ہیں زمانے کی خدمت کی خاطر

نہ راحت طلب ہیں نہ محنت طلب وہ
لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ
نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ
بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ
وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

چنیں گر نہ وہ، ہوں کھنڈر کاخ و ایواں
بنیں گر نہ وہ شاہ و کشور ہو عریاں
جو بوئیں نہ وہ تو ہوں جاں دار بے جاں
جو چھانٹیں نہ وہ تو ہوں جنگل گلستاں
یہ چلتی ہے گاڑی انھی کے سہارے
جو وہ کل سے بیٹھیں تو بےکل ہوں سارے

کھپاتے ہیں کوشش میں تاب و تواں کو
گھلاتے ہیں محنت میں جسم و رواں کو
سمجھتے نہیں اس میں جاں اپنی جاں کو
وہ مر مر کے رکھتے ہیں زندہ جہاں کو
بس اس طرح جینا عبادت ہے اُن کی
اور اس دھن میں مرنا شہادت ہے اُن کی

مشقت میں عمر اُن کی کٹتی ہے ساری
نہیں آتی آرام کی اُن کے باری

سدا بھاگ دوڑ اُن کی رہتی ہے جاری
نہ آندھی میں عاجز نہ مینہ میں ہیں عاری
نہ لو جیٹھ کی دم تڑاتی ہے اُن کا
نہ ٹھر ماہ[1] کی جی چھڑاتی ہے اُن کا
نہ احباب کی تیغِ احساں سے گھائل
نہ بیٹے سے طالب نہ بھائی سے سائل
نہ دکھ درد میں سوئے آرام مائل
نہ دریا و کوہ اُن کے رستے میں حائل
سنے ہوں کبھی رستم و سام جیسے
غیور اب بھی لاکھوں ہیں گمنام ویسے
کسی کو یہ دھن ہے کہ جو کچھ کمائیں
کھلائیں کچھ اوروں کو کچھ آپ کھائیں
کسی کو یہ کد ہے کہ جھیلیں بلائیں
پہ احساں کسی کا نہ ہرگز اُٹھائیں
کوئی محو ہے فکرِ فرزند و زن میں
کوئی چور ہے حبِ اہلِ وطن میں
جو مصروف ہے کشتکاری[2] میں کوئی
تو مشغول دوکان داری میں کوئی
عزیزوں کی ہے غمگساری میں کوئی
ضعیفوں کی خدمت‌گزاری میں کوئی
یہ ہے اپنی راحت کے سامان کرتا
وہ کنبے پہ ہے جان قربان کرتا
کوئی اس تگ و دو میں رہتا ہے ہر دم
کہ دولت جہاں تک ہو کیجے فراہم

---

۱ - مطابق صدی ایڈیشن (صفحہ ۱۶۶) و محمڈن پریس ایڈیشن (صفحہ ۸۵) تاج کمپنی ایڈیشن اور دیگر نسخوں میں ''ماگھ'' درج ہے -
۲ - صدی ایڈیشن میں ''کاشتکاری'' ہے لیکن تمام قدیم و معاصر نسخوں میں ''کشت‌کاری'' چھپا ہے -

رہیں جیتے جی تا کہ خود شاد و خرم
مریں جب تو دل پر نہ لے جائیں یہ غم
کہ بعد اپنے کھائیں گے فرزند و زن کیا
لباس ان کا اور اپنا ہوگا کفن کیا

بہت دل میں اپنے یہ رکھتے ہیں ارماں
کہ کر جائیں یاں کوئی کارِ نمایاں
وہ ہوں تا کہ جب چشمِ عالم سے پنہاں
تو ذکرِ جمیل اُن کا باقی رہے یاں
یہی طالبِ شہرت و نام لاکھوں
بناتے ہیں جمہور کے کام لاکھوں

بہت مخلص اور پاک بندے خدا کے
نشاں جن سے قائم ہیں صدق و صفا کے
نہ شہرت کے خواہاں نہ طالب ثنا کے
نمائش سے بیزار دشمن ریا کے
ریاضت سب ان کی خدا کے لیے ہے
مشقت سب اس کی رضا کے لیے ہے

کوئی ان میں ہے حق کی طاعت پہ مفتوں
کوئی نامِ حق کی اشاعت پہ مفتوں
کوئی زہد و صبر و قناعت پہ مفتوں
کوئی پند و وعظِ جماعت[1] پہ مفتوں
کوئی موج سے آپ کو ہے بچاتا
کوئی ناؤ ہے ڈوبتوں کی تراتا

بہت نوعِ انساں کے غم خوار و یاور
ہوا خواہِ ملت بہ اندیشِ کشور
شدائد کے دریائے خوں میں شناور
جہاں کی پر آشوب کشتی کے لنگر

---

۱ - مطابق نسخۂ محمدن پریس علی گڑھ (صفحہ ۸۷) - صدی ایڈیشن (صفحہ ۱۶۸) اور دیگر نسخوں میں ''وعظ و جماعت'' چھپا ہے -

ہر اک قوم کی ہست و بود اُن سے ہے یاں
سب اس انجمن کی نمود اُن سے ہے یاں

کسی پر ہو سختی صعوبت ہے اُن پر
کسی کو ہو غم رنج و کلفت ہے اُن پر
کہیں ہو فلاکت مصیبت ہے اُن پر
کہیں آئے آفت قیامت ہے اُن پر

کسی پر چلیں تیر آماج ہیں یہ
لٹے کوئی رہگیر تاراج ہیں یہ

یہ ہیں حشر تک بات پر اڑنے والے
یہ پیماں کو میخوں سے ہیں جڑنے والے
یہ فوجِ حوادث سے ہیں لڑنے والے
یہ غیروں کی ہیں آگ میں پڑنے والے

امنڈتا ہے رکنے سے اور ان کا دریا
جنوں سے زیادہ ہے کچھ ان کا سودا

جماتے ہیں جب پاؤں ہٹتے نہیں یہ
بڑھا کر قدم پھر پلٹتے نہیں یہ
گئے پھیل جب پھر سمٹتے نہیں یہ
جہاں بڑھ گئے بڑھ کے گھٹتے نہیں یہ

سہم بن گئے سر نہیں بیٹھتے یہ
جب اُٹھتے ہیں اُٹھ کر نہیں بیٹھتے یہ

خدا نے عطا کی ہے جو ان کو قوت
سمائی ہے دل میں بہت اس کی عظمت
نہیں پھیرتی ان کا منہ کوئی زحمت
نہیں کرتی زیر ان کو کوئی صعوبت

بھروسے پہ اپنے دل و دست و پا کے
سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خدا کے

نہیں مرحلہ کوئی دشوار ان کو
ہر اک راہ ملتی ہے ہموار ان کو
گلستاں ہے صحرائے پر خار ان کو
برابر ہے میدان و کہسار ان کو
نہیں حائل ان کے کوئی رہ گزر میں
سمندر ہے پایاب ان کی نظر میں

اسی طرح یاں اہلِ ہمت ہیں جتنے
کمربستہ ہیں کام پر اپنے اپنے
جہاں کی ہے سب دھوم دھام ان کے دم سے
فقیر اور غنی سب طفیلی ہیں ان کے
بغیر ان کے بے ساز و ساماں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس

زمیں سب خدا کی ہے گلزار انھی سے
زمانے کا ہے گرم بازار انھی سے
ملے ہیں سعادت کے آثار انھی سے
کھلے ہیں خدائی کے اسرار انھی سے
انھی پر ہے کچھ فخر گر ہے کسی کو
انھی سے ہے گر ہے شرف آدمی کو

انھی سے ہے آباد ہر ملک و دولت
انھی سے ہے سرسبز ہر قوم و ملت
انھی پر ہے موقوف قوموں کی عزت
انھی کی ہے سب ربعِ مسکوں میں برکت
دم ان کا ہے دنیا میں رحمت خدا کی
انھی کو ہے پھبتی خلافت خدا کی

انھی کا اجالا ہے ہر رہگزر میں
انھی کی ہے یہ روشنی دشت و در میں

انھی کا ظہورا ہے سب خشک و تر میں
انھی کے کرشمے ہیں سب بحر و بر میں

انھی سے ہے رتبہ یہ آدم نے پایا
کہ سر اُس سے روحانیوں نے جھکایا

ہر اک ملک میں خیر و برکت ہے ان سے
ہر اک قوم کی شان و شوکت ہے ان سے
نجابت ہے ان سے شرافت ہے ان سے
شرف ان سے ، فخر ان سے ، عزت ہے ان سے

جفاکش بنو گر ہو عزت کے خواہاں
کہ عزت کا ہے بھید ذلت میں پنہاں

مشقت کی ذلت جنھوں نے اُٹھائی
جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی
فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی

[مشقت کا پھل]

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

حکومت ملی ان کو صفار[1] تھے جو
امامت کو پہنچے وہ قصار تھے جو
وہ قطبِ زماں ٹھہرے عطار تھے جو
بنے مرجعِ خلق نجار تھے جو

اولوالفضل یاں اُٹھے سرّاج کتنے
ابوالوقت ہو گزرے حلاج کتنے

---

۱ - صفار : ٹھٹھیرا - خراسان میں صفاریوں کی حکومت کا بانی یقوب بن لیث ٹھٹھیرا تھا - قصار : دھوبی - نجار : بڑھئی - سراج : زین گر - حلاج : دھنیا - بڑے بڑے علما اور ائمہ ان تمام پیشوں سے تعلق رکھتے تھے -

نہ بو نصر[1] تھا نوع میں ہم سے بالا
نہ تھا بوعلی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا
ہوئے اس لیے صاحبِ قدر والا
اگر فکرِ کسبِ ہنر تم کو بھی ہو
تمھی پھر ابونصر اور بوعلی ہو

بڑا ظلم اپنے پہ تم نے کیا ہے
کہ عزت کی یاں جس ستوں پر بنا ہے
ترقی کی منزل کا جو رہنما ہے
تنزل کی کشتی کا جو ناخدا ہے
قوی پشت تھیں جس سے پشتیں تمھاری
ہوئی دست بردار قوم اس سے ساری

ہنر ہے نہ تم میں فضیلت ہے باقی
نہ علم و ادب ہے نہ حکمت ہے باقی [قابلیت]
نہ منطق ہے باقی نہ ہیئت ہے باقی
اگر ہے تو کچھ قابلیت ہے باقی
اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں دیکھو
پھر اکسا دو اس ٹمٹماتے دیے کو

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی
خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی [مخفی جوہر]
اگر جیتے جی کچھ نہ اُن کی خبر لی
تو ہو جائیں گے مل کے مٹی میں مٹی
یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی
مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

---

[1]- بو نصر سے معلم ثانی، ابو نصر فارابی اور بو علی سے حکیم ابن سینا مراد ہیں۔

یہی نوجواں پھرتے آزاد جو ہیں
کمینوں کی صحبت میں برباد جو ہیں
شریفوں کی کہلاتے اولاد جو ہیں
مگر ننگِ آبا و اجداد جو ہیں

اگر نقدِ فرصت نہ یوں مفت کھوتے
یہی فخرِ آبا و اجداد ہوتے

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم و جاہل
بہت ان میں ہیں جن کے جوہر ہیں قابل
رذائل میں پنہاں ہیں ان کے فضائل
انھی ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل

نہ ہوتے اگر مائلِ لہو و بازی
ہزاروں انھی میں تھے طوسی و رازی

یہی قوم، ہے جس میں قحط آدمی کا
جہاں شور ہے ہر طرف ناکسی کا
نہیں جہل میں جس کے حصہ کسی کا
کبھی علم و فن پر تھا قبضہ اسی کا

وہ تھیں برکتیں سعی و کوشش کی ساری
وہی خوں ہے ورنہ رگوں میں ہماری

حکومت سے مایوس تم ہو چکے ہو
زر و مال سے ہاتھ تم دھو چکے ہو [قوت وفضیلت علم]
دلیری کو ڈھک ڈھک کے منہ رو چکے ہو
بزرگی بزرگوں کی سب کھو چکے ہو

مدار اب فقط علم پر ہے شرف کا
کہ باقی ہے ترکہ یہی اک سلف کا

ہمیشہ سے جو کہتے آئے ہیں سب یاں
کہ ہے علم سرمایۂ فخرِ انساں
عرب اور عجم ، ہند اور مصر و یوناں
رہا اتفاق اس پہ قوموں کا یکساں

یہ دعویٰ تھا اک جس پہ حجت نہ تھی کچھ
کھلی اس پہ اب تک شہادت نہ تھی کچھ

جواہر تھا اک سب کی نظروں میں بھاری
پر کھنے کی جس کے نہ آئی تھی باری
فضائل تھے سب علم کے اعتباری
نہ تھی طاقتیں اس کی معلوم ساری

پہ اب بحر و بر دے رہے ہیں گواہی
کہ ہے علم میں زورِ دستِ الٰہی
کیا کوہساروں کو مسمار اس نے
بنایا سمندر کو بازار اس نے
زمینوں کو منوایا دوّار اس نے
ثوابت کو ٹھہرایا سیّار اس نے

لیا بھاپ سے کام لشکر کشی کا
دیا پتلیوں کو سکت آدمی کا

یہ پتھر کا ایندھن ہے جلوانے والا
جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا
صداؤں کو سانچے میں ڈھلوانے والا
زمیں کے خزانے اگلوانے والا

یہی برق کو نامہبر ہے بناتا
یہی آدمی کو ہے بے پر اڑاتا

تمدن کے ایواں کا معمار ہے یہ
ترقی کے لشکر کا سالار ہے یہ
کہیں دستکاروں کا اوزار ہے یہ
کہیں جنگ جویوں کا ہتھیار ہے یہ

دکھایا ہے نیچا دلیروں کو اس نے
بنایا ہے روباہ شیروں کو اس نے

اسی کی ہے اب چار سو حکمرانی
کیے اس نے زیر ارمنی اور یمانی
ہوئے رام دیوانِ ماژندرانی
گئے زابلی بھول سب پہلوانی

ہوا اس کی طاقت سے تسخیر عالم
پڑے سامنے اس کے چرکس نہ دیلم

یہ لاکھوں پہ ہے سیکڑوں کو چڑھاتا
سواروں کو پیادوں سے ہے زک دلاتا
جہازوں سے ہے زورقوں کو بھڑاتا
حصاروں کو ہے چٹکیوں میں اڑاتا

ہوا کوئی حربوں سے اس کے نہ سربر
نہ ٹھہری زرہ اس کے آگے نہ بکتر

جنھوں نے بنایا اسے اپنا یاور
ہر اک راہ میں اس کو ٹھہرایا رہبر
یہ قول آج کل صادق آتا ہے اُن پر
کہ اک نوعِ ہے نوع انساں سے برتر

الگ سب سے کام اُن کے اور طور ہیں کچھ
اگرِ سب ہیں انساں تو وہ اور ہیں کچھ

بہت اُن کو معجز نما جانتے ہیں
بہت دیوتا اُن کو گردانتے ہیں
پہ جو ٹھیک ٹھیک اُن کو پہچانتے ہیں
وہ اتنا مقرر اُنھیں مانتے ہیں

کہ دنیا نے جو کی تھی اب تک کمائی
وہ سب جزو و کل اُن کے حصے میں آئی

کیا علم نے اُن کو ہر فن میں یکتا
نہ ہمسر رہا اُن کا کوئی نہ ہمتا
ہر اک چیز اُن کی ہر اک کام اُن کا
سمجھ بوجھ سے ہے زمانے کی بالا

صنائع کو سب اُن کی تکتے ہیں ایسے
عجائب میں قدرت کے حیراں ہوں جیسے

دیے علم نے کھول اُن پر خزانے
چھپے اور ظاہر نئے اور پرانے
بتائے اُنھیں غیب کے مال خانے
دکھائے فتوحات کے سب ٹھکانے

ہوا جیسے چھائی ہے سب بحر و بر پر
وہ یوں چھا گئے خاور اور باختر پر

یہ سچ ہے کہ ہے اصل تعلیم دولت
رہی ہے سدا پشت حکمت حکومت
ہوئی سلطنت جن کی دنیا سے رخصت
نہ علم ان میں باقی رہا اور نہ حکمت

نہ یونان محکوم ہو کر رہا کچھ
نہ ایران تاج اپنا کھو کر رہا کچھ

[صرف محنت کا وقت]

یہ اک خارکش صبر و ہمت میں کامل
یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل
کہ ''جن سختیوں کا اٹھانا ہے مشکل
وہی ہیں کچھ اے دل اٹھانے کے قابل
حلال آدمی پر ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا''
نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا
تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اٹھانا
ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا
زمانہ اگر ہم سے زور آزما ہے
تو وقت اے عزیزو یہی زور کا ہے
کرو یاد اپنے بزرگوں کی حالت

[سلف کے کارنامے]

شدائد میں جو ہارتے تھے نہ ہمت
اٹھاتے تھے برسوں سفر کی مشقت
غریبی میں کرتے تھے کسب فضیلت
جہاں کھوج پاتے تھے علم و ہنر کا
نکل گھر سے لیتے تھے رستہ ادھر کا
عراقین و شامات و خوارزم و توراں[1]
جہاں جنسِ تعلیم سنتے تھے ارزاں
وہیں بے سپر کر کے کوہ و بیاباں
پہنچتے تھے طلاب افتاں و خیزاں

---

۱ - عراقین : دونوں عراق یعنی عراق عرب و عراق عجم - شامات : ارض شام کو اس کے مختلف حصوں کے لحاظ سے شامات کہا گیا ہے - خوارزم : خراسان کے شمال میں بحیرۂ خوارزم یعنی جھیل یورال تک کا علاقہ جو اب روس میں شامل ہے - توران : قدیم ایران کا شمال مشرقی علاقہ جس کا بیش‌تر حصہ اب روس میں شامل ہے -

جہاں تک عمل دین اسلام کا تھا
ہر اک راہ میں ان کا تانتا بندھا تھا

نظامیّہ نوریّہ مستنصریّہ[1]
نفیسیّہ ستیّہ اور صاحبیّہ
رواحیّہ عزیّہ اور قاہریّہ
عزیزیّہ زینبیّہ اور ناصریّہ

یہ کالج تھے مرکز سب آفاقیوں کے
حجازی و کردی و قبچاقیوں کے

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے
جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے
کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

[اپنی مدد آپ]

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

بہت خوان بے اشتہا تم نے کھائے
بہت بوجھ بندھ بندھ کے تم نے اٹھائے
بہت آس پر ساز کی راگ گائے
بہت عارضی تم نے جلوے دکھائے

---

۱ - اس بند میں چند مشہور اسلامی درسگاہوں کا ذکر کیا گیا ہے - نظامیہ : سلجوقی سلطنت کے مشہور وزیر خواجہ نظام الملک طوسی نے پانچ مدرسے ہرات ، نیشاپور ، اصفہان ، بصرہ اور بغداد میں قائم کیے تھے جو اس کی نسبت سے مدرسۂ نظامیہ کہلاتے تھے - نوریہ : یہ مدرسہ موصل میں نورالدین ارسلان شاہ نے بنوایا تھا - مستنصریہ : یہ مدرسہ خلیفہ مستنصر باللہ نے بغداد میں بنوایا تھا - دیگر مدارس دمشق ، بغداد ، موصل ، قاہرہ ، اسکندریہ اور قبرص میں جاری تھے -

بس اب اپنی گردن پہ رکھو جوا تم
کرو حاجتیں آپ اپنی روا تم

تمھی اپنی مشکل کو آساں کرو گے
تمھی درد کا اپنے درماں کرو گے
تمھی اپنی منزل کا ساماں کرو گے
کرو گے تمھی کچھ اگر یاں کرو گے

چھپا دست ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

سراسر ہو گو سلطنت فیض گستر
رعیت کی خود تربیت میں ہو یاور
مگر کوئی حالت نہیں اس سے بدتر
کہ ہر بوجھ ہو قوم کا سلطنت پر

ہو اس طرح ہاتھوں میں اس کے رعیت
کہ قبضے میں غسال کے جیسے میت

وہی گُر تجارت کے اس کو سجھائے
وہی صنعت اور حرفت اُس کو بتائے
وہی کشتکاری کے آئیں سکھائے
وہی اُس کو لکھوائے وہ ہی پڑھائے

ملا جس رعیت کو ایسا سہارا
کیا آدمیت نے اُس سے کنارا

یہی سلطنت کی ہے کافی اعانت
کہ ہو ملک میں امن اس کی بدولت
نفوس اور اموال کی ہو حفاظت
حکومت میں ہو اعتدال اور عدالت

نہ توڑا رعیت پہ بےجا ہو کوئی
نہ قانون چھٹ کارفرما ہو کوئی

جہاں ہو یہ اندازِ فرماں روائی
رعیت کی ہے واں نپٹ بے حیائی
کہ ہر کام میں آس ڈھونڈے پرائی
کرے آپ اپنی نہ مشکل کشائی

کھڑا ہو سہارے اک اڑوار کے گھر
ہٹی وہ جہاں ، آ رہا یہ زمیں پر

گیا اب وہ دل تنگیوں کا زمانا
کہ اپنوں کا حصہ تھا پڑھنا پڑھانا
برہمن کا پہنے اگر شدر بانا
تو اس پر نہیں کوئی اب تازیانا[1]

ہوئے برطرف سب نشیب و فراز اب
سفید و سیہ میں نہیں امتیاز اب

بس اب وقت کا حکمِ ناطق یہی ہے
کہ جو کچھ ہے دنیا میں تعلیم ہی ہے
یہی آج کل اصل فرماں دہی ہے
اسی میں چھپا سرِّ شاہنشہی ہے

ملی ہے یہ طاقت اسی کیمیا کو
کہ کرتی ہے یہ ایک شاہ و گدا کو

---

۱ - ہندوؤں کی چار ذاتوں میں سے شودر (شدر) کو اتنا ذلیل سمجھا جاتا تھا کہ مذہبی علوم اور وید مقدس تو کجا محض پڑھنا لکھنا بھی اُن کے لیے جرم تھا - حتیٰ کہ اگر کوئی شودر برہمن کا بانا یعنی لباس پہن لیتا تھا تو مستوجب سزا ہوتا تھا -

سکھاتی ہے محکوم کو یہ اطاعت
سجھاتی ہے حاکم کو راہِ عدالت
دلوں سے مٹاتی ہے نقشِ عداوت
جہاں سے اُٹھاتی ہے رسمِ بغاوت
یہی ہے رعیت کو حق دار کرتی
یہی ہے کہہ و مہہ کو ہموار کرتی

سنی ہے غریبوں کی فریاد اسی نے
کیا ہے غلامی کو برباد اسی نے
رپبلک[1] کی ڈالی ہے بنیاد اسی نے
بنایا ہے پبلک کو آزاد اسی نے
مقید بھی کرتی ہے یہ اور رہا بھی
بناتی ہے آزاد بھی باوفا بھی

تجارت نے رونق ہے یہ اس سے پائی
کہ ہیچ اس کے آگے ہے فرماں روائی
فلاحت کی یہ منزلت ہے بڑھائی
کہ فلاح کرتے ہیں معجز نمائی
ترقی یہ صنعت کو دی ہے بلا کی
کہ ہوتی ہے معلوم قدرت خدا کی

یہ نا اتفاقی ہے قوموں سے کھوتی
یہ قومی محبت کا ہے بیج بوتی
یہ آپس کے کینے دلوں سے ہے دھوتی
یہ دانے ہے سب ایک لڑ میں پروتی
یہ نقطوں پہ خط کی طرح ہے گزرتی
کروڑوں دلوں کو ہے یہ ایک کرتی

---

۱ - رپبلک (Republic) : جمہوریت - پبلک (Public) : جمہور، عوام -

جہاں یہ نہیں واں نہ قوم اور نہ ملت
نہ ملکی حمایت نہ قومی حمیت [فقدان تعلیم
جدا سب کے رنج اور جدا سب کی راحت کے بد نتائج]
الگ سب کی ذلت الگ سب کی عزت

خبر واں نہیں یہ کہ ہے قوم شے کیا
چھپا سرّ حق اس تعلق میں ہے کیا

جنھوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت
نہ جانی ، مسلط ہوئی آن پہ ذلت
ملوک اور سلاطیں نے کھوئی حکومت
گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت

رہے خاندانی نہ عزت کے قابل
ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل

نہ چلتے ہیں واں کام کاریگروں کے
نہ برکت ہے پیشے میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سوداگروں کے
ہوئے بند دروازے اکثر گھروں کے

کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے
وہ ہیں اب دھرے ہات پر ہات بیٹھے

ہنر اور فن واں ہیں سب گھٹتے جاتے
ہنرمند ہیں روز و شب گھٹتے جاتے
ادیبوں کے فضل و ادب گھٹتے جاتے
طبیب اور آن کے مطب گھٹتے جاتے

ہوئے پست سب فلسفی اور مُناظر
نہ ناظم ہیں سرسبز آن کے نہ ناثر

اگر اک پہننے کو ٹوپی بنائیں
تو کپڑا وہ اک اور دنیا سے لائیں
جو سینے کو وہ ایک سوئی منگائیں
تو مشرق سے مغرب میں لینے کو جائیں
ہر اک شے میں غیروں کے محتاج ہیں وہ
مکینکس[1] کی رو میں تاراج ہیں وہ

نہ پاس اُن کے چادر نہ بستر ہے گھر کا
نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہے گھر کا
صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا
کنول مجلسوں میں قلم دفتروں میں
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھروں میں

جو مغرب سے آئے نہ مال تجارت
تو مرجائیں بھوکے وہاں اہلِ حرفت
ہو تجار پر بند راہِ معیشت
دکانوں میں ڈھونڈی نہ پائے بضاعت
پرائے سہارے ہیں بیوپار واں سب
طفیلی ہیں سیٹھ اور تجار واں سب

یہ ہیں ترکِ تعلیم کی سب سزائیں
وہ کاش اب بھی غفلت سے باز اپنی آئیں
مبادا رہِ عافیت پھر نہ پائیں
کہ ہیں بے پناہ آنے والی بلائیں
ہوا بڑھتی جاتی سرِ رہ گزر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

---

۱ - مکینکس (Mechanics) : میکانیات (کل پرزوں کا علم) -

لیے فرد بخشیِ دوراں کھڑا ہے
ہر اک فوج کا جائزہ لے رہا ہے
جنھیں ماہر اور کرتبی دیکھتا ہے
انھیں بخشتا تیغ و طبل و لوا ہے

پہ ہیں بے ہنر یک قلم چھٹتے جاتے
رسالوں سے نام اُن کے ہیں کٹتے جاتے

[اشاعت تعلیم]

بس اب علم و فن کے وہ پھیلاؤ ساماں
کہ نسلیں تمھاری بنیں جن سے انساں
غریبوں کو راہِ ترقی ہو آساں
امیروں میں ہو نورِ تعلیم تاباں

کوئی ان میں دنیا کی عزت کو تھامے
کوئی کشتی دین و ملت کو تھامے

بنے قوم کھانے کمانے کے قابل
زمانے میں ہو منہ دکھانے کے قابل
تمدن کی مجلس میں آنے کے قابل
خطاب آدمیت کا پانے کے قابل

سمجھنے لگیں اپنے سب نیک و بد وہ
لگیں کرنے آپ اپنی اپنی مدد وہ

[قدردانی اہل ہنر]

کرو قدر ان کی ہنر جن میں پاؤ
ترقی کی اور اُن کو رغبت دلاؤ
دل اور حوصلے ان کے مل کر بڑھاؤ
ستوں اس کھنڈر گھر کے ایسے بناؤ

کوئی قوم کی جن سے خدمت بن آئے
بٹھائیں انھیں سر پہ اپنے پرائے

کروگے اگر ایسے لوگوں کی عزت
تو پاؤگے اپنے میں تم اک جماعت
بڑھائے گی جو قوم کی شان و شوکت
گھرانوں میں پھیلائے گی خیر و برکت

مدد جس قدر تم سے وہ آج لے گی
عوض تم کو کل اس کا دہ چند دے گی

ترقی کے یوناں کی اسباب کیا تھے
ہنر پر جہاں پیر و برنا فدا تھے
تمدن کے میداں میں زور آزما تھے [ترقی یونان کا راز]
وطن کی محبت میں یکسر فنا تھے

مقاصد بڑے اور ارادے تھے عالی
نہ تھا اس سے چھوٹا بڑا کوئی خالی

سبب کچھ نہ تھا اس کا جز قدردانی
کہ ہوتے تھے جو علم و حکمت کے بانی
ترقی میں کرتے تھے جو جاں فشانی
حیات ان کو ملتی تھی واں جاودانی

وطن جیتے جی آن پہ قرباں تھا سارا
پس از مرگ پجتے تھے وہ آشکارا

اسی گُر نے تھا جوش سب کو دلایا
کہ تھا اک جزیرے نے رتبہ یہ پایا
اسی شوق نے تھا دلوں کو بڑھایا
اسی نے تھا یوناں کو یوناں بنایا

اس امید پر کوششیں تھیں یہ ساری
کہ ہو قوم کے دل میں عظمت ہماری

[غمگساری قوم]

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو وقعت
جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں تھامنی ہو گھرانے کی عزت
جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلت

جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
انھیں فرض ہے قوم کی غم‌گساری

بہت دل ہیں نرم ان دنوں ہوتے جاتے
کہ حالت پہ ہیں قوم کی امڈے آتے
تنزل پہ ہیں اس کے آنسو بہاتے
نہیں آپ کچھ کرکے لیکن دکھاتے

خبر بھی ہے دل اُن کے جلتے ہیں کس پر
وہ ہیں آپ ہی ہاتھ ملتے ہیں جس پر

رئیسوں کی جاگیرداروں کی دولت
فقیہوں کی دانشوروں کی فضیلت
بزرگوں کی اور واعظوں کی نصیحت
ادیبوں کی اور شاعروں کی فصاحت

جچے تب کچھ آنکھوں میں اہل وطن کی
جو کام آئے بہبود میں اُنجمن کی

جماعت کی عزت میں ہے سب کی عزت
جماعت کی ذلت میں ہے سب کی ذلت
رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت
نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت

وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی
ہری ہوگی جڑ اس گلستاں میں جس کی

ذخیرہ ہے جب چیونٹا کوئی پاتا
تو بھاگا جماعت میں ہے اپنی آتا
انھیں ساتھ لے لے کے ہے یاں سے جاتا [چیونٹے سے نصیحت]
فتوح اپنی ایک ایک کو ہے دکھاتا

سدا ان کے ہیں اس طرح کام چلتے
کمائی سے ایک اک کی لاکھوں ہیں پلتے

جب اک چیونٹا جس میں دانش نہ حکمت
بنی نوع کی اپنے برلائے حاجت
معیشت سے ایک اک کو بخشے فراغت
کرے آن پہ وقف اپنی ساری غنیمت

تو اس سے زیادہ ہے بے غیرتی کیا
کہ ہو آدمی کو نہ پاس آدمی کا

غضب ہے کہ جو نوع ہو سب سے برتر
گنے آپ کو جو کہ عالم کا سرور
فرشتوں سے جو سمجھے اپنے کو بڑھ کر
خدا کا بنے جو کہ دنیا میں مظہر

نہ ہو مردمی کا نشاں اس میں اتنا
مسلم ہے مٹی کے کیڑوں میں جتنا

الٰہی بحق رسول تہامی[1]
ہر اک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی
جسے دور و نزدیک تھے سب گرامی [مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات]
برابر تھے مکی و زنگی و شامی
شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا
بروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا

---

۱ - تہامی : تہامہ اس سرزمین کا نام ہے جہاں مدینہ منورہ واقع ہے - اسی نسبت سے آنحضرت صلعم کو رسول تہامی کہا گیا ہے -

طفیل اس کا اور اس کی عترت کا یا رب
پکڑ ہاتھ جلد اس کی اُمت کا یا رب
اک ابر اُس پہ بھیج اپنی رحمت کا یا رب
غبار اُس سے جو دھوئے ذلت کا یا رب
کہ ملت کو ہے ننگ ہستی سے اُس کی
ہوا پست اسلام پستی سے اُس کی

بچا ان کو اس تنگنائے بلا سے
کہ رستہ ہو گم رہ رو و رہنما سے
نہ امیدِ یاری ہو یار آشنا سے
نہ چشمِ اعانت ہو دست و عصا سے
چپ و راس چھائی ہوئی ظلمتیں ہوں
دلوں میں اُمیدوں کی جا حسرتیں ہوں

انھیں کل کی فکر آج کرتی سکھا دے
ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دے
کمیں‌گاہ بازی دوراں دکھا دے
جو ہونا ہے کل آج ان کو سجھا دے
چھتیں پاٹ لیں تاکہ باراں سے پہلے
سفینہ بنا رکھیں طوفاں سے پہلے[1]

★

---

۱ - آخری دو بند کی ترتیب میں اختلاف ہے - تاج کمپنی ایڈیشن اور قدیم ترین معاصر نسخوں (مثلاً نسخۂ مدن پریس ، علی گڑھ) میں ترتیب معکوس ہے - یہاں صدی ایڈیشن اور دیگر متداول نسخوں کی پیروی کی گئی ہے کیوں کہ خاتمۂ کلام کے لیے یہ ترتیب زیادہ مناسب ہے - (مرتب)

(۳) عرض حال

بجناب سرورکائنات علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات

(۱۸۸۸ء)

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ[1]
خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اُس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں
اب اُس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدرد بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے

---

۱ - سیزر (Caesar) : قیصر روم - (یہاں "قیصر و کسریٰ" بھی آ سکتا تھا !)

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر ، غنا بھی
اس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کی
وہ عرضۂ تیغِ جہلا و سُفہا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دیں‌داروں میں پر آب ہے ، باقی نہ صفا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگ شب و روز
یہ مجلسِ اعیاں ہے وہ بزمِ شرفا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے، نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے ، نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

ہے دین کی دولت سے بہا ، علم سے رونق
بے دولت و علم اس میں نہ رونق نہ بہا ہے

شاہد ہے اگر دین تو علم اس کا ہے زیور
زیور ہے اگر علم تو مال اس کی جلا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت
اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال
ادبار کی اب گونج رہی اس میں صدا ہے

بیڑا تھا نہ جو بادِ مخالف سے خبردار
جو چلتی ہے اب چلتی خلاف اُس کے ہوا ہے

وہ روشنیِ بام و درِ کشورِ اسلام
یاد آج تلک جس کی زمانے کو ضیا ہے

روشن نظر آتا نہیں واں کوئی چراغ آج
بجھنے کو ہے اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہے

عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہر سو
اس قوم کا ایک ایک گھر اب بزمِ عزا ہے

چاؤش تھے للکارتے جن رہگزروں میں
دن رات بلند ان میں فقیروں کی صدا ہے

وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بفلک تھی
وہ یاد میں اسلاف کی اب رو بہ قفا ہے[1]

جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حکم کی
اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہے

کھوج اُن کے کمالات کا لگتا ہے اب اتنا
گم دشت میں اک قافلہ بے طبل و درا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکمِ قضا ہے

تھی آس تو تھا خوف بھی ہمراہ رجا کے
اب خوف ہے مدت سے دلوں میں نہ رجا ہے

---

۱ - صدی ایڈیشن (صفحہ ۱۹۱) اور نسخۂ تاج کمپنی (صفحہ ۱۲۷) میں ''رو بقضا'' درج ہے - قدیم اور معاصر نسخوں میں ''رو بہ قفا'' اور ہے یہی درست ہے -

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت
سچ ہے کہ برے کام کا انجام برا ہے

کی زیبِ بدن سب نے ہی پوشاک کتاں کی
اور برف میں ڈوبی ہوئی کشور کی ہوا ہے

درکار ہیں یاں معرکے میں جوشن و خفتاں
اور دوش پہ یاروں کے وہی کہنہ ردا ہے

دریاے پر آشوب ہے اک راہ میں حائل
اور بیٹھ کے گھوڑناؤ پہ یاں قصد شنا ہے

ملتی نہیں اک بوند بھی پانی کی جہاں مفت
واں قافلہ سب گھر سے تہی دست چلا ہے

یاں نکلے ہیں سودے کو درم لے کے پرانے
اور سکہ رواں شہر میں مدت سے نیا ہے

فریاد ہے اے کشتیِ اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بابی انت و اُمی
دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا
جب تو نے کیا نیک سلوک اُن سے کیا ہے

صدمہ دُرِ دنداں کو ترے جن سے کہ پہنچا
کی اُن کے لیے تو نے بھلائی کی دعا ہے

کی تو نے خطا عفو ہے ان کینہ کشوں کی
کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے

سو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترحم
ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہے

جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری
منقول انھی سے تری پھر مدح و ثنا ہے

برتاؤ ترے جب کہ یہ اعدا سے ہیں اپنے
اعدا سے غلاموں کو کچھ امید سوا ہے

کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے

امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دلدادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیری محبت تری عترت کی ولا ہے

ہر چپقلشِ دہر مخالف میں ترا نام
ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے

جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اڑتی
وہ خاک ہمارے لیے داروے شفا ہے

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف
اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے

جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت
کعبے سے کشش اس کی ہر اک دل میں سوا ہے

کل دیکھیے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا
اب تک تو ترے نام پہ اک ایک فدا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمھارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ اور زیادہ
اخبار میں الطالح لی ہم نے سنا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزت کے ہیں خواہاں
پر فکر ترے دین کی عزت کی سدا ہے

گر دین کو جو کھوں نہیں ذلت سے ہماری
اُمت تری ہر حال میں راضی برضا ہے

عزت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں
اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلت میں مزا ہے

ہاں **حالی** گستاخ نہ بڑھ حدّ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگِ خطا ہے

★

(۴) شکوۂ ہند

(۱۸۸۸ء)

۱

رخصت اے ہندوستاں ! اے بوستانِ بے خزاں !
رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں

آج گو شکووں سے ہیں لبریز ہم اے خاک ہند
ہیں مگر احسان اگلے تیرے سب خاطرنشاں

تو نے بیگانوں کی خاطر کی یگانوں سے سوا
میہماں تھے پر بنایا تو نے ہم کو میزباں
تیرے باغوں کی فضاؤں نے دے دل سے بھلا
شعب بوّان[1] و سمرقند و دمشق و اصفہاں
یاد کچھ جیحوں رہا ہم کو ، نہ دجلہ اور فرات
تیرے گنگا جل نے جب سے تر کیے کام و زباں
تیری کاشی کی کشش نے کر دیے ہم سے جدا
یثرب و بطحیٰ و صنعا و زبید و نہروان
تیرے ذوق نیشکر نے کر دیے سب دل سے محو
بصرہ و طائف کے نارستان اور خرماستاں
فصلِ گل میں دیکھ کر جوبن مہابن کا ترے
مرو اور شیراز کے بھولے چمن اور گلستاں
تیرے سر جیون پہاڑوں نے دیا جی سے اُتار
نہرِ رکنی اور گلگشت مصلیٰ کا سماں[2]
دعوتیں بھولیں سمرقندی و شیرازی تمام
اس قدر الوانِ نعمت کے لگائے تو نے خواں
نقش ہیں دل پر ہمارے سب مداراتیں تری
ہم نہ بھولیں گے کبھی دن تیرے اور راتیں تری

---

۱ - شعب بوان : نواح شیراز میں ایک وسیع قطعۂ زمین جو نہایت خوش منظر تفریح گاہ تھا - اسی طرح سمرقند کے قریب ''صغد'' کی سیر گاہ ، دمشق کے قریب نزہت گاہ ''غوطہ'' اور نواح بصرہ میں ''نہر ابلہ'' کی سیر گاہ بھی بہت مشہور تھی - یہ چاروں سیر گاہیں ''چار بہشت'' کہی جاتی تھیں -

۲ - خواجہ حافظ کے مشہور شعر کی طرف اشارہ ہے :
بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نہ خواہی یافت
کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلیٰ را (مرتب)

۲

تھی ہماری قوم و ملت ، رسم و عادت سب جدا
رشتہ و پیوند کوئی ہم میں اور تجھ میں نہ تھا

بول چال اپنی الگ تھی اور زباں تیری الگ
تجھ سے ہم تھے اجنبی ، اور ہم سے تو نا آشنا

ہم میں اے ہندوستاں ! گو بوے جنسیت نہ تھی
تو نے لیکن اپنی آنکھوں پر لیا ہم کو بٹھا

تو نے سونپی مہر دولت ہم کو اور طبل و نشاں
تو نے بخشے قصر و ایواں ہم کو اور بستاں‌سرا

تو نے ثروت دی ، حکومت دی ، ریاست دی ہمیں
شکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا

نبھ سکیں لیکن نہ آخر تک یہ خاطر داریاں
جو دیا تھا تو نے وہ آخر کو سب رکھوا لیا

خیر ، اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار
جس سے چاہا لے لیا اور جس کو چاہا دے دیا

کھینچ لیں اپنی اُسی دم اُٹھ کے گدی سے زباں
بھول کر بھی گر زباں پر اس کا آ جائے گلا

پر گلہ یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ
وہ بھی تو نے ہم سے لے کر کر دیا بالکل گدا

آدمیت کے تھے جوہر جو ہماری ذات میں
خاک میں آخر دیے اے ہند سب تو نے ملا

یاد ہوگا تجھ کو یاں آئے تھے ہم کس شان سے
تجھ کو سوگند اپنے ست جگ کی بتا ایمان سے

۳

ترکمانی صولت اور مغلی جلادت ہم میں تھی
عزمِ کردی ہم میں تھا، بدوی حمیت ہم میں تھی

ہاشمی آداب و عباسی فضائل ہم میں تھے
نطقِ اعرابی و عدنانی فصاحت ہم میں تھی

ضربِ کراری و حربِ خالدی رکھتے تھے ہم
سطوتِ حمزی و فاروقی جلالت ہم میں تھی

عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی، نہ مال
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

آج خاور تھا مقام اپنا تو کل تھا باختر
عیش و عشرت کی نہ فرصت تھی نہ عادت ہم میں تھی

ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار
جو بزرگی تھی مشقت کی[1] بدولت ہم میں تھی

ہم شتربانی سے پہنچے تھے جہاں بانی تلک
اس لیے باقی شتربانوں کی خصلت ہم میں تھی

جو نشاں اقبال مندی کے ہیں وہ سب ہم میں تھے
حبِّ دینی ہم میں تھا، قومی مودّت ہم میں تھی

گھر ہمارے اور ہم سب وقف مہمانوں پہ تھے
یثربی مہماں نوازی و ضیافت ہم میں تھی

پھوٹ سے واقف نہ تھے ہم تیری اے ہندوستاں
احمدی اخلاق و اسلامی اخوت ہم میں تھی

چھین لی سب ہم سے یاں شانِ عرب آنِ عجم
تو نے اے غارت گرِ اقوام و اکّال الامم

---

۱ - ''کے بدولت'' نسخۂ محمدن پریس علی گڑھ - طبع اول (۱۸۹۵ع)

۴

آئے تھے اے ہند یاں ایسے ہی ہم زار و نزار ؟
ہے عرب کو جن سے ننگ اور ہے عجم کو جن سے عار
ہم انھی اسلاف کے معلوم ہوتے ہیں خلف ؟
جن کی تھی محکوم نسلِ رستم و اسفندیار
ہم انھی باپوں کے بیٹے تجھ کو آتے ہیں نظر ؟
جن کی جولاں‌گاہ تھی تاتار سے تا زنجبار
ہیں ہمی اے آریا ورت اُن سواروں کے سپوت ؟
جن کی دوڑوں سے ہیں واقف تیرے دشت و کوہسار
ہم سدا سے خاکسار ایسے ہی تھے اے خاکِ ہند ؟
اُڑتی پھرتی تھی زمانے میں یہی مشتِ غبار ؟
تھیں یہی شکلیں ہماری ؟ تھا یہی رنگ اور رَوپ ؟[1]
تھی یہی سیرت ہماری ؟ تھا یہی اپنا شعار ؟
گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب ہمیں
آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُن کو عار
سیرتیں تو نے بدل دیں ، مسخ کر دیں صورتیں
آبرو تو نے ڈبودی ، کھو دیا تو نے وقار
کردیا شیروں کو تو نے گوسفند اے خاکِ ہند
جو شکار افگن تھے آ کر ہو گئے یاں خود شکار
نکبتیں یہ سب جبھی سے ہم کو آتی تھیں نظر
آئے تھے یاں جب کہ اپنا چھوڑ کر ملک و دیار
تھا یقیں ہم کو کہ شامت رفتہ رفتہ آئے گی
ہم کو تو اے خاکِ ہند آخر یونہی کھا جائے گی

۱- ”رنگ و روپ“ (کلیات حالی مرتبہ شیخ محمد اسماعیل - صفحہ ۴۵)

۵

دیکھتے ہیں اب وہی آنکھوں سے صبح و شام ہم
جو مداراتوں کا سمجھے تھے تری انجام ہم

توڑ ڈالے جلد تو نے عہد اور پیمان سب
بے وفا سنتے تھے سچ اے ہند تیرا نام ہم

"دیر تک رہتا ہے جو انساں نہیں رہتا عزیز"
سنتے ہیں دیوار و در سے تیرے[1] یہ پیغام ہم

عیب جو دنیا میں ہیں وہ ہم پہ تھپ جاتے ہیں سب
کیا زمانے میں ہمیشہ یونہی تھے بدنام ہم ؟

سب کو ہو جاتا ہے ناکامی کا پہلے ہی یقیں
اٹھتے ہیں کرنے کو جب ہمت کا کوئی کام ہم

تو نے دیکھا تھا کبھی اسلامیوں کا حال یہ ؟
کیا عرب سے لے کے نکلے تھے یہی اسلام ہم ؟

بس ، زیادہ پیسنے سے اپنے کیا حاصل تجھے
پس چکے اے آسیائے گردشِ ایام ہم

شکوہ قسمت کا ہے جو یاں کھینچ کر لائی ہمیں
تجھ کو اے ہندوستاں کس منہ سے دیں الزام ہم

پھر گئی سرحد سے تیری فوجِ یوناں جس طرح
کاش پھر جاتے یونہی در سے ترے ناکام ہم

رہتے قانع اپنی محنت اور مزدوری پہ کاش
آ کے یاں پاتے نہ ذوقِ راحت و آرام ہم

دشمن اپنا ہو گیا سودائے مال و جاہ حیف!
حرص نے طعمے کی شیروں کو کیا روباہ حیف!

---

۱ - "ترے" - (ایضاً - صفحہ ۳۶)

۶

وہ مسلمانوں کی ہر بازی میں سبقت کیا ہوئی ؟
وہ حجازی غیرت اور مکی حمیت کیا ہوئی ؟

ہم مسلمانوں سے ہے اے ہند ننگ اسلام کو
تھا لقب خیرالامم جس کا وہ امت کیا ہوئی ؟

جی کسی کی عزت افزائی سے خوش ہوتا نہیں
دل گواہی جس پہ دیتا تھا وہ عزت کیا ہوئی ؟

دین و دولت ، علم و دانش، ہم میں کچھ باقی نہیں
حق نے پوری کی تھی جو ہم پر، وہ نعمت کیاہوئی[1]

ملک و مال و سلطنت اک آنی جانی چیز تھی
جو ہمیشہ رہنے والی تھی وہ دولت کیا ہوئی ؟

قریہ قریہ تیرے علم و فضل سے معمور تھا
اب وہ اے اسلام تیری خیر و برکت کیا ہوئی ؟

جس نے مغرب کو کیا مشرق وہ سورج کیا ہوا[2]
جس سے گھر گھر بن گیا یوناں وہ حکمت کیا ہوئی ؟

کوہ و دریا جن کے ہوتے تھے نہ ہرگز سدّ راہ
وہ ارادے کیا ہوئے اور وہ عزیمت کیا ہوئی ؟

کوئی مشکل ہم کو میداں سے ہٹا سکتی نہ تھی
وہ ثبات اور پائیداری اور وہ ہمت کیا ہوئی ؟

۱- سورۃ المائدۃ کی ایک آیۃ کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے : الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (۵ : ۳) (آج ہم نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی) ۔

۲ - یہاں تین صنعتوں (تضاد ، ایہام ، مراعات النظیر) کا بر جستہ استعمال ، استعارے (سورج) کی خیال افروزی اور پورے مصرعے کی معنویت و بلاغت قابل توجہ ہے ۔

ہوگی اے ہندوستاں ! آمد ہماری تجھ کو یاد
وہ مسلمانوں کی ہیئت اور وہ صورت کیا ہوئی ؟
وہ برو دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے ؟
وہ قد و بالا ، وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے ؟

۷

جب تک اے ہندوستاں ہندی نہ کہلاتے تھے ہم
کچھ ادائیں آپ میں سب سے جدا پاتے تھے ہم
اپنی خود کرتے تھے عزت گر نہ کرتا تھا کوئی
سر ہر اک فرعون کے آگے نہ نہوڑاتے تھے ہم
حاجتیں ہوتی تھیں جو اپنی روا کرتے تھے آپ
ہاتھ آگے میر و سلطاں کے نہ پھیلاتے تھے ہم
تھے آسے نعماے سلطانی سے بہتر جانتے
اپنی محنت سے اگر نانِ جویں کھاتے تھے ہم
تھے نہ کرگس اور زغن کی طرح ہم مردار خوار
تھا وہی قوت اپنا جو خود مار کر لاتے تھے ہم
تھی اولوالعزمی و ہمت اپنی مفتاحِ ظفر
چار سو راہیں معیشت کی کھلی پاتے تھے ہم
جب کبھی، جس کام کی خاطر ، جدھر منہ اٹھ گیا
پھر پلٹ کر واں سے خالی ہاتھ کم آتے تھے ہم
جی چراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی
اور خلافِ چرخِ دوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم
اسپِ تازی کی طرح تھی قومِ تازی بھی غیور
جب کوئی بڑھتا تھا ہم سے تلملا جاتے تھے ہم
ہے حمیت کو ہماری اک زمانہ جانتا
سرد ہو جاتے تھے سب جس وقت گرماتے تھے ہم

حال اپنا سخت عبرت‌ناک تو نے کر دیا
آگ تھے اے ہند ہم کو خاک تو نے کر دیا[1]

۸

کھا کے نعمت دل ہمارا شادماں ہوتا نہ تھا
ساتھ دستر خوان پر گر میہماں ہوتا نہ تھا

کرتے تھے مہماں ہمارے ماحضر پر اکتفا
تنگ دل مہماں سے کوئی میزباں ہوتا نہ تھا

ہم کو پہنچی تھی خلیل اللہ سے خواں گستری
عسرت اور تنگی میں بھی طے[2] اپنا خواں ہوتا نہ تھا

رکھتے تھے بچوں کو بھوکا اپنے مہماں کے لیے
خرچ سے گھر کے سوا کھانا جہاں ہوتا نہ تھا

تھا مسافر کے لیے ایک ایک گھر مہماں سرا
ہم کو کچھ غربت میں فکرِ آب و ناں ہوتا نہ تھا

میہمانوں کو تھے اپنے گھر کی برکت جانتے
ٹھہرنا مہماں کا برسوں تک گراں ہوتا نہ تھا

جانتے تھے ہم کہ ہے اُس پر خدا نا مہرباں
جو کہ ہمسائے پہ اپنے مہرباں ہوتا نہ تھا

ہم ہر اک آفت میں ہمسایوں کی رہتے تھے سپر
دشمنوں سے اپنے اُن کو خوف جاں ہوتا نہ تھا

چپکے چپکے حاجتیں کرتے تھے سب اُنؔ کی روا
فقر و فاقہ اُن کا خلقت پر عیاں ہوتا نہ تھا

---

۱ - اس مصرعے میں میر کا فیضان نمایاں ہے :

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب ہوئے خاک انتہا یہ ہے !

۲ - طے : لپیٹنا (عربی - غالباً اسی صوتی مناسبت سے اردو میں تہ کرنا لپیٹنے کے معنی میں رائج ہو گیا -

پیٹ بھرلیں اپنا اور ہمسایہ فاقے سے رہے
اتفاق آگے یہ اے ہندوستاں ہوتا نہ تھا

یوں نہ ہم‌جنسوں سے کرتی تھیں یہ آنکھیں چوریاں
تو نے اپنی سی سکھا دیں ہم کو تنہا خوریاں

۹

جس سے کرتے تھے محبت ، بے ریا کرتے تھے ہم
جس سے ہوتی تھی شکایت ، برملا کرتے تھے ہم

شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم
شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم

دوست بن جاتے تھے جس کے اس سے کرتے تھے نباہ
عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم

جن کے ہو جاتے تھے ساتھی اُن کا ہم دیتے تھے ساتھ
رنج و راحت میں شریک اُن کے رہا کرتے تھے ہم

کرتے تھے عسرت میں اُن کے واسطے فکر معاش
اُن کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم

کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ
اس میں روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم

یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب
یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم

سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد
اُن کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم

دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہم کو دوست
ٹوک دیتے تھے ہمیں ، جب کچھ خطا کرتے تھے ہم

آج وہ کام آئے اپنے کل ہم اُن کے آئے کام
بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

تو نے اے ہندوستاں کھو دیں کہاں وہ یاریاں
یاریاں ہم میں رہیں باقی نہ وہ غم خواریاں[1]

۱۰

تیرے سایے سے رہے اے ہند جب تک دور ہم
اپنی یک رنگی رہی ضرب‌المثل بین‌الامم
مل گیا جو ہم میں آ کر پھر نہ تھے ہم پوچھتے
روم ہے یا ترک، ارمن ہے، عرب ہے یا عجم
ملتِ بیضا نے قوموں کی مٹا دی تھی تمیز
تھے بلال و جعفر و سلماں برابر محترم
ایک رنگت میں اخوت کی تھے سب رنگے ہوئے
اسود و احمر تھے جو اسلام کے زیر علم
زنگی و خوارزمی و تاتاری و ماژندری
ایک دسترخوان پر کھاتے تھے سب مل کر بہم
گو سدا آپس میں لڑتے اور جھگڑتے تھے مگر
وقت جب پڑتا تھا آ کر ایک ہو جاتے تھے ہم
فرق رکھا تھا کہہ و مہہ میں نہ کچھ اسلام نے
تھے برابر نفقہ و کسوت میں آقا اور خدم
حق خلیفہ کا نہ تھا اس میں رعیت سے سوا
جمع بیت‌المال میں ہوتی تھی جو آ کر رقم
ٹوک دیتا تھا سرِ دربار بڑھ کر اک غلام
گر کہیں بے راہ اٹھ جاتا تھا حاکم کا قدم
شوکتِ دیں کے سوا، شوکت نہ تھی کوئی پسند
ملکِ جم، لے کر نہ پاس آتا تھا اپنے کبرِ جم

---

۱ - ''یاریاں ہم میں رہیں باقی نہ غم خواریاں''
(کلیات، جلد دوم، مرتبہ محمد اسماعیل، صفحہ ۵۲)

۱۱

راست‌بازی میں ہماری لوگ دیتے تھے نظیر
فرد تھے پاسِ سخن میں قوم کے برنا و پیر
دوست دشمن کو ہمارے قول پر تھا اعتماد
دے چکے جب ہم زباں ، پھر تھی وہ پتھر کی لکیر
تھے ثقہ بھی ہم میں ، بد اطوار بھی ، اوباش بھی
تھا سخن کا اپنے لیکن پاس سب کو ناگزیر
کوئی بدعہدی سے بڑھ کر تھا نہ عیب اُن کے لیے[1]
حق جنھیں کرتا تھا ہم میں وارثِ تاج و سریر
جیسے رہ‌زن اور لٹیرے تھے ہمارے راست باز
رہ‌نماؤں[2] میں نہیں پاتے ہم آج ان کی نظیر
دل میں کچھ ہے اور زباں پر کچھ ، یہ خاصیت نہ تھی
خاک میں اس سرزمیں کی جس سے تھا اپنا خمیر
جنگ تھی تو برملا تھی ، صلح تھی تو بے‌ریا
ہم کو زہر آتا نہ تھا دینا بنا کر جامِ شیر
منہ سے جو کہہ بیٹھتے تھے کر دکھاتے تھے وہی
ہے گرج کر پھر برستا جس طرح ابرِ مطیر
چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و امیر
پر بنایا جب سے ہم نے ملجا و ماویٰ تجھے
راست‌بازی ہوگئی اے ہند ہم سے گوشہ گیر

---

۱ - ''کوئی بد عہدی سے بڑھ کر نہ تھا عیب اُن کے لیے''
(کلیات جلد دوم مرتبہ شیخ محمد اسماعیل ص ۵۲) -

۲ - مطابق کلیات جلد دوم ، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل (ص ۵۲) - نسخۂ محمدن پریس علی گڑھ ، طبع اول (ص ۹) میں ''پاسبانوں'' چھپا ہے - (مرتب)

کردیے تو نے تمام اسلام کے ارکان سست
ہو گئے بودے ہمارے عہد اور پیمان سست

۱۲

شرق سے تا غرب جب عالم میں تھا قحط الرجال
تھی ہماری قوم میں ارزانیِ اہلِ کمال

علم و حکمت نے ہماری آن کر لی تھی پناہ
روم اور یونان پر جب چھا گیا جہل و ضلال

جاہلوں کا تھا ہماری قوم میں گھاٹا یونہی
جیسے اب لکھے پڑھے ملتے ہیں ہم میں خال خال

منع استدلال یا توجیہ یا تحقیقِ حق
تھی یہی اکثر ہماری مجلسوں میں قیل و قال

ترک میں وحشت رہی تھی اور نہ جہل اعراب میں
دینِ بیضا نے دیا تھا آ کے کانٹا سا نکال

علم بھی جاتا تھا ، جاتے تھے جہاں ہم ، ساتھ ساتھ
علم نے اسلام سے باندھا تھا پیمانِ وصال

سیم و زر کم چھوڑ کر جاتے تھے ہم میراث میں
تھی کتاب اپنی بضاعت اور ادب تھا اپنا مال

خلق کرتی تھی ہماری ریس رسم و راہ میں
کردیا تھا علم نے سب کے لیے ہم کو مثال

آج جس علم و ہنر سے ہے چراغاں بزمِ دہر
ہم نے بنیاد اس کی دی تھی بیش تر دنیا میں ڈال

تھی ہماری دولت ، اے ہندوستاں ! فضل و ہنر
آ گیا تیری بدولت اپنی دولت کو زوال

ہم کو ہر جوہر سے یوں بالکل معرا کردیا
تو نے اے آب و ہوائے ہند یہ کیا کر دیا ؟

۱۳

ہم نے یہ مانا کہ جب گلشن میں ہو فصلِ خزاں
بے محل ہے چھیڑنی واں عہدِ گل کی داستاں
ہو خلف پر ابر جب چھایا ہوا ادبار کا[1]
پھر سلف کی شان و شوکت کیجے کس منہ سے بیاں
ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیوں کر کوئی
بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں
بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اٹھ رہا ہے گل سے شمعِ بزم کے اب تک دھواں
کہہ رہے ہیں نقشِ پائے رہرواں ، اے خاکِ ہند
یاں سے گزرا ہے ابھی اک با تجمل کارواں
گو یقیں ہے رفتہ رفتہ یادِ ایامِ سلف
دل سے چھوڑے گی مٹا کر گردشِ دورِ زماں
بھول جائیں گے کہ تھے کن ڈالیوں کے ہم ثمر
ٹوٹ کر آئے کہاں سے اور بکے جا کر کہاں !
پر زمانے میں رہیں گے تا قیامت یادگار
جو کیے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستاں!
ماجرا ہوگا ہمارا عبرت اوروں کے لیے
چیت جائیں گے بہت سن کر ہماری داستاں

---

۱ - مطابق نسخۂ مدن پریس (ص ۱۰) - کلیات جلد دوم مرتبہ شیخ محمد اسماعیل (ص ۵۵) میں یہ مصرع یوں ہے :
"ہے خلف پر ابر جب چھایا ہوا افلاس کا" (مرتب)

سانپ سے جس طرح رہتا ہے سپیرا دور دور[1]
حکمراں تیرے یونہی تجھ سے رہیں گے برکراں
برکتیں یاں چھوڑ کر ہم اپنی جائیں گے بہت
ہم نہ ہوں گے پر نصیحت ہم سے پائیں گے بہت

★★★

---

۱ - مطابق نسخۂ مدن پریس علی گڑھ (ص ۱۱) - کلیات جلد دوم مرتبہ محمد اسماعیل (ص ۵۶) میں یہ مصرع اس طرح ہے :
"آگ سے رہتا ہے جیسے دور دور آتش پرست" (مرتب)

فصل نہم

تعلیمی و اصلاحی نظمیں

(متعلق بہ علی گڑھ تحریک)

۱ - مدرسۃ العلوم مسلماناں واقع علی گڑھ[1]
(۱۸۸۰ع)

جھٹپٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا
تا کہ رہگیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا
سرخ رو آفاق میں وہ رہ نما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے ان عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جن سے ان کے بانیوں کا ہے جلال[2]
شان و شوکت کی تمھاری دھوم ہے آفاق میں
دور سے آ آ کے تم کو دیکھتے ہیں با کمال

---

۱ - ”غالباً یہ ترکیب بند مولانا حالی نے علی گڑھ ہی میں پیش کیا تھا، جب کہ وہ علی گڑھ دوبارہ (۱۸۸۰ع میں) تشریف لے گئے تھے۔“ (حالی کا ذہنی ارتقا، صفحہ ۷۰)

۲ - دوسرے اور تیسرے بند کو دیکھ کر سرسید کی وہ تقریر یاد آ جاتی ہے جو انھوں نے دسمبر ۱۸۷۳ع میں (جب کہ حالی بھی موجود تھے) لاہور کے شالامار باغ میں کی تھی۔ اس تقریر میں سرسید نے شاہی عمارات کے مقابلے میں قومی کاموں کی اہمیت، پائداری اور استواری کا ذکر کیا تھا۔ (بحوالہ حالی کا ذہنی ارتقا، صفحہ ۷۱، ۷۲)

قوم کو اس شان و شوکت سے تمھاری کیا ملا
دو جواب اس کا اگر رکھتے ہو یارائے مقال
سر نگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ ، الانفعال الانفعال
بانیوں نے تھا بنایا اس لیے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف اسلام کو رویا کریں

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اک شان‌دار
اور چھوڑا اس نے اک ایوانِ عالی یادگار
ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بے شمار
اک محبِ قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار
ہوگی عالم میں کہو سرسبز یہ پچھلی مراد
یا وہ اگلوں کی اُمیدیں لائیں گی کچھ برگ و بار
چشمہ سرجیون ہے جو بہتا رہے گا یاں وہی
سب اُتر جائیں گی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دور سے اُمید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے[1]
قوم کے پیر و جواں سب ہو گئے تھے مردہ دل
درد مندی جوش میں چند اہلِ دل کو لائی ہے
پاؤ گے تاریخ میں ہرگز نہ تم اس کی مثال
سلطنت نے قوم کی جو یاں مدد فرمائی ہے

---

۱ - ''بہت ممکن ہے کہ اس ڈوبتی کشتی کی تشبیہ سے سرسید نے وہ تصویر نواب مختارالملک مرحوم کے لیے بنوائی ہو جس کا ذکر 'حیات جاوید' میں آیا ہے۔'' (حالی کا ذہنی ارتقا ، صفحہ ۷۳)

غیر قوموں نے بھی کی ہے شرطِ ہمدردی ادا
یہ بنا چلتی ہوا تک کو بھی دل سے بھائی ہے
آؤ ہم بھی اے عزیزو مغتنم سمجھیں اسے
اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر ، نزولِ خیر و برکت ہے جہاں
جس کی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں
یہ نہالِ تازہ جس کو اک زمینِ شور میں
خرّم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں
یہ مسیحائی علاج اس دردِ بے درماں کا ہے
لادوا ٹھہرا چکے جس کو اطبائے زماں
یہ نمونہ اس عزیزِ مصر کا جس نے ستم
جن کے ہاتھوں سے سہے ، دی قحط میں ان کو اماں
عہد و پیماں اے عزیزو! تم سے کچھ لینے کو ہے[1]
قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے

آ رہی ہے اس مکاں کے گوشے گوشے سے صدا
قوم اگر سمجھے تو ہوں میں قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دنیا میں تو ہوں اکسیر میں
اور اصلِ کیمیا کچھ ہے ، تو میں ہوں کیمیا
ہاتھ آ جاتا سکندر کو اگر میرا سراغ
چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں اُن کی یوں پھلیں گی کوششیں
ایک دانے سے ہوں خوشے جس طرح بے انتہا

---

۱ مجموعۂ نظم حالی ، طبع اول ۱۸۹۰ء (ص ۵۶) اور دیگر نسخوں میں ''لینے کو ہے'' کی جگہ ''کرنے کو ہے'' چھپا ہے۔ اصلاح قیاسی بہ رعایت قافیہ۔ (مرتب)

ہے عبث گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہہ دو قوم میں ہیں جو کہ عالی خاندان
یا جنھیں جاگیر و منصب پر ہے نازِ بے کراں
کیا لیے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے میہماں
تم نہیں رتبے میں بڑھ کر تغلق و تیمور سے
تنگ ہے آج ان کی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر
ورنہ وار اپنا کرے گی گردشِ دورِ زماں
آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے، اس ہاتھ لو اس ہاتھ دو[1]

میں تمھیں پستی سے پہنچاؤں گا تا اوجِ کمال
میں تمھیں دیکھوں گا جب گرتا ہوا، لوں گا سنبھال
میں بناؤں گا تمھارے کام سب بگڑے ہوئے
میں سُجھاؤں گا زمانے کی تمھیں سب چال ڈھال
جو کریں گے آج میری دست و بازو سے مدد
میں سدا کرتا رہوں گا اُن کی نسلوں کو نہال
قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں
چاہو دارالکفر سمجھو مجھ کو یا دارالضلال
میں دکھا دوں گا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

---

۱ - مجموعۂ نظم حالی، طبع اول (ص ۵۶) میں "اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو" چھپا ہے لیکن مصرعے کی یہ صورت مرجح و انسب ہے۔
(مرتب)

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤں گا تمھیں
سلطنت کا معتمد بننا بتاؤں گا تمھیں
قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھوں کس قدر
بڑھ سکو گے جس قدر اتنا بڑھاؤں گا تمھیں
تب یہ سمجھو گے کہ ہم سوتے تھے کب کے بےخبر
دفعتاً جب خوابِ غفلت سے جگاؤں گا تمھیں
یاد ہوگا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب
پھر مخاطب ''خیر اُمت'' کا بناؤں گا تمھیں
مجھ کو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ
روزِ روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ ، اے ریاضِ علم اے عین الحیات
ہے ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہات
ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیلِ کارواں
چار سُو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات
قوم سے تو بھی یونہی جہل اور تعصب کو مٹا
جس طرح دینِ حنیفی[1] سے مٹے لات و منات
چھوڑ جائیں گے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشاں
چھوڑ جائیں گے وہی کچھ باقیات الصالحات
ایک باہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے
ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کی اُمید گاہ
اے یگانوں اور بےگانوں کے یکساں خیر خواہ

---

۱ ۔ مطابق مجموعۂ نظم حالی ، طبع اول (ص ۵۷) ۔ دیگر نسخوں میں ''دین خلیلی'' چھپا ہے ۔ (مرتب)

دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھے
قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ !
اپنے حامی آپ پیدا کر کہ کوہِ سربلند
اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لیے پشتِ پناہ
خیر کی امید رکھنی ہے عبث اس قوم سے
آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ
چارہ آخر کچھ نہیں **حالی** بجز صبر و سکون
کر دعا اب ''اھد قومی انھم لا یعلمون[1]''

★

۲ - ننگِ خدمت

(۱۸۸۷ع)

یادِ ایام کہ بے رنگ تھی تصویرِ جہاں
دستِ مشاطہ نہ تھا محرمِ زلفِ دوراں
گلِ خودرو سے بسا تھا چمنِ کون و مکاں
چار سو حسنِ خداداد کا سکہ تھا رواں
وضعِ عالم میں نہ آیا تھا تغیر اب تک
خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک
طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالمِ پیر
تھے ہم اک صنعت بے چون و چرا کی تصویر
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر
طبع نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر
خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

---

۱ - حدیث نبوی - ترجمہ : (اے خدا) میری قوم (کے لوگوں) کو ہدایت کر کیونکہ وہ نہیں جانتے - (مرتب)

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم
نہ بلندی کے ، نہ رفعت کے طلب‌گار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غم‌خوار تھے ہم
مددِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم

جو سبق آئے تھے اُستادِ ازل سے لے کر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی
دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی
ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی

عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی
رو بہ رو جس کے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی
آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اس قدر عمرِ دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم
عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
کسی محنت ، سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم
آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا
کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا ، در پہ نگہبان نہ تھا
جی میں فرعونِ زماں بننے کا ارمان نہ تھا

آ کے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے
اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے
رو کھ کی چھاؤں کو ہم ظلِ ہما جانتے تھے
مل گیا جو آسے انعامِ خدا جانتے تھے
نہ برا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے

طاعتِ نفسِ فرومایہ سے آزاد تھے ہم
ساگ اور پات پہ گزران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار
طے انھی قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہ گزار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرفِ بلوریں درکار
انھی ہاتھوں پہ خور و نوش کا تھا اپنے مدار

شرم آتی تھی نہ ہل جوت کے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

تھک کے محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام
دیتے تھے کاہ بریاں کا مزا گندمِ خام
دست و بازو کی بدولت تھا ہمیں عیش مدام
خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام

پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبرو نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے

انجمن ترقی
نئی دہلی

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بے جا ساماں
نانِ جو کھاتے تھے خوش ہو کے ہمارے مہماں
تھا بناوٹ کا پتا اور نہ تکلف کا نشاں
ایک قانون کے پابند تھے دل اور زباں
طبل ظاہر کی نمائش کے نہ بجتے تھے وہاں
جو برستے تھے زیادہ ، نہ گرجتے تھے وہاں

آمدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطفِ ہوا
آندھیوں نے کیے انجام کو طوفاں برپا
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عینِ صفا
جتنا بڑھتا گیا ، ہوتا گیا پانی گدلا
مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں اے روشیں تازہ بدلنے والے
نت نئی چال ، نئی ڈھال سے چلنے والے
موم کی طرح ہر اک سانچے میں ڈھلنے والے
روز اک سانگ[1] نیا بھر کے نکلنے والے
آج کچھ اور ہے ، کل اور تھی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اک زمانہ تھا کہ ہم وزن تھے سب خورد و کلاں
لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھیتی یکساں
ایک اسلوب پہ تھی گردشِ پرکارِ زماں
شہر و ویرانہ و آباد میں تھا ایک سماں
قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کا اصلا
کوئی پلہ تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا

---

۱ - مطابق مجموعۂ نظم حالی ، طبع اول (ص ۴۴) - اصل لفظ سوانگ (بہ ضم واؤ) ہے - یہاں عام تلفظ کے مطابق لکھا گیا ہے -

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سر مو
سب تھے ہم ایک ترائی کے درختِ خودرو
حاجتیں لے کے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو
نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو
دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہات نہ تھا
ایک قبلہ تھا ، کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

ناگہاں جور و تغلب[1] کا اک اٹھا طوفاں
جس کے صدمے سے ہوئی زیر و زبر نظمِ جہاں
اقویا ہاتھ ضعیفوں پہ لگے کرنے رواں
بکریوں کو نہ رہی بھیڑیوں سے جائے اماں
تیز دنداں ہوئے جنگل میں غزالوں پہ پلنگ
مچھلیوں پر لگے منہ کھولنے دریا میں نہنگ

حق نے شائستۂ ہر باب بنایا تھا ہمیں
ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں
زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں
ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

درِ مخلوق کو ہم ملجا و ماویٰ سمجھے
طاعتِ خلق کو اعزاز کا تمغا سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے
ننگِ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے
عیب لگنے لگے نجاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہرِ آزادی کو

---

۱ - مطابق مجموعۂ نظم حالی ، طبع اول (ص ۴۴) - دیگر نسخوں میں ''تظلم'' چھپا ہے ۔ (مرتب)

نوکری ٹھہری ہے لے دے کے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ، ہو گئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی
ہاتھ اپنے دلِ آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصدِ تجارت تو گرہ میں نہیں دام
دست کاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کارِ عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام
بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے ایک اک کے غلام
نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اس کی ادا
ایک آقا ہو تو حکم اس کا کوئی لائے بجا
زید کی رائے جدا ، عمرو کی تجویز جدا
ایک بندے کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا
بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں بیمِ گناہ
کہیں غماز کا دھڑکا ، کہیں خوفِ بدخواہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ نہ ہو جن سے نباہ
خدمت اک بارِ گراں ہے کہ عیاذاً باللہ
پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرانی نہ رہے
گرے دریا پہ تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
بے سبب آن پہ گزرتی ہیں جفائیں اکثر

ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر
سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دعائیں اکثر

غیرت آئی جنھیں وہ ٹھہرنے پاتے نہیں یاں
جو کہ عاقل ہیں ، کبھی کان ہلاتے نہیں یاں

کیجیے فرض کہ ہے زید بڑا منصب دار
اور عمرو اس کا ہے اک بندۂ فرماں بردار
فرق دونوں میں نہیں اس کے سوا کچھ زنہار
کہ یہ میلا ہے وہ اُجلا ، یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونوں
قید میں ، عجز میں ، ذلت میں برابر دونوں

عمرو کرتا ہے اگر اس کا ادب اور تعظیم
کرنی پڑتی ہے اسے بھی کہیں جھک کر تسلیم

زید کی جھڑکیوں سے گر ہے دلِ عمرو دونیم
جا کے سنتا ہے کہیں زید بھی الفاظِ سقیم

پاجی ، احمق ، اسے کہنے کا اگر ہے دستور
''ڈیم فول'' اس کو بھی سننا کہیں پڑتا ہے ضرور

رکھتے ہیں حضرتِ انساں جو بڑائی میں قدم
گاؤخر ان سے ہیں کیا جانیے کس بات میں کم
مالکوں کے انھیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم
ذلتیں اُن کے لیے بھی ہیں مہیا ہر دم

ننگ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے
چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کھیت سے اپنے بچھڑنے کا ہے گر ان کو ملال
مدتیں گزریں کہ لوٹا گیا یاں عیشِ وصال

نوکری نے جونہی دکھلایا طلسمِ اقبال
چھوڑ کر شہر و وطن کو ہوے جویاے محال

گھر چُھٹا ، یار چُھٹے ، خویش و یگانہ چُھوٹا
ایک ذلت ملی اور سارا زمانہ چُھوٹا

ان کی گردن میں اگر قید کی رسی ہے پڑی
اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی
تازہ حکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی
نہیں خالی کوئی ساعت، کوئی پل ، کوئی گھڑی

مرغِ بے پر کی طرح قیدیِ صیاد ہیں ہم
کہیے پھر کون سی حجت سے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرطِ مشقت سے اگر وہ رنجور
مالک ان کی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
دیکھ لیتے نہیں جب تک کہ ہوئے روگ سے دور
رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے اُن کو معذور

جانتے ہیں یہی دھن ہے ، یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انھی کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بن جائے مشقت سے یہاں
نہیں اُمید کہ گزرے کسی خاطر پہ گراں
مطمئن ہیں کہ ہے مزدوروں کا دنیا میں سماں
نہ ہوا ایک تو رکتی نہیں تعمیرِ مکاں

پھرتے ہیں پیٹ کی یاں دیتے دہائی لاکھوں
گر نہیں آپ تو ہیں آپ کے بھائی لاکھوں

حق کسی کا نہیں ماتحت ہو یا ہو افسر
ایک سے کام لیا ، ایک کو سونپا دفتر

یہی کیفیتیں رہتی ہیں یہاں شام و سحر
فی المثل ایک کرایے کی دکاں ہے نوکر
رہے، جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل
جب لگی بیٹھنے لی جا کے کہیں اور بدل
نوکروں سے ہیں بہایم کہیں رتبے میں سوا
کہ نہیں خدمتِ ہم جنس کا اُن پر دھبّا
گائے ہو، بیل ہو، گھوڑا ہو کہ اس میں ہو گدھا
ایک کا ایک کو تابع کہیں دیکھا نہ سنا
کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقلِ رسا نے بخشا
اس سے بڑھ کر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں
کہ ہو ہم جنس کی ہم جنس کے قبضے میں عناں
ایک گلے میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شباں
نسلِ آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انساں
ناتواں ٹھہرے کوئی، کوئی تنومند بنے
ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے
ایک ہی تخم سے پیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو[1]
ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیاد بھی ہو
ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو
ایک ہی سبزۂ جو تازہ بھی ہو، خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خوں ریم بھی ہو مشک بھی ہو
ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرماں بردار
اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار

---

۱ - ترتیب مطابق مجموعۂ نظم حالی، طبع اول (ص ۹۴) - دیگر نسخوں میں پہلے اور دوسرے مصرعوں کی جگہ تیسرے اور چوتھے مصرعے درج ہیں - (مرتب)

نہیں سرکار سے دربار سے ان کو سروکار
جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی ان کا دربار

گر تونگر ہیں تو دس بیس ہیں ان کے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں آن کا بلانے والا
جبر سے کوئی نہیں آن کا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اٹھانے والا
سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا

اٹھ کے چل دیں تو نہیں روکنے والا کوئی
الٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر
اور کھل جائیں کمالات بھی ان کے سب پر

جوہری جو ہیں وہ سب ان کے پرکھ لیں جوہر
کامیابی نہیں ان کے لیے اس سے بڑھ کر

کہ سدا قید رہیں مرغِ خوش الحاں کی طرح
جا کے بک جائیں کہیں یوسفِ کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب انھیں ہر علم و ہنر میں یکتا
شرفِ ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا
زورِ بازو میں بلندیِ نظر میں یکتا
الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا

اور پھر اس پہ مدد طالعِ بیدار کی ہو
تب نصیب ان کو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے در در
سندیں ، چٹھیاں ، پروانے دکھاتے در در

چاپاوسی سے دل ایک اک کا لبھاتے در در
ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در

تا کہ ذلت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عرضی ان کی
سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اسی دم راہی

برسوں اس پر بھی گزر جاتے ہیں بے نیلِ مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا
کبھی ٹھہراتے ہیں گردش کو زمانے کی برا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا
کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیّت سے خفا

وعدۂ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ
اس کا حیلہ نہیں یاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوئے بند سب اُن پر گویا
اب فلک پر انہیں ملجا نہ زمیں پر ماویٰ

کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جُتنے کے سوا کام نہیں

جن کے اسلاف نے تھا قوم کا دیکھا اقبال
یاد کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال

پاتے ہیں اُن کو عنایات سے شاہوں کی نہال
مال و دولت سے انھیں دیکھتے ہیں مالا مال

ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر
کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدرِ کبیر

دیکھتے جب ہیں کہ دم‌ساز تھے اُن سے ایام
بادۂ عیش سے لبریز تھا جام اُن کا مدام
کہتے ہیں خدمتِ سلطاں میں ہے اعزاز تمام
اس لیے ہم نے لیا پیشۂ آبائے کرام

دیکھیں منہ ڈال کے گر اپنے گریبان میں وہ
عمر برباد کریں پھر نہ اس ارمان میں وہ

ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوا
اپنی بھی چال گیا بھول بہ‌قولِ حکما
پیروی کرتے ہیں اسلاف کی اب جو حمقا
وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانے کا ہے کیا

اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
اپنی توقیر ہے کیا اُن کی وجاہت کیا تھی

سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھے ارکاں
ان سے ہر حال میں دربار کو تھا اطمیناں
رتق اور فتق کی ہاتھوں میں انھی کے تھی عناں
طبل و نقارہ انھی کا تھا، انھی کا تھا نشاں

تھے وہی قائدِ لشکر وہی دفتر کے دبیر
تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر

مشورت اُن سے ہر اک بات میں لی جاتی تھی
جستجو ان کی مہمات میں کی جاتی تھی

رخصتِ خلوت و جلوت انھیں دی جاتی تھی
سب چھپی اور ڈھکی ان سے کہی جاتی تھی

ڈھونڈ ڈھونڈ ان کو بلاتے تھے حکومت کے لیے
خدمت ان کے لیے تھی اور وہ خدمت کے لیے

آن کی نسلوں کی بھی کیا آج یہی ہے توقیر
نوکری کے لیے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
کاش سوجھے انھیں جو پیٹ رہے ہیں وہ لکیر
کاش سمجھیں کہ ہیں کس وہم کے پھندے میں اسیر

بھاگوان آیا تھا جو قوم پہ وہ سال گیا
گئے منصب بھی، جہاں قوم کا اقبال گیا

اب حسب اور نسب کچھ نہیں نازش کا محل
گردشِ دہر نے دی صورت احوال بدل
خاندانوں کی نجیبوں کے گئی ٹھیک نکل
کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سید نہ مغل

گر گئے جو مئے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں
چاہیے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں
ہو میسر جنھیں وہ خدمتِ سرکار کریں
ورنہ مزدوری و محنت سرِ بازار کریں

آبرو اس میں ہے شان اس میں ہے عزت اس میں
فخر اس میں ہے شرف اس میں شرافت اس میں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں
کشت کاری کریں آئینِ فلاحت سیکھیں

گھر سے نکلیں کہیں آدابِ سیاحت سیکھیں
الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخرِ بنی‌اسرائیل
ہم سخن جس سے ہوا طور پہ خود ربِ جلیل
جس نے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل
جس کے خود دست و عصا میں تھی رسالت کی دلیل

گلہ‌بانی کے لیے پایا جو ایماے شعیب
بکریاں اس نے چرانے میں نہ کچھ سمجھا عیب

انبیا پیشے پہ گزران سدا کرتے رہے
اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے رہے
خدمتِ جنس سے نفرت حکما کرتے رہے
حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے

اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا
کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گزر
ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر
جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے دل‌جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانے کے نہ شرمندۂ احسان گئے

ہوں گے **حالی** سے نہ دنیا میں کہیں ہرزہ سرا
خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہ نما

جھکتے جھکتے ہوئی پشت آپ کی خدمت میں دو نا
اس پہ ہے خیر سے آزادہ‌روی کا دعویٰ

بات کہنی وہی زیبا ہے کہ ہو جس میں اثر
ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

★

۳ - مسلمانوں کی تعلیم[1]
(۱۸۸۹ء)

زمانہ دیر سے چلّا رہا ہے اے مسلمانو!
کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو
سنے ہوں گر نہ معنی ''لاتسبوا الدہر[2]'' کے تم نے
تو اب سن لو کہ ہوں میں شانِ ربانی مجھے مانو
وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو
مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو
خبر تم کو بھی ہے کچھ، اے مری چالوں سے بیگانو!
گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیں‌دار دنیا پر
بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو
گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے
بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ، اے تن آسانو!
گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل، مری جانو!

---

۱ - یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے سالانہ اجلاس (منعقدہ دسمبر ۱۸۸۹ء) میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا - (مرتب)

۲ - ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :
لا تسبوا الدھر فان الدھر ھواللہ (یعنی زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ وہ بھی شیون الٰہی میں سے ایک شان ہے) -

مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں
یہ سودا کب تک اے شمعِ سحرگاہی کے پروانو

بھرا سمجھے ہو جس گھر کو نہیں دیّار واں کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو
نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھرجاؤ

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عمل داری
جنھیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ اُن کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری
جہاں علمِ تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری
نہ آئے گی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنھیں پائیں گے آقا زیورِ تعلیم سے عاری
اگر چاہیں گے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہو گا اُن کو امتحانِ علمِ بیطاری
نہ مستغنی بکاول علم سے ہے اب ، نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری
یقیں جانو کہ آئندہ ملے گی درس گاہوں میں
گر آٹا پیسنے کو چاہیے گی اک پسنہاری
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصّادی ، نہ جرّاحی ، نہ کحّالی ، نہ عطّاری

جہاں تک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انسان کا زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر
کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہن گر ، نہ بازی گر ، نہ سوداگر
مہندس چاہیے مزدور اب اور راج اقلیدس
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور
نہ پہنے گا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
بس اب موچی فلاطوں سے یونہی کچھ ہوں توہوں کمتر
جہاں داری میں آج ایک ایک عامل ہے جم و کسریٰ
جہاں گیری میں ہے اک اک سپاہی طغرل و سنجر
گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
برابر تھا بیے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر
یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل ہے اس سے اعلیٰ تر
کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اس کو سمجھیں گے
کہ دو دن آدمی ٹھہرا رہے یاں ایک حالت پر
نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں
دیا ہے امتیاز انساں کو یہ تعلیم نے آ کر
زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام اُن کا مٹادوں گا

ہمارے شکر سے اے قوم! احساں اس کا بالا ہے
کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یاں ڈول ڈالا ہے

خدا کی برکت و رحمت ہو نازل تجھ پہ اے **سیّد**
کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے

فدائی قوم کے تجھ سے ہی گزرے ہوں گے دنیا میں
کہ دلسوزی کا جن کی آج قوموں میں اُجالا ہے

بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے

کریں کیا گر نہ ابنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے
کہ درد دل کی کیفیت سمجھ سے اُن کی بالا ہے

نمونہ کوئی ہمدردیؔ کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
ترے کاموں نے ان کو اس لیے حیرت میں ڈالا ہے

کیا ہے کام جو تو نے نہ ڈر انجام سے اس کے
کہ نیکی کا نشاں قائم خدا خود رکھنے والا ہے

کیا گو تو نے سب کچھ پر بہت کچھ ہے ابھی کرنا
ہے آخر قوم کی تعلیم یا منہ کا نوالا ہے

جسے احباب اک قصرِ رفیع الشان سمجھے ہیں
نہ ہو تو اس کا پشتی‌باں تو اک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُن کے سر سے اُٹھ جائے

ترے احسان رہ رہ کر سدا یاد آئیں گے اُن کو
کریں گے ذکر ہر مجلس میں اور دہرائیں گے اُن کو

تری کوشش پہ تیری زندگی میں جو کہ ہنستے ہیں
نتائج اس کے تیرے بعد خوں رلوائیں گے اُن کو

تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے
زمانے کے حوائج جلد تر شرمائیں گے اُن کو

ترے کاموں کو خود کامی پہ جو محمول کرتے ہیں
دل اُن کے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائیں گے اُن کو

انھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائیں گے اُن کو

بہت مشکل ہے جانی سرد مہری قوم کے دل سے
مگر تیرے ہی دل کے داغ کچھ گرمائیں گے اُن کو

اگر ہیں بھی کہیں کچھ کچھ دبی چنگاریاں باقی
لگائیں گی وہ گھر میں آگ جب سلگائیں گے اُن کو

بہت ہیں مدعی ہمدردیِ اسلام کے لیکن
ٹٹولیں گے انھیں جب یار خالی پائیں گے اُن کو

کبھی تسبیح کو اُن کی ملی فرصت وظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائیں گے اُن کو

ملا گو قوم سے اب تک نہیں اصلا صلہ تجھ کو
نہیں اُمید پر تجھ سے کہ ہو اس کا گلہ تجھ کو

جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے
اُنھوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے

یہ تیری خوش نصیبی ہے کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری تجھ کو دکھایا ہے

بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں لیکن
رہا گلزار ہو کر باغ جو تو نے لگایا ہے

دیا ہے ساتھ بھی تیرا ہزاروں نے دل و جاں سے
اگر دو چار نے کچھ کہہ کے دل تیرا دُکھایا ہے

ادھر پورب سے پچھم تک ادھر اُتر سے دکھن تک
مددگار اپنا جس گوشے میں ڈھونڈا تو نے پایا ہے

اودھ سے سندھ تک کشمیر سے راس کماری تک
دلوں میں تو نے سکہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے
دکن میں تیرے یاور ہیں دوآبے میں ترے ساتھی
ترا مداح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے
خصوصاً وہ مبارک ملک جس نے ہند میں اول
رکاب اسلام کی تھامی اور اس پر سر جھکایا ہے
خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
جنھوں نے ہر سفر میں تجھ کو آنکھوں پر بٹھایا ہے
جنھوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھ کو مانا ہے
تری نصرت میں اخلاصِ مسلمانی دکھایا ہے
نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

ہوئے ہیں سرد دل یاروں کے، تو ڈھارس بندھاتا رہ
اُمیدیں اُن کی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ
ہوا پُروا ہو یا پچھوا، نہ کر تو اس کی کچھ پَروا
لگایا ہے چمن تو نے تو پود اس میں لگاتا رہ
اُمیدیں ہیں بہت وابستہ تیری زندگانی سے
دعائیں قوم کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ
ابھی سیراب کم ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب باقی
سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ
نہیں تعلیم بے علموں کی کم احیائے موتلی سے
جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مُردوں کو جلاتا رہ
زبانیں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہہ کر
تو خاموشی سے اپنی، نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ

فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے
ہر اک شعلے کو آبِ بردباری سے بجھاتا رہ
کیا ہے زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کشتوں نے
سہم گر فتح کرنی ہے تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ
شدائد میں تحمل خاص میراث انبیا کی ہے
جو تو آلِ محمدؐ ہے تو سب صدمے اٹھاتا رہ
کوئی دن اور اس دارالمحن میں رنج سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھ کو زندۂ جاوید رہنا ہے

عزیزو ، حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
پھر ایسا پیر ہے ہم میں، نہ ہے کوئی جواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہوں گے بیچلر اور ماسٹر پیدا[1]
مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
ہو ہم میں قوم کا ہمدرد ، یہ قدرت خدا کی ہے
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں
ہمارے تفرقوں نے کر دیے تحلیل سب اجزا
نہ پاؤ گے کہیں ترکیبِ قومی کا نشاں ہم میں
ابھی اٹھ کر فلاحِ قوم پر کوئی کمر باندھے
ہزاروں اس سے ہو جائیں گے پیدا بدگماں ہم میں
ابھی سن لیں کسی قومی جماعت میں شکررنجی
ہزاروں ہوں گے یہ بد فال سن کر شادماں ہم میں
بن آئے قوم کی خدمت تو کیوں کر ہم سے بن آئے
نہ دوراندیشیاں ہم میں ، نہ خیراندیشیاں ہم میں
اگر بوجھ اس پہیلی کی نہ **سیّد** ہم کو بتلاتا
تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں

---

۱ - مراد بی - اے اور ایم - اے (بیچلر آف آرٹس اور ماسٹر آف آرٹس)

نہ کی **سیّد** کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے
تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بہ منزل کارواں یارو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غم‌خوار و یار اب تک
کرو دھندلا نہ اس رستے کو جو ہے بےغبار اب تک

جماعت کو تمھاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے
تمھارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

تمھاری کوشش اور ہمت کا ہے چرچا زمانے میں
تمھاری خدمتوں کی قوم ہے منت گزار اب تک

جو کام انجام کرنا ہے تو **سیّد** کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اسی پر ہے مدار اب تک

وگرنہ دوستو! سن لو کہ ہے آپس کی ان‌بن کا
وہی انجام جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک

پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطرافِ عالم میں
کھنڈر لاکھوں، ہمارے تفرقوں کی یادگار اب تک

ہزاروں باغ ویراں ہوگئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصلِ بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کردیے بادِ مخالف نے
زمانے کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک

نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر
ہماری گھات میں ہے انقلابِ روزگار اب تک

نظر آتا نہیں یاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درس‌گاہِ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو !
ہٹاؤ حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو!

یہ دارالعلم سدِّ راہِ آسیبِ زماں ہو گا
اسی دارالشفا میں بختِ پیر اپنا جواں ہوگا

نہیں صورت اُبھرنے کی ہمارے کوئی پستی سے
اگر ہوگا اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا

کمی نے کردیا ہے علم کی ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلّہ گراں ہوگا

یہ بیت‌العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ
اسی چشمے سے دیکھو گے تو اک دریا رواں ہوگا

اگر راس آ گئی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھے گا پودا اس زمیں سے آسماں ہوگا

یقیں ہے ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ سے سوا اس کی
ہمارے واسطے دنیا میں یہ باغِ جناں ہوگا

اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
تو ایک اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا

جو حق نے عالمِ اسباب دنیا کو بنایا ہے
تو جو نکلے گا یاں سے کامیاب و کامراں ہوگا

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قوم اُمت میں
اسی کھیتی سے اس میں جنسِ مردم کا سماں ہوگا

بنا اسلام کی کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھا دے گی
نہ ڈھینے دے گا حق اسلام پر گر مہرباں ہوگا

کسوٹی ہے یہ دارالعلم اسلامی اخوت کی
ہم اُس سے بدگماں ہوں گے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یاں آ کے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ‌چیں یارو ؟
برا کہنا گھروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو !

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں ، آ کر یہ چمن دیکھیں
ریاضِ قوم کا فصلِ خزاں میں بانکپن دیکھیں
وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر
وہ آ کر شامِ غربت بہتر از صبحِ وطن دیکھیں
ہوئے ہیں جمع یاں جو نونہال اطراف سے آ کر
بہم سب کو شریکِ شادی و رنج و محن دیکھیں
محبت اُن میں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماں جائے
وطن پوچھیں تو ہند و سند و پنجاب و دکن دیکھیں
اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آ کر
تو ہر طفل و جواں میں حفظِ عیب و حسنِ ظن دیکھیں
تکلف سے بری ایک اک کو دیکھیں اور بناوٹ سے
سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ‌پن دیکھیں
تواضع منعموں کی دیکھیں اور غیرت غریبوں کی
ادب بچوں کا دیکھیں ، نوجوانوں کا چلن دیکھیں
تامل رائے میں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی
لڑائی فیلڈ[1] میں دیکھیں کلب میں یونین[2] دیکھیں
اطاعت سلطنت کی ، احترام اہلِ حکومت کا
وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے رسن دیکھیں
نہ بوآن میں غلامی کی ، نہ بے باکی کی خو ان میں
ادب اور معتدل آزادگی ان کا چلن دیکھیں

---

۱ - فیلڈ (Field) : میدان - مراد کھیل کا میدان -
۲ - یونین (Union) : اتحاد -

زباں سے قیصرِ ہندوستاں کا نام لے کوئی
تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں

سلف پر فخر دیکھیں اور تأسف اپنی حالت پر
لگن اسلام کی اور قوم کی دل میں چبھن دیکھیں

نمازوں کی تقیّد دیکھیں اور روزوں کی پابندی
اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

کلب میں آ کے گر احباب رنگِ انجمن دیکھیں
تو زیبِ کرسیِ صدر اک مجسم یونین دیکھیں

نہ دیکھی ہوں جنھوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں
وہ **بیک** اور اس کے شاگردوں کو مصروفِ سخن دیکھیں

تأسف کرتے ہیں جو ہند کی نااتفاقی پر
کلب میں ہندیوں کے آئیں وہ اور یونین دیکھیں

اگر باور نہ ہو اخلاص سنی اور شیعی کا
بہم شیر و شکر یاں چاریار و پنج‌تن دیکھیں

نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں
وہ آ کر مسلم و ہندو کو یک جان و دو تن دیکھیں

مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی
مسیحی کو مسلمانی قبا زیبِ بدن دیکھیں

مجسم دیکھنی ہو شکلِ مہرِ مادری جن کو
وہ بچوں سے سلوک **آرنلڈ** و **ماریسن** دیکھیں

اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
تو **والس** کا بہ وقتِ درس اندازِ سخن دیکھیں

اگر اسکول میں چاہیں کہ دیکھیں **ہورسٹ** کو آ کر
فرائض میں تمام اوقات اس کے مرتہن دیکھیں

دمِ تدریس دیکھیں **چکرورتی**[1] کو اگر برسوں
نہ پیشانی پہ بل دیکھیں ، نہ ابرو میں شکن دیکھیں

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو **شبلی** سا وحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں

اگر بو جعفرِ طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
تو **عباس ابنِ جعفر** سا محیطِ علم و فن دیکھیں

سخن کوتاہ ، دارالعلم پر ہوں قوم کے نازاں
جو آ کر اس کا ایک اک درِّ مکنوں مِن و عَن دیکھیں

پھر اُن کے بعد گر دیکھیں مربّی اپنے بچوں کا
تو اک بچوں سے بڑھ کر زندہ دل پیرِ کہن دیکھیں

خوشی میں رنج میں صحت میں بیماری میں دکھ سکھ میں
اسے جب آ کے دیکھیں قوم کی دھن میں مگن دیکھیں

رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے
جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں

نہ سمجھیں یہ کہ ہے اس کو ہماری مدح کی پروا
اگر **سید** کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں

محبِ قوم سنتا ہے در و دیوار سے تحسیں
جنھیں باور نہ آئے وہ محبِ قوم بن دیکھیں

ادا **سید** کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا **حالی**

★

۱ - اس بند میں علی گڑھ کالج کے چند اساتذہ کا ذکر آیا ہے - مسٹر تھیوڈوربیک کالج کے پرنسپل اور ہورسٹ ایم - اے - او کالجیٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے - بقیہ اساتذہ میں سے آرنلڈ آستاد فلسفہ ، ماریسن اور والس آستاد انگریزی ، بابو چکرورتی آستاد ریاضیات ، شبلی آستاد فارسی اور مولانا عباس ابن جعفر آستاد دینیات تھے - (مرتب)

۴ - ترکیب بند (''قوم کا متوسط طبقہ'')[1]

(۱۸۹۱ع)

شکر اس نعمت کا یا رب کر سکے کیوں کر زباں
تو نے رکھا ہم کو یاں فقر و غنا کے درمیاں
جب ہوئے بھوکے تو بخشی تو نے نان و نانخورش
پر نہ اتنی معدہ و احشا پہ جو گزرے گراں
جب ہوئے پیاسے تو بخشا آب شیریں اور خنک
پر نہ ایسا ہو صراحی جس کی یاروں سے نہاں
ڈھانکنا چاہا بدن جب تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا جس کو حسرت سے تکیں خورد و کلاں
کھانے پینے کو کیے برتن ہمیں تو نے عطا
پر نہ ایسے ٹوٹنے سے جن کے ہو خوف زیاں
سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
پر نہ ایسا جس سے اٹھنا ہو طبیعت پر گراں
رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے ہو تعلق جن سے مثلِ جسم و جاں

---

۱ - یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے سالانہ اجلاس (منعقدہ ۲۷ تا ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ع) میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا۔ نظم کا عنوان بعد میں تجویز کیا گیا، دیوان میں درج نہیں ہے۔ (مرتب)

''اس نظم میں متوسط درجے کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا کی حالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف ہلپ سے دولت، عزت، نیک نامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کر کے اپنے ہم‌سروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنٰی درجے سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکتے۔ اعلٰی درجے سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس سے تنزل کرنے کا کچھ انسداد نہیں کرتے۔''
(حالی)

آنے جانے کو دیے دو پاؤں یاں تو نے ہمیں
جن سے ڈر لے بھاگنے[1] کا اور نہ گرنے کا گماں

راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگامِ خرام
کوہ سدِّ راہ جن کا اور نہ خندق اور کنواں

کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسی تختِ فرعونی کا ہو جس پر گماں

سیم و زر وقتِ ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا ہو نگہبانی میں جس کی بیمِ جاں

آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
پر نہ ایسی جس سے ہوں محسودِ ابنائے زماں

نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں
تا کہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں

راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد
تا کہ کھو بیٹھیں نہ ہم ان راحتوں کو رایگاں

وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونوں سے بچایا بال بال

الحذر ، اس فقر و ناداری سے سو بار الحذر
لومڑی جاتے ہیں بن جس کی بدولت شیرِ نر

چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیر
ناکسوں کے نازِ بےجا سہتے ہیں اہلِ ہنر

وزن میں علم و فضیلت جن کے ہے ہم سنگِ کوہ
وہ سبک‌تر دانۂ خردل سے آتے ہیں نظر

---

۱ - مطابق دیوان حالی ، طبع اول (صفحہ ۱۸۴) و طبع سوم (صفحہ ۱۵۰) - متداول نسخوں میں ''ڈرنے بھاگنے'' لکھا ہے - (مرتب)

فقروحاجت میں نہ ہو انساں کو جب صبروشکیب
پھر نہیں کوئی برائی فقر و حاجت سے بتر
بھیک منگوائے،جوا کھلوائے، یہ چوری کرائے
پت گنوائے ، آبرو کھوئے ، پھرائے در بدر
ہوسکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی
لے سکے محتاج جورو کی ، نہ بچوں کی خبر
گہ زباں آلودہ اس کی شکوۂ تقدیر سے
اور کبھی بوچھار اس کی آسمانِ پیر پر
گر بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ
ہو نہ سب و شتم سے سیری اسے دو دو پہر
آگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ
کھول دے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر
گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے
تا کہ دولت مند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر
اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
تا کہ ہوجائیں بلند اور پست سب زیر و زبر
بے حلاوت اس کی دنیا اور مذبذب اس کا دیں
خوف‌ناک اس کا ارادہ ، نیت اس کی پرخطر
رات اس کی حسرت‌آگیں اور دن اندوہ‌گیں
شام اس کی پرنحوست اور شوم اس کی سحر
گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا
تھا مگرثروت میں اس سے بھی زیادہ شور و شر
فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت سو اس کے شکر کی طاقت نہیں

———

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال
اس مئے مردآزما کی تھی بہت مشکل سنبھال

نفسِ امّارہ اور اس پر چھیڑ مال و جاہ کی
ڈھیر ہے بارود کا ، دیجے پتنگا جس میں ڈال

بادِ صرصر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
جس طرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال

ہضم کرنا اور پچانا مال و دولت کا ہے بس
نفسِ انساں میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال

ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم
اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال

عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انساں پر حرام
کردیے اس کے لیے سب مال و دولت نے حلال

فقر میں تھا نفسِ دوں واماندہ جس پرواز سے
آکے ثروت نے دیے پر واسطے اس کے نکال

خواہشیں یوں نفس میں اب دم بہ دم بڑھنے لگیں
مغز میں جس طرح دیوانے کے گونا گوں خیال

آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چیونٹیوں میں ایک نے گویا نکالے پر و بال

مسرفِ بےزر ہو جیسے قرض خواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال

جھک پڑی طبعِ دنی گر بخل و خست کی طرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اس کی وبال

اور اگر بھوت اس کے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قاروں کچھ آگے اس کے مال

آ گیا غالب طبیعت پر گر استسقائے حرص
ہے سمندر سے بھی اس کی پیاس کا بجھنا محال

باڑھ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
جس قدر ثروت میں ہے دشوار پاسِ اعتدال

گلشنِ دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر
دیکھ اے روباہِ نفسِ دوں حذر ، ان سے حذر

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنے سے بری

چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
یہ جو ہے برزخ میانِ مکنت و دستِ تہی

فقر و ثروت فی‌المثل ہوں دوزخ و جنّت اگر
مانگتے ہیں ہم حذردوزخ سے اور جنت سے بھی

دخل شیطاں کا ہو جس میں ایسی جنت کو سلام
منزلِ اعراف سو بار ایسی جنت سے بھلی

اس کٹھن منزل میں ہے بٹیا یہی اک بے خطر[1]
ہیں ادھر کھڈ اور چڑھائی ہے اُدھر البرز کی

رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت بین بین
ہیں حسد اور کبر کے امراضِ مہلک سے بری

اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک
دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل‌دہی

سن کے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا فخر و ناز
مل کے چھوٹوں سے بہک جاتا ہے گر خنّا کبھی

۱- مطابق دیوان حالی ، طبع اول (صفحہ ۱۸۷) و طبع سوم (صفحہ ۱۵۲) - متداول نسخوں میں ''پر خطر'' درج ہے - (مرتب)

لذت فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا
اغنیاؔ میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی

جو گزرتی ہے گدا پر اس سے ہیں وہ باخبر
کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گزری ہے یہی

امتحاں دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے
کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اس مے کے بدمستی وہی

اس لیے جب دیکھتے ہیں عسرت ابنائے جنس
جوش ہمدردی سے بےکل اُن کا ہوؔ جاتا ہے جی

اور نہیں کرتے زبانِ طعن بے دردی سے وا
جب کہ سنتے ہیں کسی منعم کی از خود رفتگی

مست کی بے اختیاری ، تشنگی مخمور کی
واردات اک ایک کی ہے سربسر اُن پر کھلی

جنت اور دوزخ ہے سب اعرافیوں پر جلوہ گر
گندم اور زقوم دونوں ان کے ہیں پیشِ نظر

دل توانا اور قوی یاروں کی ہمت اُن سے ہے
منتظم ہر قوم و ملت کی جماعت اُن سے ہے

مشکلیں اکثر انھی سے قوم کی ہوتی ہیں حل
بھائیوں کے بازوؤں میں زور و طاقت اُن سے ہے

ہے انھی کے دم سے جو ہے گرمی ہنگامہ آج
ساری قومی مجلسوں کی زیب و زینت اُن سے ہے

ہے جہاں دولت ، یہی ہیں نظمِ دولت کے کفیل
ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برؔکت اُن سے ہے

ہاتھ میں ان کے ہیں جتنے عقل و دانش کے ہیں کام
عقل و دانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت اُن سے ہے

ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے مشیر
شاہ ہوں یا ہوں گدا دونوں کو قوت اُن سے ہے

آدمیت سیکھتے ہیں ان سے سب چھوٹے بڑے
نوعِ انساں میں بقائے آدمیت ان سے ہے

یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یاں
رونقِ بازارِ جنسِ علم و حکمت ان سے ہے

پاؤگے ان میں طبیب ان میں ادیب ان میں خطیب
ہے اگر انساں کو حیواں پر فضیلت ان سے ہے

پاؤگے ان میں مہندس ، پاؤ گے ان میں حکیم
آدمی مصداقِ رحمانی خلافت ان سے ہے

کرتے ہیں اخلاق ادنٰی اور اعلٰی ان سے اخذ
آدمی سب ہیں مگر انساں عبارت اُن سے ہے

ان میں قوموں کے ہیں مصلح ان میں ملکوں کے وکیل
آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت اُن سے ہے

پھونکتے ہیں روحِ قومیت یہی افراد میں
ہے جہاں قوموں میں یک رنگی و وحدت ان سے ہے

دم سے ہے وابستہ ان کے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

گر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
ہیں مفاسد گرد و پیش ان کے فراہم سربسر

کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زباں
ہے انہیں بھی شر سے یاں بچ بچ کے رہنا عمر بھر

گھاٹیاں فقر و غنا کی ان کے ہیں دونوں طرف
اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر

ایک جانب پستیِ فطرت ہے اور دوں ہمتی
ایک جانب سستیِ و غفلت ہے اور کبر و بطر
جھک پڑے گر اس طرف تو مفت کھو بیٹھے انھیں
وہ جو اڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال و پر
ڈھل گئے گر اس طرف تو اس بلا میں پھنس گئے
جس میں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر
برکتیں اللہ کی اس قوم پر جس قوم میں
رہ سپر یہ طبقۂ والا ہو سیدھی راہ پر
ہیں معطل اغنیا اور بے نوا کوتاہ دست
سب کی پڑتی ہے انھی کے دست و بازو پر نظر
جو قویٰ ان کو ملے ہیں کام میں لائیں انھیں
تاکہ زندوں کی طرح ہو زندگی ان کی بسر
فرض ہیں جو ان کے ذمے خالق اور مخلوق کے
ان میں سرگرداں رہیں دیوانہ وار آٹھوں پہر
قوم ہو گر ناتواں تو تقویت بخشیں اسے
کیونکہ اس کے ضعف سے ہے ان کی قوت کو ضرر
گو نجات انساں کو مکروہاتِ دنیا سے نہیں
جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہے ، مگر
کام دنیا میں سنوارے ہیں جنھوں نے قوم کے
تھے نکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام
اور دائیں سے مہمیں قوم کی کرتے تھے سر
جس طرح اس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

———

قوم کو ہے آس جس کی وہ جماعت ہے یہی
جس سے جاں آتی ہے مُردوں میں وہ طاقت ہے یہی

اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
رائی کو کرتی ہے جو پربت وہ قوت ہے یہی

مال و دولت نامبارک ہے نہ ہو گر اتفاق
قوم جس دولت کی بھوکی ہے وہ دولت ہے یہی

یاں و کیل ایک اک ہے شہر اور ملک کا قائم مقام
دانے کو کرتی ہے جو خرمن ، وہ برکت ہے یہی

رایگاں جائے گا یاروں کا نہ یہ رنجِ سفر
راحتیں جس کی طفیلی ہیں وہ زحمت ہے یہی

فرد فرد آتے ہیں جو جاتے ہیں یاں سے مجتمع
ملتے ہیں جس کی بدولت دل وہ ملت ہے یہی

تم ہمارے کام آؤ ، ہم تمھارے آئیں کام[1]
جس سے کل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی

قوم کی خدمت میں ہے مضمر ربوبیت کی شان
جو کہ بجواتی ہے خادم کو وہ خدمت ہے یہی

قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
ملک میں عزت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی

سال بھر رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار
جو کبھی برہم نہیں ہوتی وہ صحبت ہے یہی

کر رہا ہے قوم کے سرکل[2] کو یہ مجمع وسیع
جزر سے افزوں ہے مد جس کا وہ رجعت ہے یہی

۱- مطابق طبع اول (صفحہ ۱۸۹) - طبع سوم (صفحہ ۱۵۵) اور متداول نسخوں میں ''کام آئیں'' چھپا ہے -

۲- Circle : دائرہ -

اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
ڈر نہیں اس کا کہ خود قانون قدرت ہے یہی
ہے کبھی افراطِ باراں اور کبھی ہے قحطِ آب
طینت عالم میں خاصیت ودیعت ہے یہی
کال ہے گر اس برس تو ہے سماں اگلے برس
جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلت ہے یہی
دیگ تو پکنی ہے یہ پکے گی دھیمی آنچ میں
کچھ ابال آیا تو ہے اس میں غنیمت ہے یہی
انجمن ہے قوم کی ہنگامۂ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ روما کی آبادی نہیں[1]

★

۵ - ترکیب بند (''جشن قومی'')[2]

(۱۸۹۲ع)

یہ خاک، آج جس پر ہیں جمع اہل آرا
یاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
اس باغ میں بہاریں جو جو گزر چکی ہیں
آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشنِ فتح تھا یاں، ہے آج جشنِ شادی
ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج سمہاں خاقاں ہیں اور سلاطیں
اصطخر ہے کہ دلی، بلبن ہے یا کہ دارا

۱- ترجمہ انگریزی ضرب المثل : Rome was not built in a day

۲ - یہ نظم، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں سالانہ اجلاس میں بمقام دہلی پڑھی گئی - دیوان میں نظم کا عنوان درج نہیں - موضوع کی مناسبت سے یہ عنوان مرتب نے تجویز کیا ہے - (مرتب)

فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد
دولھا بنا ہوا ہے تزئیں سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل
بہرِ مدافعت ہے میدان میں صف آرا
مغلوں کے اڑ رہے ہیں کل جشنِ فتح و نصرت
تیمور سے زمانہ ہے بر سرِ مدارا
آتا ہے آج بابرؔ لودی پہ فتح پا کر
ہیں شوقِ شاہِ نو میں پیر و جواں خود آرا
کل سوریوں میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے
مغلوں کا آ رہا ہے گردش میں کچھ ستارا
ہے جشنِ فتح پھر آج چغتائیوں میں برپا
اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
جس دھوم سے ہے گھر گھر جشنِ جلوسِ اکبر
ہے گرد اس کے آگے جشن قباد و دارا
شاہِ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا
تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارا
تیاری اس خوشی میں جشنِ عظیم کی ہے
گویا کہ ہے جہاں میں جشنِ سدہ[1] دوبارا
اطرافِ ہند سے ہیں اعیانِ ملک آئے
پا کرؔ حضورِ شہ سے سب جشن کا اشارا
ارکانِ سلطنت ہیں سب پائے تخت حاضر
بالائے تختِ طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

---

۱ - ''سدہ آگ کو کہتے ہیں - جشن سدہ وہ جشن ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اول جمشید نے پتھر میں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا -''
(حاشیہ ، دیوان حالی ، طبع اول)

وہ جشن کرنے والے گو خاک میں نہاں ہیں
پر جشن اُن کے اب تک سب زیبِ داستاں ہیں

اے خاک پاکِ دہلی ! اے تخت گاہ شاہاں!
پیش نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں
ہنگامے اس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہر سو
پر کوئی جشنِ قومی آتا نہیں نظر یاں
تقریبِ جشن جس میں ہو کچھ نہ جز اخوّت
ملکوں سے جمع آ کر جس میں ہوئے ہوں اخواں
پائین و صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت
خورد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
جن کو نہ ہو بلاوا حاکم کا اور نہ قدغن
لایا ہو کھینچ کر دل ان کو ، نہ حکم سلطاں
خادم ہوں جس قدر واں مخدوم قوم کے ہوں
مخدوم جتنے ہوں واں سب قوم پر ہوں قرباں
خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ واں تواضع
ہوں خود ہی میزباں وہ اور خود ہی ہوں وہ مہماں
ٹھہرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میرِ مجلس
چاہیں جنھیں بنائیں وہ آپ میرِ ساماں
آئے ہوں اس غرض سے سب مل کے تا کہ سوچیں
دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلماں
ہندوستاں میں کیوں کر باقی رہے نشانی
اس قوم کی کہ تھا کل جن کے وہ زیرِ فرماں
نکلیں تو کیوں کہ نکلیں ذلت سے وہ گھرانے
اعزاز نے تھا باندھا جن کے بڑوں سے پیماں

ان مدرسوں کا کیوں کر جاری رہے افاضہ
جن کے سبب ہے زندہ نامِ حدیث و قرآں

جو مسجدیں ہیں بہرِ ذکرِ خدائے واحد
محفوظ حادثوں سے کیوں کر ہوں ان کے ارکاں

جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ سر پر
اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرضِ انساں

اے شہنشینِ اسلام ، اے معدنِ سلاطیں
اے پائے تختِ سادات ، اے دارِ ملکِ مغلاں

تو جشن گاہِ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے ؟

شاہوں کے جشن تھے وہ ، یہ جشن قوم کا ہے
شوکت میں وہ بڑے تھے، عظمت میں یہ بڑا ہے

دولت کے تھے وہ جلوے ، ملت کا ہے یہ نقشہ
کاغذ کی تھیں وہ ناویں ، بیڑا یہ نوح[۴] کا ہے

بے روح تھے وہ قالب ، ہے اس میں روحِ خویشی
موجِ سراب تھے وہ ، یہ چشمۂ بقا ہے

میلے نہ وہ بچھڑتے روح ان میں گر یہ ہوتی
رہتا ہے آندھیوں میں روشن ، یہ وہ دیا ہے

وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر
اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے

بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا
یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایۂ ہما ہے

گم گشتہ بخت جس کو پھرتے ہیں ڈھونڈھتے ہم
لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا یہیں پتا ہے

وہ مشکلیں کریں گے اب حل ہمی تمھی کچھ
جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے

ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجمن کے
معذور ہیں وہ اُن سے شکوہ نہ کچھ گلہ ہے

فوجِ کمک کو اکثر سمجھا ہے فوج دشمن
حملہ کمک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے

نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہے جب دن
انساں سے یہ ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے

قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہوگی ہم کو
اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے

ہوتی ہے قدر ان کی بنتی ہے جان پر جب
لاتے ہیں تب یہ ناویں جب بیڑا ڈوبتا ہے

گو سب جہاز والے خطرے سے بے خبر ہیں
پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفاتِ بحر سے ہیں نا واقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر، روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصل گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں
پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ‌خواں ہیں

طاؤس و کبک خوش‌خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں

غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی
بے فکر و بے خبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں

اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
رستہ کدھر ہے ان کا اور جا رہے کہاں ہیں

فضل و کمال ان کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی ، اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کرلو نوجوانو ، اٹھتی جوانیاں ہیں

تم سے تھمے تو تھامو عزت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یاں ہیں

اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے
رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں

خدمت میں ان کی **حالی** کہتا ہے یہ ادب سے
اس وقت رونق افزا یاں جتنے مہرباں ہیں

دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سب عیاں ہیں

عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک
قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں

گھڑیال اور مگرمچھ ، ہیں ان کو نگلے جاتے
دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں

سنبھلو ، وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا
بھیل اور گونڈ جیسے گم نام و بے نشاں ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روز بد دکھائیں
دھندلے سے کچھ نشاں ہیں ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں

★

٦ - صدائے گدایان قوم[1]

ڈھونڈھنے خضرِ مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم

ڈر ہے جو خوش دل ہیں وہ سن کر نہ ہوں پژمردہ دل
سخت عبرت خیز لے کر داستاں آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لے کے اس کا مژدۂ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم[2]

علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے[3]
آج اس در پر اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم

---

۱ - ڈاکٹر شجاعت علی نے اس نظم کا سنہ تصنیف ۱۹۰۱ء بیان کیا ہے - (''حالی بحیثیت شاعر''، صفحہ ٦٠) - ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے بھی ۱۹۰۱ء کی تصانیف کے ضمن میں اس نظم کا ذکر کیا ہے - (حالی کا ذہنی ارتقا، صفحہ ۱۹۴) لیکن یہ نظم دیوان حالی، طبع اول (مطبوعہ ۱۸۹۳ء، صفحہ ۲۰۹) میں موجود ہے - فاضل محققین کو اس لیے تسامح ہوا کہ ''گدایان قوم'' کے عنوان سے ٦٥ اشعار کی ایک مثنوی حالی نے ۱۹۰۱ء میں لکھی تھی - چنانچہ یہ دونوں نظمیں ایک ہی جماعت ''گدایان قوم'' سے منسوب کی گئیں - حالانکہ دوسری نظم کا کوئی تعلق پنجاب کی اُس ''اسلامی انجمن'' سے نہیں ہے جس کے لیے ''صدائے گدایان قوم'' لکھی گئی - (ملاحظہ ہو حاشیہ ''گدایان قوم''، کلیات ہذا صفحہ ۲۵۵)

مولانا حالی اس نظم کے حاشیے میں لکھتے ہیں: ''پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لوگوں نے جنھوں نے اپنی جماعت کا نام 'گدایان قوم' رکھا ہے، ریاست بہاول پور کے لوگوں سے چندہ وصول کرنے کے لیے جانے کا ارادہ کیا تھا - اُن کا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا لیکن غالباً جانا نہیں ہوا -''

۲ - دیوان کے ہر نسخے میں یہ مصرع اسی طرح ہے لیکن لفظ ''مژدہ'' محل نظر ہے -

۳ - ''چونکہ رئیس بہاول پور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی، اس لیے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا -'' (حالی)

قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
جستجو میں اس کی مشعل لے کے یاں آئے ہیں ہم
تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
اس لیے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
خودغرض ٹھہرائیں یا مکار ہم کو یا گدا
ذلتیں یہ کرکے سب خاطرنشاں آئے ہیں ہم
فخر سب بے جا ہیں اُن کے ، قوم ہے جن کی ذلیل
فخر و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم
ہے بنی ہاشم کی مہماں پروری ضرب المثل
اس لیے یاں بن بلائے میہماں آئے ہیں ہم
تشنگی اپنی بجھانی ہو گی اے آب حیات!
لے کے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

★

۷ - حاضرینِ کانفرنس سے خطاب

اے خاصگانِ ملت و اے یاورانِ قوم!
اے زمرۂ معارف و اے طبقۂ کرام!
بندھتی ہے بہتری کی تمھیں دیکھ کر اُمید
ورنہ دلوں پہ چھائی ہیں مایوسیاں تمام
تم آ کے مردہ قوم میں دیتے ہو جان ڈال
ورنہ تمام اس کا بس اب ہو چکا ہے کام
قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چار دن
پھر سال بھر وہی غم و اندوہ صبح و شام
جس جوش میں کہ آتے ہو یاں دور دور سے
گر سال بھر رہے یونہی اس جوش کو قیام
پھرجائیں دن یقیں ہے بہت جلد قوم کے
پاجائیں جلد قوم کے سب زخم التیام

دعوے یہ حبِ قوم کے سب بے دلیل ہیں
جب تک نہ کر کے ہاتھ سے دکھلاؤ کوئی کام

میلہ نہ سمجھو، جلسۂ قومی ہے دوستو
آنا ہے دل لگی کی غرض سے جہاں حرام

سیّد کو دو سہارا کہ غفلت سے قوم کی
اب تک پڑے ہیں کام بہت اس کے ناتمام

سر اپنے دھر لیا ہے اُسے ایک فرد نے
ہے یارو چھے کروڑ کے کرنے کا جو کہ کام

انصاف سے بعید ہے ساتھ اس کا چھوڑنا
گھلتا تمھاری فکر میں ہے جو کہ صبح و شام

خواہش ہے جس کی یہ کہ ہو دنیا میں تم عزیز
جو چاہتا ہے یہ کہ رہو تم بہ احترام

عزت تمھاری دیکھ کے بڑھتا ہے جس کا خوں
جو تم کو شاد دیکھ کے ہوتا ہے شاد کام

خدمت میں قوم کی جسے ''کافر'' لقب ملا
پشتی میں پایا دین کی ''بے دین'' جس نے نام

پر سر سے اُس کے قوم کا سودا نہ کم ہوا
سب کچھ سنا پہ کام کا چھوڑا نہ التزام

بڑھتا گیا دم اُس کا ہوئی جس قدر لتاڑ
کوڑے تھے حق میں اس کے وہ سب طعنہ و ملام

ہے اک چراغِ آخرِ شب ٹمٹما رہا
یہ بجھ گیا تو بزم ہے تاریک پھر تمام

ایسا نمونہ جب کہ ہو آنکھوں کے سامنے
پھر حیف ہے کہ ہو نہ سکے تم سے کوئی کام

کرنا ہے کچھ تو کر لو کہ باقی ہے وقت ابھی
پھر آگے دانت پیسنے کے دن ہیں ، والسلام

★

۸ - علی گڑھ کالج کیا سکھاتا ہے؟

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بل چلنا سکھاتا ہے
سہارا غیر کا چھوڑیں یہ ایک اک کو سجھاتا ہے
نہ چھوڑیں دین کا دامن ، رہیں دنیا میں عزت سے
سبق سب قوم کے بچوں کو یہ دونوں پڑھاتا ہے
نہیں پاتا کبھی عزت کی خواہش سے کوئی عزت
معزز کس طرح بنتے ہیں؟ گُر اُس کے بتاتا ہے
خدا نے کر دیا ہے حکمراں جس قوم کو ہم پر
خلوص اور دوستی اُس قوم کی دل میں بٹھاتا ہے
رعیت کو برابر حق دیے ہیں جو حکومت نے
طلب سے پہلے اُن کا مستحق بننا بتاتا ہے
زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گزارا ہے
ڈرانی صورتوں میں بار بار اس کو دکھاتا ہے
یہ باہم مذہبی فرقوں کو ہے شیر و شکر کرتا
یہ روٹھوں کو مناتا ہے ، یہ بچھڑوں کو ملاتا ہے
کھلاتا ہے یہ کھانا ایک دستر خوان پر سب کو
نمازیں پنجگانہ ایک مسجد میں پڑھاتا ہے
وفا کا بیج بوتا ہے ، تعصب دل سے کھوتا ہے
مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ[1] بننا یہ سکھاتا ہے
نہ چھوڑے گا یہ باقی قوم میں دیکھے گا جو خامی
خدا کی برکتیں اُن پر جو اس کالج کے ہیں حامی

★

---

۱ - Good Subject : اچھی رعایا -

۹ - شکریۂ حضور نظام

یہ اک میدان تھا سنسان ، وحشت جس پہ تھی چھائی
نہ سایہ تھا درختوں کا ، نہ یہ پانی کی سرسائی

مکیں ہوتا اگر کوئی تو یاں کوئی مکاں ہوتا
پڑے تھے کچھ کھنڈر ، جن پر جمی تھی چابجا کائی

خبر کس کو تھی برپا ہوگا اک دارالعلوم اس جا
زمیں پر جس کو حیرت سے تکے گا چرخِ مینائی

جسے دیکھیں گے اعیان و ملوک آ کر تمنا سے
جہاں آفاق سے سیکھیں گے آ کر علم و دانائی

یہ تھی اُمید کس کو پر خدا نے اپنی قدرت کا
دیا جلوہ دکھا ، ہے جس کا اک عالم تماشائی

نہ تھی خود قوم راضی اور مخالف اک زمانہ تھا
گھٹا مایوسیوں کی بانیوں کے دل پہ تھی چھائی

مگر **سید** کے استقلال نے منوا دیا سب کو
کہ پربت ہو تو ہو جاتا ہے استقلال سے رائی

رعیت نے مدد کی سلطنت نے سرپرستی کی
بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم پچھتائی

مگر سچ پوچھیے تو قالبِ بے روح تھا کالج
نہ کی ہوتی اگر سرکارِ عالی نے مسیحائی

جب آئی پیش مشکل ، جب پڑا کالج پہ وقت آ کر
مدد پر کی مدد ، امداد پر امداد فرمائی

رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشاں جب تک
رہیں گے شکرِ **آصف جاہ** میں رطب‌اللساں تب تک

★

۱۰ - شکریہ' والیِ رام پور'
(۱۹۰۰ع)

صاحبو! سمجھو نہ اس جلسے کو ہرگز سرسری
ہیں مرادیں اور اُمیدیں کوٹ کوٹ اس میں بھری

جب تک اس جھاڑو کی سینکوں کا کوئی بندھن نہ تھا
جہل سے لڑنے کو تھی اک فوج لیکن بے سری

اہلِ ملک و جاہ جو ہیں قوم کی اُمیدگاہ
سب نظر آتے تھے ہمدردی کی تہمت سے بری

دور ہی دور ابرِ دریا دل برستا تھا سدا
قوم کی کھیتی نظر آتی نہ تھی ہوتی ہری

---

۱ - یہ نظم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں اجلاس (منعقدہ رام پور، دسمبر ۱۹۰۰ع) کے لیے لکھی گئی تھی - ڈاکٹر شجاعت علی نے اس کا سنہ تصنیف ۱۹۰۱ع بیان کیا ہے (حالی بحیثیت شاعر - صفحہ ۹۰) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے بھی یہی سنہ درج فرمایا ہے - (حالی کا ذہنی ارتقا، صفحہ ۱۹۷) لیکن ایجوکیشنل کانفرنس کا مذکورۂ بالا اجلاس ۲۷ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۰۰ع کو رام پور میں منعقد ہوا تھا - (ملاحظہ ہو روداد مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بابت چودھواں اجلاس ۱۹۰۰ع - مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ) - یہ نظم سب سے پہلے رسالہ معارف، پانی پت، بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۰ع (جلد: ۳ شمارہ: ۶) میں شائع ہوئی تھی - مولوی سلیم پانی پتی (مدیر معارف) اس نظم کے تعارفی نوٹ میں لکھتے ہیں: ''یہ وہ بے نظیر اور فصیح و بلیغ نظم ہے جو ہماری قوم کے ملک‌الشعرا مولانا خواجہ الطاف حسین حالی نے رام پور کی کانفرنس کے لیے تیار کی تھی مگر کسی وجہ سے نا تمام رہ گئی تھی - کانفرنس کے آخری دن یعنی ۳۰ دسمبر ۱۹۰۰ع کو عالم باغ میں جو ایوننگ پارٹی ہزہائینس نواب صاحب والیِ ریاست رام پور کی طرف سے ممبران کانفرنس کو دی گئی تھی، اس میں حاضرین جلسہ کے بے حد اصرار کرنے سے مولانا نے یہ نظم نا تمام پڑھ دی تھی۔۔۔'' (رسالہ معارف، بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۰ع، صفحہ ۱۶۱)

سر میں کچھ سودا تھا جن کے قوم کی تعلیم کا
تھیں فقط دینے کو ان کے پاس اسپیچیں نری
گو فصاحت اور بلاغت ان کی تھی ضرب المثل
گو کہ اسپیچیں تھیں اُن کی سربسر جادو بھری
سننے والوں پر مگر چلتا نہ تھا اُن کا فسوں
کوئی کافر جانتا تھا اُن کو، کوئی نیچری
قوم کی تعلیم کا عقدہ تھا لاینحل ہوا
پیش جاتی تھی نہ کچھ تدبیر کی کاریگری
جان و دل ہزہائینس **حامد علی خاں** پر نثار
جو ہوا ہے اک متاعِ کس مخر کا مشتری
آج سے وہ سب مسلمانوں کے سر کا تاج ہے
دے رہی ہے یہ شہادت قوم کی مجلس بھری
جان لی ہے قوم کی اُس نے اگر درماندگی
مان لی ہے قوم نے بھی دل سے اس کی سروری
پہلے سر جھکتے تھے در پر اس کے، اب دل جھک گئے
شہریاری ہے وہی جس میں ہو شانِ دلبری
ایسے کچھ خوش خوش نظر آتے ہیں آج افراد قوم
مل گئی گویا سلیماں کی انھیں انگشتری
آج کا جلسہ ہے حق میں قوم کے اک نیک فال
موجزن جس دل میں دیکھو ہے اُمیدِ بہتری
اتفاق اور ایسے پیش آجائیں گر دو چار اب
قوم کی تعلیم کا ہوتا ہے بیڑا پار اب

لی ہے کروٹ ایک مدت سے زمانے نے بدل
راس تھا اگلوں کو جو موسم، گیا کب کا نکل

جو تمدن کی عمارت تھے ، گئے اسلاف چھوڑ
آ گیا ہے اس کی بنیادوں میں سر تا سر خلل
کام کے ہیں اب نہ دنیا میں ہنر اُن کے ، نہ فن
اور بکار آمد زمانے میں ہے کس اُن کا نہ بل
ہیں نئی رسمیں ، نئے آئیں ، نئی ہے چال ڈھال
اور نئے علم و ہنر کا ہے جدھر دیکھو عمل
ہے نئی گویا زمیں ، ہے آسماں گویا نیا
کینچلی گویا کہ لی ہے زالِ دنیا نے بدل
بڑھ رہے ہیں جو ہوا کا رخ ہیں یاں پہچانتے
مل رہے ہیں اپنی دور اندیشیوں کے ان کو پھل
مٹ رہے ہیں جو ہیں اپنی آن پر مچلے ہوئے
آج گزری خیریت سے تو نہیں خیر ان کی کل
ساتھ انھیں دینا پڑے گا یاں زمانے کا ضرور
ورنہ رہنا ہوگا دنیا میں بحالِ مبتذل
زندگی ہے قوم کی اب منحصر تعلیم پر
ورنہ سن لو قوم کی[1] نزدیک آ پہنچی اجل
سلطنت ہو یا ریاست ، قوم ہو یا خاندان
جو نہیں تعلیم پر مائل ، وہ سب جائیں سنبھل
جس کو کہتے ہیں زمانہ ، ہے وہ شانِ کبریا
اُس کے وعدے ہیں اٹل ، اس کی وعیدیں ہیں اٹل
جو چلے منزل گہِ دنیا میں چال اس کے خلاف
رفتہ رفتہ اس کی چالوں نے دیا ان کو کچل
ہاتھ ملتی ہیں وہ قومیں اپنی نادانی پہ آج
ہاتھ سے جن کے گیا ، تعلیم کا پہلو نکل

---

۱ ''قوم کے نزدیک'' : معارف ، دسمبر ۱۹۰۰ع صفحہ ۱۶۳۔

جب یہ حالت ہے تو بتلاؤ کہ کیا کرنا ہے اب
ملک میں عزت سے جینا ہے کہ بس مرنا ہے اب

یاد ہے اے **رام‌پور** اپنا تجھے عہدِ کہن
جب کہ تھا ایک اک جواں یاں رشک گیو و تہمتن
خاک سے سانونت اُگتے تھے تری اور سورما
تیری یہ بانسی نہ تھی گویا کہ تھا شیروں کا بن
معرکوں سے اُن کے رنگیں ہیں ورق تاریخ کے
یاد سے جن کو بھلا سکتا نہیں طول زمن
پر وہ اب دم خم رہا تجھ میں، نہ وہ کس بل رہا
کر دیے گردش نے دوراں کی نشے سارے ہرن
ملک سے رخصت ہوئے دن جنگ اور پیکار کے
لے لیا فتنوں سے ہجرت کا زمانے نے بچن
شیر بکری آج کل پیتے ہیں پانی ایک گھاٹ
چین سے ہیں پاؤں سب پھیلا کے سوتے مرد و زن
عام ہے اس عہدِ فرّخ فال میں امن و اماں
شرق سے تا غرب اور اَتّر سے لے کر تا دکن
پر دلیروں کے لیے میدان خالی ہیں بہت
گر سلف کا اُن کے دل گردوں میں کچھ باقی ہے کن
اک قوی دشمن کا ہے درپیش اُن کو سامنا
جس کی روندن میں ہزاروں ہو گئے ویراں چمن
روک دی دریا کی رو حملے سے جو اُس کے بچا
کردیا پربت کو رائی جس نے جیتا اُس سے رن
نام ہے اس کا تعصب اور جہالت ہے لقب
کج روی کا ہے وہ رہبر، راستی کا راہ زن

یہ وہ دشمن ہے کہ غالب آ گیا جس قوم پر
ہو گئی وہ قوم آنکھوں دیکھتے زیر و زبر

سہل مت سمجھو تعصب کو بری ہے یہ بلا
کردیا ہے اس نے قوموں اور گھرانوں کو فنا
حکم ہے اس کا کہ فاقہ ہے تو فاقے میں مرو
اور جو ذلت ہے تو ذلت پر رہو قانع سدا
حکم ہے اس کا کہ کوئی قوم جس حالت میں ہے
بس وہی ہے اس کی عزت اور شرف کی انتہا
باپ دادا جو گئے ہیں چھوڑ یاں رسم و رواج
ناخلف ہے ایک انچ اُس سے اگر آگے بڑھا
آدم و **حوا** نے گر پتوں سے ڈھانکا تھا بدن
نسل میں اُن کی وہی پوشش رہے جاری سدا
نوح کی کشتی میں تختے تھے اگر ان گھڑ لگے
ہوں جہاز اب بھی اسی کینڈے کے بے چون و چرا
آدمی کا گھر ہو ایسا ہی پرانی چال کا
لومڑی کا جیسے بھٹ ہے اور بئے کا گھونسلا
ایک کا نام آدمی ہو، ایک کا ہو جانور
آدمی اور جانور میں ہو نہ فرق اس کے سوا
باپ دادا کے لیے بیٹھے ہو کیا رسم و رواج
وہ گئے اور دم کے ساتھ اُن کا دمامہ بھی گیا
دیکھو تم گرتے چلے جاتے ہو پستی کی طرف
آگے آتا ہے گڑھا، بعد اس کے ہے تحت الثریٰ
گر کرو زیر ایسے دشمن کو تو ہے مردانگی
جو ابھرنے کی نہیں دیتا تمھیں پروانگی

★

۱۱ - گدایانِ قوم[1]

(۱۹۰۱ع)

جن کو ہے حب‌الوطنی کا خیال
بحث میں لاتے ہیں یہ اکثر سوال
مانگتے پھرتے ہیں جو اکثر گدا
دینا ہے کچھ ان کو بھلا یا برا ؟
فرقہ ہے ''کنسرویٹو''[2] اُن میں جو ایک
کہتا ہے دینا ہے بہرحال نیک
مانگنے کی گو کہ ہے عادت بری
اس سے بھی ہے بخل کی خصلت بری
رد نہ سوالِ فقرا کیجیے
جان بھی مانگیں تو فدا کیجیے
داد و دہش کے ہیں نتائج بڑے
اہلِ سخا کے ہیں مدارج بڑے
خیر کے کام آج جنھوں نے کیے
کوثر و جنت ہے کل اُن کے لیے
اُن کے لیے وقف ہے دارالسلام
اُن کا ہے فردوس میں اعلیٰ مقام

---

۱ - ڈاکٹر شجاعت علی ، حالی کی نظم ''صدائے گدایان قوم'' اور ''گدایان قوم'' کے بارے میں لکھتے ہیں : ''یہ دونوں نظمیں مولانا نے پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی جماعت گدایان قوم کے لیے لکھی تھیں ۔'' (حالی بحیثیت شاعر - صفحہ ۹۰) لیکن یہ نظم پنجاب کی اسلامی انجمن (حمایت اسلام) کی جماعت ''گدایان قوم'' سے متعلق نہیں بلکہ ۱۹۰۱ع میں مدرسۂ طبیہ دہلی کا ایک وفد علی گڑھ آیا تھا ، اسی سلسلے میں ایک جلسے کے لیے یہ نظم لکھی گئی تھی - چنانچہ نظم کے آخری حصے میں طب یونانی کے فروغ کی ترغیب دی گئی ہے - (مرتب)

۲ - Conservative : قدامت پسند ۔

پر ''لبرل''[1] کی ہے خلاف اُن کے رائے
جس میں بہ ظاہر نہیں حجت کی جائے

کہتے ہیں وہ ، دیتے ہیں سائل کو جو
دونوں جہاں سے اُسے دیتے ہیں کھو

رہتا ہے دنیا کا ، نہ وہ دین کا
شرع کا پابند ، نہ آئین کا

اس کو نہ غیرت ، نہ حمیّت ہے کچھ
اور نہ ڈھٹائی سے ندامت ہے کچھ

قوتیں جو اس کو ہوئی تھیں عطا
سب کو دیا خاک میں اُس نے ملا

جانتا ہے مانگنے کو ہے زباں
''دت'' کی صدا سننے کی خاطر ہیں کاں

سونگھنے کو ناک ہے بوے طعام
دیکھنے کو آنکھ ہے خوانِ کرام

پاؤں ہیں پھرنے کے لیے در بدر
جوڑنے کو ہاتھ ہیں پیشِ بشر

دیتے ہیں جو بھیک انھیں صبح و شام
وہ کوئی نیکی کا نہیں کرتے کام

جو کہ سوال اُن کا نہیں کرتے رد
ملک میں پھیلاتے ہیں اخلاقِ بد

مانگنا خود اُن کو سکھاتے ہیں وہ
حوصلہ دے دے کے بڑھاتے ہیں وہ

بعضوں کو اس بات میں یاں تک ہے کد
رو کیے قانون سے یہ رسمِ بد

---

۱ - Liberal : آزاد خیال -

کیجیے سرکار سے فریاد و داد
تا کہ کرے مانگنے کا انسداد

ایسا وہ قانون بنائے کوئی
بھیک نہ پھر مانگنے پائے کوئی

ہے لبرل کی یہی کوشش اگر
لائے گی آخر کو یہ کوشش ثمر

ایک دن ایسا بھی ضرور آئے گا
مانگنا اک جرم ٹھہر جائے گا

مانگتے پھرتے ہیں جو اب در بدر
آئے گی پرچھائیں نہ اُن کی نظر

ہے مگر اک فرقہ سوا ان کے اور
مانگنے کے جن کے نرالے ہیں طور

جتنے بھکاری کہ ہیں نزدیک و دور
کان پکڑتے ہیں سب اُن کے حضور

چور رہیں اُن سے اچھوتے، نہ شاہ
مانگتا ہے اُن سے زمانہ پناہ

مل کے صدا سارے لگاتے ہیں جب
اُنگلیاں دے لیتے ہیں کانوں میں سب

وضع اگر دیکھیے تو سربسر
آتے ہیں خاصے بھلے مانس نظر

شکلیں ثقہ ، داڑھیاں اکثر سفید
باتیں مؤثر کہ کریں دل میں چھید

ہے کوئی شمس العلماء ، کوئی سر
خان بہادر ہے ، کوئی ڈاکٹر

ملک کا مشہور ہے محسن کوئی[1]
کوئی مسن ہے تو ہے کم سن کوئی
ہے کوئی شاعر تو ہے کوئی حکیم
رکھتا ہے دیکھو جسے شانِ عظیم
جن کے یہ درجے ہیں، یہ رتبے، یہ شان
جوگیوں کے کترے انھوں نے ہیں کان
در پہ الکھ آ کے جگاتے ہیں جب
سن کے گھروں سے نکل آتے ہیں سب
مانگنے پر پھر جو اُترتے ہیں شیر
ہوتے ہیں لاکھوں نہ ہزاروں سے سیر
ایسوں کو بتلاؤ بھلا دیجے کیا ؟
دیجے تو پھر اس کے عوض لیجے کیا؟
دیتے ہیں مسکین کو خیرات جب
دیتے ہیں اُمید پہ عقبیٰ کی سب
ایک اگر دیتا ہے انسان یاں
رکھتا ہے ہفتاد کی اُمید واں
پر یہ دلاتے نہیں کوئی اُمید
دیتے بشارت ہیں، نہ کوئی نوید
وعدۂ عقبیٰ نہیں کرتے کبھی
خلد کی ہامی نہیں بھرتے کبھی
کہتے ہیں یہ صاف بہ صد شد و مد
ہے وہ بنج جس میں ہو داد وستد
کہتے ہیں دینے سے رکھو کام تم
لینے کا زنہار نہ لو نام تم

---

۱ - محسن الملک کی طرف اشارہ ہے ۔

داد و دہش ورنہ اکارت ہے یہ
یہ نہیں خیرات ، تجارت ہے یہ

ہیں یہ دلیلیں مگر اُن کی فضول
نیچریوں کے سے ہیں سارے اصول

ہم انھیں معقول نہیں جانتے
ایسی دلیلوں کو نہیں مانتے

پر نہیں اک بات کا ان کی جواب
سن کے جسے زہرہ ہو پتھر کا آب

کہتے ہیں انسان اٹھاتا ہے جو
اپنے حوائج میں زر و سیم کو

اس کی ہو عقبیٰ میں اگر کچھ جزا
قوم کی امداد کا بھی ہو صلہ

کھانے کی ہے جیسے ضرورت اُسے
پانی کی جس طرح ہے حاجت اُسے

چاہیے جس طرح کہ رہنے کو گھر
زادِ سفر چاہیے بہرِ سفر

چاہیے نفقہ پئے فرزند و زن
چاہیے آرام پئے جان و تن

فرض اسی طرح ہے امدادِ قوم
یاد خدا پہلے ہے ، پھر یادِ قوم

کہتے ہیں دنیا سے ہے جب تک لگاؤ
دل میں بشر کے ہے اُمنگ اور چاؤ

بھاگتے جب تک کہ ہیں ذلت سے سب
رہنا ہیں یاں چاہتے عزت سے سب

جب تلک انساں میں ہے غیرت کی شان
پُتلے میں اس خاک کے باقی ہے آن

قوم کی طاقت کا بڑھانا ہے فرض
قوم کا قرضہ یہ چکانا ہے فرض

فرض یہ محسوس ہوا ہے جنھیں
کل نہیں اس فرض سے دم بھر انھیں

قوم کی رفعت کے ہیں طالب سدا
ہو سکے تو اس کو اُدھر لیں اٹھا

جانتے ہیں اپنی یہی برتری
قوم کی کوئی نہ کرے ہمسری

اپنی سمجھتے ہیں بڑائی یہی
قوم ہو آفاق میں اُن کی بڑی

قوم شریک اُن کی کمائی میں ہے
قوم کی جیت اُن کی بھلائی میں ہے

اُن کی ہر اک راہ میں ساتھی ہے قوم
جان میں اور مال میں ساجھی ہے قوم

رکھتے ہیں سب پیر ہوں یا ہوں جواں
قوم کی ایک ایک ضرورت کا دھیاں

تاکہ رہے یاد زمانِ سلف
مٹنے نہیں دیتے نشانِ سلف

مردہ زبانوں کو جلاتے ہیں وہ
خفتہ طبابت کو جگاتے ہیں وہ

ہم کہ زبانیں ہیں ہماری تمام
زندہ ، جنھیں بولتے ہیں خاص و عام

پر ہمیں پروا نہیں اُن کی ذرا
دے کوئی دنیا سے گر ان کو مٹا

زندہ طبابت ہے ہماری ابھی
فیض کا چشمہ ہے یہ جاری ابھی

ہند میں اسلام کی ہے یادگار
اُس کا ہے پبلک میں وہی اعتبار

ملک میں ہے اس کی ضرورت بہت
قوم کو ہے اس سے عقیدت بہت

جانتے ہیں اس کو پسندیدہ سب
اُس کے علاجوں کے ہیں گرویدہ سب

یہ بھی ہے معلوم کہ دنیا میں آج
سب سے سوا ہم میں ہے اس کا رواج

اس کے مصنف ہیں مسلماں تمام
غیر کا تم اُن میں نہ پاؤگے نام

اس نے جنم خواہ کہیں ہو لیا
پرورش اسلام نے اس کو کیا

عہد سے عباسیوں کے آج تک
فن یہ ہمارا تھا نہیں اس میں شک

پر نظر آتی نہیں اب اس کی خیر
روز بروز اس کا ہے اب حال غیر

جاتا ہمارے ہی نہیں ہاتھ سے
ڈر ہے کہ دنیا سے نہ وہ چل بسے

حاذق الملک[1] اس کا مربی تھا جو
کنجِ لحد میں وہ رہا جا کے سو

---

۱ - حاذق الملک سے مراد حکیم عبدالمجید خاں صاحب ، بانی مدرسۂ طبیہ دہلی -

اب نہ رہا اس کا سہارا کوئی
اُس کے چمن کا چمن‌آرا کوئی

چاہیے اب قوم سنبھالے اُسے
نزع کی حالت سے نکالے اُسے

طب کو گر اپنی نہ سنبھالیں گے ہم
اک بڑی دولت کو گنوا دیں گے ہم

★

۱۲ - تحفۃ الاخوان

(۱۹۰۲ء)

دوستو! انکار اگر تم کو بداہت کا نہیں
عالمِ اسباب ہے دنیا، اسے جانو یقیں

کاہ سے لے کوہ تک، ذرے سے لے تا آفتاب
سب کو ہے جکڑے ہوئے اسباب کی حبل المتیں

اک مرتّب سلسلہ پاؤ گے تم اسباب کا
دشت میں پتّا کھڑکتا تم اگر دیکھو کہیں

یوں خدا چاہے تو لے اسباب کی تاثیر چھین
لیکن اس قیّومِ بے ہمتا کی یہ عادت نہیں

---

۱ مولانا حالی نے یہ نظم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سولھویں سالانہ جلسے کے چھٹے اجلاس میں جو ۲ جنوری ۱۹۰۳ء کو منعقد ہوا تھا، پڑھی تھی - ڈاکٹر غلام مصطفیٰ لکھتے ہیں: ''شروع دسمبر میں کانفرنس کے لیے مولانا نے نظم لکھنی شروع کی تھی لیکن انھی دنوں ان کی صحت نے جواب دیا اور مختلف شکایتیں پیدا ہو گئیں . . . تاہم کسی صورت سے وہ نظم پوری کی . . . جو کانفرنس کے اجلاس میں پڑھی گئی'' - (حالی کا ذہنی ارتقا - صفحہ ۲۰۰) شیخ محمد اسماعیل لکھتے ہیں: ''اس نظم کے سنتے ہی ساری محفل مجلس عزا بن گئی . . . نظم کے مسودے کو نیلام کیا گیا جو ۲۰۱ روپے پر چھٹا -'' (کلیات نظم حالی، جلد دوم، صفحہ ۹۷)

بھاپ اُٹھے گی سمندر سے تو اُمڈے گی گھٹا
آسماں برسے گا جب ، اُگلے گی دولت تب زمیں

ہے یہی قانون محکم سالک مختار کا
جو کہ سطحِ خاک سے نافذ ہے تا چرخِ بریں

وہ یہی قانون ہے جس سے لگا لیتے ہیں کھوج
وقت سے پہلے ہر اک انجام کا انجام بیں

جان لیتے ہیں کہ جس گھر کی ہے پانی پر بنا
کوئی دن میں وہ رہے گا ہو کے پیوندِ زمیں

بس کہ ہے اُن کو قوانینِ الٰہی پر وثوق
اس لیے رکھتے ہیں اپنی پیش گوئی پر یقیں

دیکھتے ہیں روشنی وہ دن کی جب جاتی ہوئی
اُن کو آنکھوں سے نظر آتی ہے رات آتی ہوئی

جب کہ قانونِ الٰہی کا یہ ٹھہرا مقتضا
وہ رہے گا ہو کے جو ہے مقتضا اسباب کا

دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس قوم کا ہوتا ہے حال
شاہراہِ عام سے ہے جس کی پگڈنڈی جدا

ساری قومیں دے رہی ہیں وقت کا ساتھ آج کل
اور ان کی چڑ ہے وہ جو وقت کا ہے مقتضا

ہیں رواں تیراک سب دریا کی رو کے ساتھ ساتھ
اور انھیں کد ہے کہ دیں دریا کی رو الٹی بہا

اور اپنے اپنے جوہر ہیں جہاں دکھلا رہے
یہ دکھاتے پھرتے ہیں جوہر سلف کے جا بہ جا

اور قومیں ہیں جہاں مالِ تجارت بیچتی
یہ وہاں گھربار کے کرتے ہیں کوڑے برملا

جتنے ہیں اوروں میں کھاؤ ، اتنے ہی واں ہیں کماؤ
یاں کماؤ ایک ہے تو کھانے والا قافلا

اور مفلس ہوں تو روزی کو پھریں کرتے تلاش
یہ جو مفلس ہوں تو قسمت کا پھریں کرتے گلا

اور ہیں سب سود لینے میں ، یہ دینے میں دلیر
اور ہیں سب لوٹنے پر ، یہ لٹانے پر فدا

جب کوئی اوروں میں ہو جاتا ہے دولت سے نہال
اپنی نسلوں میں وہ جڑ دولت کی جاتا ہے جما

اور تنگی سے گزارا کرتے ہیں آج اس لیے
تاکہ غیروں کی نہ کل کرنی پڑے کچھ التجا

یاں گیا بلی کے بھاگوں ٹوٹ اگر چھینکا کہیں
پڑ گئی پشتوں تلک واں فاقہ مستوں کی بنا

زندگی جس قوم کی دنیا میں گزرے اس طرح
وہ رہے گی قوم دنیا میں بتاؤ کس طرح

نیند غفلت کی ہے سر تا پا مسلط قوم پر
سب کی آنکھیں ہیں کھلی ، سوتے ہیں لیکن بے خبر

مصر کی سمیاں ہیں سب گویا نہیں جن میں حیات
گو کہ جیتے جاگتے آتے ہیں ظاہر میں نظر

خاندانوں کو رہا ہے میٹ دورِ روزگار
آج بگڑا یہ گھرانا اور کل اُجڑا وہ گھر

پر نگاہِ بد کی جو زد میں نہیں آئے ابھی
جانتے ہیں دورِ گردوں کا نہیں ہم تک گزر

بھیڑیا نوبت بہ نوبت گوسفندوں کو شکار
کر رہا ہے اور نہیں کچھ گوسفندوں کو خبر
ہم جو بنتے ہیں بھی تو اکثر بگڑنے کے لیے
گرتے ہیں بانسوں ، اُچھلتے ہیں اگر بالشت بھر
قوم کو اپنے تنزل سے اُبھرنے کی اُمید
اہلِ علم و اہلِ دولت سے بہت کچھ تھی مگر
اہلِ دولت کا ہے اس عالم سے اک عالم جدا
عالمِ بالا سے بھی ہے جو کئی منزل اُدھر
جن دعاؤں کی پہنچ ہے عالم بالا تلک
اُن دعاؤں کا نہیں ڈیوڑھی تلک اُن کی گزر
اب رہے عالم تو ہو دنیا کی فکر اُن کو کہاں
دین کا پھر کون ہے دنیا میں وہ اُلجھیں اگر
کون جا کر چین میں پھر دین کی دعوت کرے
کون گم راہوں کی لے جاپان میں جا کر خبر
حجتِ حق کون **لندن** میں کرے جا کر تمام
کونؔ **برلن** میں کرے تبلیغِ قرآن و خبر
کون ہے ان کے سوا اسلام کے فرقوں کو جو
مل کے آپس میں نہ ہونے دے کبھی شیر و شکر
اُن کی غفلت کا یہ عالم ، ان کی فرصت کا یہ حال
ہو یہ بیڑا کیوں نہ پھر منجدھار میں زیر و زبر
ہیں یہی گر قوم کے ساتھ آج بے پروائیاں
تو یہ سن لو غافلو کل ہیں کھڑی رسوائیاں

پڑ رہی ہے چار سُو دوڑو بڑھو کی یاں پکار
نیند کے ماتو! نہیں اب وقتِ غفلت ، ہوشیار!

ہو رہی ہے عرصہ آفاق میں قوموں کی دوڑ
بڑھ رہے پیادوں سے پیادے ہیں سواروں سے سوار
تھوڑی تھوڑی غفلتوں پر ہو رہی ہیں بازیاں
چال چوکا اور ہوئی گردن پہ ہار آ کر سوار

پولو اور گھڑدوڑ کی سمجھو نہ ہار اس ہار کو
جو یہاں ہارا ، ہوئی ذلت گلے کا اس کے ہار
قوم جو اس دوڑ میں ہاری ، اسے سمجھو کہ وہ
ہو گئی زور آزمائی کا حریفوں کی شکار

سایے میں برگد کے جیسے جل کے رہ جاتی ہے گھاس
زورمندوں میں یونہی ہوتی ہے مٹی اس کی خوار
حق ہے غالب کا کہ کچلے اور دلے مغلوب کو
ہے یہی مغلوب ہونے کا مآل انجام کار

کرتے آئے ہیں سب اپنی اپنی باری میں یہی
اور یہی جاری رہے گا دور تا روزِ شمار
قوم کا درجے سے گر جانا ہے اپنے وہ گناہ
مرتکب جس کا نہیں بچتا سزا سے زینہار

یاد رکھو دوستو! سنت ہے یہ اللہ کی
جو نہ بدلی ہے نہ بدلے گی الیٰ یوم القرار
جو بڑھے گا ، حوصلہ اس کا بڑھایا جائے گا
جو گرے گا ، اپنے درجے سے گرایا جائے گا

ایسے کچھ بیٹھے ہیں فارغ یار سب کھولے کمر
جو مہم درپیش تھی وہ کر چکے گویا کہ سر
قوم میں تعلیم پھیلانا تھی سو پھیلا چکے
ہوگیا ، وہ بیج جو بویا تھا ، نخلِ بارور

پر جو سچ پوچھو تو ہم اب تک اُسی منزل میں ہیں
باندھ کر اٹھے تھے جس منزل سے احرامِ سفر

روشنی تعلیم کی کچھ کچھ جو یاں پاتے ہو تم
سب یہ جگنو کے سے چمکارے ہیں اے اہلِ نظر

ہے جہالت کا اندھیرا ہم پہ جو چھایا ہوا
اس اندھیرے میں ہی آتے ہیں یہ سب جلوے نظر

سارے ہوجاتے ہیں چمکارے ابھی کافور یہ
اس اندھیرے سے ذرا نکلو اُجالے میں اگر

ہم نے یہ مانا کہ ہم جو تھے زمیں پکڑے ہوئے
اس سے آگے کچھ قدم ہم نے بڑھایا ہے مگر

دیکھنا یہ ہے کہ اَوروں سے ہے کیا نسبت ہمیں
اور بڑھتے ہیں گزوں، بڑھتے ہیں ہم گر انچ بھر

جبکہ ٹھہری ہم میں اور اوروں میں یہ نسبت تو ہم
اتنے ہی یاں گھٹ رہے ہیں بڑھ رہے ہیں جس قدر

پست ہے ہمسر سے جو اپنے، یہ سمجھا دو اسے
خاک ہے وہ گو کہ ہے پہنچا ہوا افلاک پر

اپنی پستی کے نشاں پاتے ہیں ہر منزل میں ہم
کیا تجارت، کیا صناعت اور کیا علم و ہنر

کھل رہے ہیں جو کلوں کے کارخانے ملک میں
جن کے مالک ہیں وطن کے اہلِ ہمت سربسر

جو کہ ہیں ملکی ترقی کے لیے اک فال نیک
جن میں امیدیں ہیں مثلِ روزِ روشن جلوہ گر

قوم کا حصہ نہ واں پاؤ گے تم اس کے سوا
دن چھپے قلیوں کی اک فوج آئے گی تم کو نظر

کون سا پستی کا درجہ اب رہا ہے اس کے بعد
یہ وہ پستی ہے کہ بس تحت الثریٰ ہے اس کے بعد

ہم نے مانا ہے موافق جن سے دور ماہ و سال
بھاگوان ایسے بھی ہیں اس قوم میں پر خال خال
چند جانیں بچ رہی تھیں جو کہ قومِ نوح میں
ساٹھ ملیَن میں ہے وہ ان بھاگوانوں کی مثال
ان کی کیا عزت ہے یارو قوم ہے جن کی ذلیل
ان کو کیا راحت ہے جن کی قوم ہے سب خستہ حال
ہے وہ ایسا غول میں قلیوں کے جیسے ایک میٹ
ہے ہزاروں مفلسوں میں اک اگر آسودہ حال
شال گدڑی سے ہے واں سو مرتبہ بدتر ، جہاں
ہوں ہزاروں گدڑیاں اور ایک کے کندھے پہ شال
یاد رکھو ہے بہت دامن فراخ اسلام کا
دی ہے بنیادِ اخوت اس نے کل امت میں ڈال
ہیں سی امت میں جو ڈھوتے ہیں دن بھر ٹوکری
ہیں اسی امت میں جو ہیں دھونکتے دن رات کھال
ہیں انھی میں جن کے سپنے میں نہیں آیا سماں
جب سے آنکھ انکی کھلی دیکھا ہے گھر میں اپنے کال
ہیں انھی میں جو کہ بہرِ نفقۂ فرزند و زن
سامنے اک اک کے پھیلاتے ہیں وہ دستِ سوال
ان عزیزوں کی اخوت سے جنھیں آتا ہو ننگ
نام لیں فہرست سے اسلام کی اپنا نکال
ورنہ ذلت سے نکالیں اُن کو اور یہ جان لیں
ان کی ذلت میں انھیں عزت سے رہنا ہے محال

گھر میں اپنے بیٹھ کر جو چاہے سو بن لے کوئی
غیر قوموں میں نہیں حاصل اسے جز انفعال
کہتے ہیں غیر اس کو ہم جنسوں میں اپنے دیکھ کر
''یہ وہی کوا ہے لیکن ہنس کی چلتا ہے چال''
وہ یہی خطرہ ہے جس کے ڈر سے مال اور جان سب
کر رہے ہیں اپنی اپنی قوم پر قربان سب

وہ گئے دن جب کہ تھے مختارِ مطلق حکمراں
قسمتوں کی ، قبضۂ قدرت میں تھی ان کے عناں
ہاتھ میں غسال کے مردہ ہو بے حس جس طرح
تھے جہاں بانوں کے ہاتھوں میں یونہی اہلِ جہاں
تھا رعیت کا کوئی ہمدرد تو تھا بادشاہ
اور مصلح تھا کوئی اس کا تو تھا خود حکمراں
تھی نہ اہلِ ملک کو قومی مقاصد سے غرض
تھا نہ قومیت کا قوموں میں کہیں باقی نشاں
خواہشیں سب کی جدا ، اغراض تھیں سب کی الگ
اپنے اپنے راگ تھے اور اپنی اپنی ڈفلیاں
قوم اپنی حد سے آگے کوئی بڑھ سکتی نہ تھی
پیش قدمی سے رکے کب کے کھڑے تھے کارواں
بند تھے ناکے ترقی کے کہ آخر غیب سے
آیا اک سیلابِ آزادی کا ریلا ناگہاں
جس نے سب روکیں ہٹا کر کر دیا میدان صاف
غار یا ٹیلا رہا باقی نہ کوئی درمیاں
ایک قانونِ مُسلّم کی اطاعت کے سوا
ہو گئے ہر قید سے آزاد سب خورد و کلاں

کردیے انصاف نے ہموار سب پست و بلند
آ گئے سب ایک لیول[1] پر قوی اور ناتواں
اب نہ قوموں کی ترقی میں ہے کوئی سدّ راہ
اور نہ قوموں کے مدارج میں تفاوت درمیاں
سلطنت نے سب کو دے رکھے ہیں حق ڈنڈی کے تول
وزن میں پلڑا نہیں کوئی سبک ، کوئی گراں
جن کو دعویٰ ہے کہ ہم بیٹے بڑے باپوں کے ہیں
ان کو کرنے ہوں گے اب جوہر عدالت کے عیاں
ورنہ لینے ہوں گے واپس اپنے سب دعوے انھیں
اور بھلانی ہوگی سب دل سے بڑوں کی داستاں
وہ گئے دن جب کہ کر دیتے تھے چھوٹوں کو بڑا
انقلابات جہاں یا اتفاقات زماں
اب بڑائی کا ہے استحقاق پر سارا مدار
ہوگا جو ''کرّار'' اس کو مرحمت ہوگا نشاں
قسمتوں کی آزمائش کا زمانہ ہوچکا
ہے بس اب یاں ہمتوں اور غیرتوں کا امتحاں
ہے تمھاری اب تمھارے ہاتھ موت اور زندگی
ہو تمھی اپنے مسیحا اور تمھی ہو جاں ستاں
یا کرو کوشش کہ مردہ قوم میں پڑ جائے جاں
اور دکھا دو خلق کو اس راکھ سے اٹھتا دھؤاں
یا رہو دنیا میں بھنگوں اور پستوؤں کی طرح
جن کا ہے دنیا میں ہونا اور نہ ہونا ایک ساں
قوم گنتی میں ہو گو مور و ملخ سے بھی سوا
مر گئے جب قوم کے دل قوم میں پھر کیا رہا

★

---

۱ - Level : سطح

۱۳ - فلسفۂ ترقی[1]

(۱۹۰۳ع)

اے عزیزو! تم بھی ہو آخر بنی نوعِ بشر
غل ہے کیا نوعِ بشر میں کچھ تمھیں بھی ہے خبر
کر رہا ہے خاک کا پُتلا وہ جوہر آشکار
ہو رہی ہے جس سے شانِ کبریائی جلوہ گر
رفتہ رفتہ یہ غبارِ ناتواں پہنچا وہاں
طائرِ وہم و تصور کے جہاں جلتے ہیں پر
اُس نے ان کمزور ہاتھوں سے مسخّر کرلیا
ابر و برق و باد سے تا بحر و برّ و دشت و در
حق نے آدم کو خلافت اپنی جو کی تھی عطا
دے رہے ہیں اُس خلافت پر گواہی بحر و بر
تھا **ارسطو** اور **فلاطوں** کو بہت کچھ جن پہ ناز
ہو گئے تقویمِ پارینہ وہ سب علم و ہنر
کل کی تحقیقات نظروں سے اُتر جاتی ہے آج
بڑھ رہا ہے دم بہ دم یوں آج کل علمِ بشر
قوتِ ایجاد نے اب یاں تلک پکڑا ہے زور
شام کی ایجاد ہوجاتی ہے باسی تا سحر

۱- یہ نظم مولانا حالی نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سترھویں جلسے (منعقدہ بمبئی) کے چوتھے اجلاس میں جو مسٹر بدرالدین طیب جی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، ۳۱ دسمبر ۱۹۰۳ع کو پڑھ کر سنائی تھی - مولوی بشیرالدین، بانی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ نے اسے ''ترقی و تنزل'' کے عنوان سے شائع کیا تھا - ''جواہرات حالی'' میں ''فلسفۂ ترقی'' کا عنوان درج ہے - (مرتب)

ساز و ساماں جو نہ تھے کل بادشاہوں کو نصیب
کوڑیوں کے مول بکتے پھرتے ہیں وہ در بدر
کہتے ہیں مغرب سے جب ہو گا برآمد آفتاب
عرصہ آفاق میں ہوگی قیامت جلوہ‌گر
دوستو! شاید وہ نازک وقت آ پہنچا قریب
آ رہی ہے روشنی مغرب سے اک اٹھتی نظر
رو ترقی کی چلی آتی ہے موجیں مارتی
اگلے وقتوں کے نشاں کرتی ہوئی زیر و زبر
دست‌کاری کو مٹاتی ، صنعتوں کو روندتی
علم و حکمت کی پرانی بستیاں کرتی کھنڈر
ہوشیاروں کو کرشمے اپنے دکھلاتی ہوئی
غافلوں کو موت کا پیغام پہنچاتی ہوئی

ہند میں بھی یارو آ پہنچا ہے اس رو کا قدم
جو ہیں ناقابل اب آن کا کھلنے والا ہے بھرم
ہے ترقی ، پر تنزل بھی ہے اس کے ساتھ ساتھ
یہ کسی کے حق میں امرت ہے کسی کے حق میں سم
پست کو بالا یہ کر دیتی ہے اور بالا کو پست
کردیا زیر و زبر اس نے جہاں رکھا قدم
گل کھلایا اس نے جو اقصائے مشرق میں ابھی
اس کے لکھتے وقت ہاتھوں میں لرزتے ہیں قلم
چین جو وسعت میں کم اک براعظم سے نہ تھا
اک جزیرے[1] کی لپٹ نے کر دیا اس کو بھسم
دیکھنا پیچھے نہ ہم چشموں سے رہ جانا کہیں
حق میں ہمسائے کے ہمسائے کا بڑھنا ہے ستم

---

۱ - مراد جاپان جس نے ۹۵—۱۸۹۴ء کی جنگ میں چین کو پے در پے شکستیں دیں۔

جانتے ہو اے عزیزو ہے تنزل چیز کیا ؟
اس پہ کر لینا قناعت مل گیا جو بیش و کم
گو کہ ہے افراد کے حق میں یہ خصلت کیمیا
حق میں لیکن قوم کے یارو یہی خصلت ہے سم
تن پہ تھا **فاروقِ اعظم**ؓ کے پھٹا کرتا ، مگر
قوم کی خاطر بھری نیت نہ لے کر ملکِ جم
جیتے ہیں دنیا میں وہ کیڑے مکوڑوں کی طرح
جن کو بڑھنے کی تمنا اور نہ کچھ گھٹنے کا غم
جس طرح موری کا کیڑا خوش ہے اپنے حال میں
گزرے جو حالت ، اسی میں بس مگن رہتے ہیں ہم
پر زمانہ کہہ رہا ہے یہ بہ آوازِ بلند
"یا قدم آگے بڑھاؤ ورنہ لو راہِ عدم"
بے ترقی ملک میں جینا ہے دشوار آج کل
وحشیوں کی موت ہے شائستہ قوموں کا عمل

ہو نہ ہمدردی کا عنصر قوم میں یارو جہاں
واں ترقی کے لیے سب کوششیں ہیں رائگاں
راس بیڑے کو ترقی کے نہیں کوئی ہوا
جوشِ ہمدردی سے ہوتا ہے جہاز اس کا رواں
قوم تھی یونان کی دنیا میں اک محدود قوم
ہو گئی حبِ وطن سے فخرِ اقوامِ جہاں
ایک کو کچھ ایک کی پروا نہ ہو جب قوم میں
ہے حماقت قوم کی کثرت پہ ہونا شادماں
قوم کس گنتی میں ہے وہ، دل نہ ہوں جس کے ملے
گو کہ وہ کثرت سے اپنی گھیر لے سارا جہاں

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں جن کے دل وہ قوم کیا
ہے وہ اک مقتل ، لہو روتا ہے جس پر آسماں

یاد رکھو پڑ گئی جس ملک یا ملت میں پھوٹ
ہیں وہ اس مہماں سرا میں کوئی دن کے میہماں

غزنوی، غوری ، مغل ، سادات ، لودی اور غلام
رہ گئے نوبت بہ نوبت ہند پر جو حکمراں

دن برے جب آئے اور باہم لگے سر پھوڑنے
صفحۂ ہستی سے اُن کا مٹ گیا نام و نشاں

دین کہتے ہیں جسے وہ خیرخواہی کا ہے نام
ہے مسلمانو! یہ ارشادِ رسولِ ؐ انس و جاں[1]

ہیں نمازیں اور روزے اور حج بےکار سب
سوزِ امت کی نہ چنگاری ہو گر دل میں نہاں

جس کا تم بھرتے ہو کلمہ ، جس پہ پڑھتے ہو درود
نام پر جس کے عزیزو! تم فدا کرتے ہو جاں

جیتے جی اُمت کی لو دل کو رہی اس کے لگی
وقتِ آخر اُمت اُمت اُس کے تھا وردِ زباں

بھائی بھائی ہو گئے ہو دین کی برکت سے تم
ہے غضب گر بھائیوں پر ہوں نہ بھائی مہرباں

کھول کر دیکھو کتاب اللہ کی کہتی ہے کیا
''کلمہ پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں بے امتحاں''[2]

دین کا دعویٰ اور اُمت کی خبر لیتے نہیں
چاہتے ہو تم سند اور امتحاں دیتے نہیں

۱- حدیث نبوی : الدین النصیحة -
۲ - اس آیت کی طرف اشارہ ہے : ''احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا و ھم لا یفتنون '' (سورۃ العنکبوت - ۲۹ : ۲)

آن سے کہہ دو ، ہے مسلمانی کا جن کو ادّعا
قوم کی خدمت میں ہے پوشیدہ بھید اسلام کا

وہ یہی خدمت ، یہی منصب ہے جس کے واسطے
آئے ہیں دنیا میں سب نوبت بہ نوبت انبیاء

قوم کی خدمت میں کردیں اپنی جب عمریں تمام
تب فرائض سے نبوت کے ہوئے عہدہ برآ

وہ رسولِ ہاشمی وہ رحمۃاللعالمیں
پیروی کا جس کی دم بھرتے ہو تم صبح و مسا

جانتے ہو قوم سے تھا اپنی کیا اس کا سلوک ؟
اس طرف سے تھی جفا اور اس‌طرف سے تھی دعا

کون سی تکلیف تھی جو قوم نے اس کو نہ دی
پر کبھی چاہا نہ اُس نے قوم کا اپنی برا

جب اُحد میں ہو گیا دندانِ پاک اس کا شہید
قوم کے حق میں نہ نکلا منہ سے کچھ اس کے سوا

''کر ہدایت قوم کو یا رب کہ ہیں معذور یہ
ان کی عقلوں پر ہے پردہ جہل و غفلت کا پڑا''[1]

قوم کے حملے رہے جب تک کہ اس کی ذات پر
خندہ پیشانی سے سب اُن کے سہے جور و جفا

پر لگی جب قوم سب مل کر مٹانے نامِ حق
اور خدا کا پوجنا بندوں کو مشکل ہو گیا

غیرت حق نے نہ دی پھر مہلت صبر و شکیب
دین کی آخر حمایت پر کھڑا ہونا پڑا

۱- مترجمہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں : ''اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ۔''

لشکرِ حق سے مگر جب ہو گئی مغلوب قوم
پھر وہی شفقت، وہی رحمت، وہی احسان تھا

تھی یہی وہ قوم، جس کے حق میں فرماتے تھے آپ
''ہے عرب کی دوستی جز دین اور ایمان کا''[۱]

تھی یہی وہ قوم، تھا جس کے لیے ارشاد یہ
''قوم کا خادم ہے آقا سب کا، بے چون وچرا''[۲]

قوم کے خادم رہے اور دوست جب تک اہل دیں
دین اور دنیا میں بول اسلام کا بالا رہا

پر دیے خود غرضیوں نے جبکہ دل اک اک کے پھاڑ
حکم جو مالک کا تھا بندوں کو وہ پورا ہوا

حکم تھا اس کا کہ جھگڑوں سے رہو تم بر کنار
ورنہ کھو بیٹھو گے سب اپنا وقار اور اعتبار

سچ کسی دانا نے تھا یہ قوم سے اپنی کہا
''جو کہ حامی قوم کے ہیں اُن کا حامی ہے خدا''

دیکھ لو ممتاز دنیا میں وہی قومیں ہیں آج
قوم پر قربان ہے جن کا، ہر اک چھوٹا بڑا

یاں تلک پھیلا ہے اب قوموں میں قومیت کا درد
اپنے ایک اک فرد پر قوموں کی جانیں ہیں فدا

ملک سارا چھین کر بھی اُن کو چین آتا نہیں
اپنے اک مقتول کا جب مانگتے ہیں خوں بہا

اختلافِ دین و مذہب گھل رہا تھا جس میں زہر
جس نے ملکوں میں دیے تھے خون کے دریا بہا

---

۱ - حدیث: حب العرب من الایمان -
۲ - حدیث: سیدالقوم خادمهم-

(مرتب)

دم بہ دم وہ اختلاف اب بن رہا ہے اتفاق
زہر میں ہونے کو ہے پیدا اثر تریاق کا

کر رہا ہے جوشِ ہمدردی کی صورت میں ظہور
وہ تعصب جس نے باپوں سے کیے بیٹے جدا

دیتے ہیں وہ اپنے ذاتی فائدوں پر خاک ڈال
اپنے جب نقصان میں ہو قوم کا اُن کی بھلا

وہ **ہملٹن** کی جواں مردی سنی ہوگی کہ جب
ہو گئی **فرخ سیر** کو ہاتھ سے اُس کے شفا

قوم پر قربان کر دیں اپنی اُمیدیں تمام
آپ کچھ لینا نہ چاہا اپنی خدمت کا صلا

ہے اُسی حبِ وطن کا اُس کے یہ سارا ظہور
ہند پر ہے آج جو **برطانیہ** فرماں روا

ایک ماما جس کو دس ملتے ہیں ہفتے میں شلنگ
جس کے کنبے کا سب اس تنخواہ پر ہے آسرا

جا کے دے آتی ہے خوش خوش ایک، ہفتے کی طلب
قوم کی خاطر کہیں سنتی ہے جب چندہ کھلا

ہے غرض چندے کی کیا ، اس سے نہیں کچھ اسکو کام
قوم کا نام آیا اور قابو سے باہر دل ہوا

حق کو ہوتا ہے جنھیں دنیا میں کرنا سر بلند
خصلتیں یہ برگزیدہ اُن کو ہوتی ہیں عطا

اُن کے مفلس، قوم کی خاطر وہ کر جاتے ہیں کام
پست قوموں میں نہیں کر سکتے جو کام اغنیا

ہے انھی ہمدردیوں کا اُن کی یہ ثمرہ کہ آج
اس کرہ کے گرد ہیں چھائی ہوئی مثلِ ہوا

لوہا مقناطیس کی جانب ہے کھنچتا جس طرح
اس طرف کھنچتی چلی جاتی ہے دنیا اس طرح

ہے یہ قوموں کی ترقی اور تنزل سے عیاں
خود تنزل میں ہے سرچشمہ ترقی کا نہاں
ایک کا ہے جو تنزل ، دوسرے کا ہے عروج
اس کا بکتا ہے مکاں ، تب اُس کی چلتی ہے دکاں
کوئی یاں بنتا نہیں، جب تک نہ بگڑے دوسرا
گھاس کھد جاتی ہے جب، پڑتی ہے تب کھیتی میں جاں
ہوتے ہوتے خشک جب دریا میں خاک اُڑنے لگی
تب ہوئے نہروں سے جنگل غیرتِ باغِ جناں
چہچہے مرغِ چمن کو تب ہوئے جا کر نصیب
کر چکا کیڑے مکوڑے جب ہزاروں نوش جاں
جان لو قسمت کسی کی جاگنے والی ہے اب
جب سنو یارو ، بگڑتا کوئی گھر یا خاندان
آسماں سے بن کے خوان آتا نہیں اقبال کا
ہے وہی اک چیز کل مہماں یہاں تھی آج واں
میزباں کی دیکھتی ہے آنکھ جب بدلی ہوئی
واں سے اُٹھ کر دوسرا جا ڈھونڈتی ہے میزباں
جانے والا ہے مقرر اُن کا گھر غیروں کے پاس
جو کمر باندھے ہوئے بیٹھے ہیں گھر کھونے پہ یاں
قصر و ایواں ہوں مبارک تم کو اے محنت کشو!
عیش کے بندے بہت ہونے کو ہیں بے خانماں
یاد رکھو، ہوں گے اب حق دار اُن کے جانشیں
ہاتھ سے حق کھو دیے اپنے جنھوں نے رائگاں

ہوں گے مزدور اور کمیرے اُن کے اب قائم مقام
پھرتے ہیں بے کار جن کے کودک و پیر و جواں
اے مسلمانو! فلک کی گردشوں سے غافلو!
تم کو رخصت ہے لٹاؤ وقت و دولت رائگاں
دیکھو جب غیروں کو تم بڑھتا، کرو اپنے پہ ناز
ہیں تمھارے عیش و غفلت کی یہ سب فیاضیاں
مت کرو شکوہ مشیت کا، خدا ظالم نہیں
بلکہ ظالم ہیں تمھاری اپنی بداعمالیاں
ہے یہ قانونِ الٰہی، جو کبھی ٹلتا نہیں
گو جگہ سے اپنی ٹل جائے زمین و آسماں
چھٹتی جائیں گی وہ قومیں جو بگڑتی جائیں گی
ٹہنیاں جو سوکھتی جائیں گی، جھڑتی جائیں گی

★

۱۴ - انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور اور اس کے کام
(۱۹۰۴ء)

۱

دے خدا برکت جماعت میں تری اے انجمن!
کردیا تو نے نیا اسلام کا عہد کہن
جس طرح اسلام کی بنیاد غربت میں پڑی
تو نے بھی غربت میں جھیلے مدتوں رنج و محن

---

۱ - یہ نظم اپریل ۱۹۰۴ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں پڑھی گئی - مولانا کے ایک خط (مورخہ ۹ اپریل ۱۹۰۴ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انجمن کے جلسے میں شرکت کے لیے اپریل کے پہلے ہفتے میں لاہور آئے تھے اور آٹھ دن کے قیام کے بعد لاہور سے واپسی ہوئی - (بحوالہ مکتوبات حالی، جلد دوم، صفحہ ۳۵۶) -

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جیسے گزرے سخت پہلے چند سال اسلام کے
تیرے یاور بھی یونہی تھے ابتدا میں چند تن

بدگماں اسلام سے جیسے رہے اول قریش
تیری نسبت بھی بہت کچھ تھے دلوں میں سوے ظن

سلطنت پر یا رئیسوں پر نہ تھا تکیہ تجھے
جز خدا کوئی نہ تھا سر پر ترے سایہ فگن

تیری کوشش کی تھی بارانی زراعت کی مثال
ہو جسے ہر دم لگی تائید غیبی کی لگن

باغبانوں کے پسینے کے سوا رکھتا نہ تھا
آبیاری کا کہیں سے آسرا تیرا چمن

پر رہا دل تیرا ایسا اپنی ہمت سے قوی
گویا لشکر تھا خدا کا تیرے ساتھ اے انجمن

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

انجمن کے اسی جلسے میں علامہ اقبال نے بھی ایک نظم سنائی تھی۔ مولانا حالی کو اقبال کا ایک شعر بہت پسند آیا جس کی داد یوں دی کہ انجمن کو دس روپے عطا فرمائے۔ آخر میں مولانا حالی نظم سنانے کے لیے کھڑے ہوئے مگر ان کی نحیف آواز ہزاروں کے مجمعے میں بہتوں کو سنائی نہ دی۔ حاضرین کی بے قراری دیکھ کر شیخ عبدالقادر صاحب نے اعلان کیا: ''مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً جو کچھ سنا جائے سن لیجیے، بعد میں یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے''۔ جب اقبال سٹیج پر آئے تو مولانا حالی کی نظم سنانے سے پہلے یہ رباعی فی البدیہہ پڑھی:

مشہور زمانے میں ہے نامِ حالی
معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

(بحوالہ باقیات اقبال، مرتبہ سید عبدالواحد معینی، صفحہ ۱۳۲)

فتح پائی تو نے آخر اپنے استقلال سے
بج گیا ڈنکا ترا **کابل** سے لے کر تا **دکن**

سانچ کو جب تک نہیں اے انجمن دنیا میں آنچ
تیری پشتی پر رہے تائید رب ذوالمنن

تجھ سے اُمیدیں ہیں وابستہ بہت اَحباب کی
قوم کی دایہ ہے تو ، اور ماں ہے تو **پنجاب** کی

۲

تو نے لی جس وقت لاوارث یتیموں کی خبر
قوم میں کوئی شفیق اُن کا نہ آتا تھا نظر[1]

کہہ رہی تھی بے کسی اُن کی زبانِ حال سے
دین پر تھی اپنے جو نازاں وہ اُمت ہے کدھر؟

---

۱ - شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے اس بند کے مندرجہ ذیل پانچ شعر مولانا حالی کے قلمی مسودات سے نقل کیے ہیں ۔ یہ اشعار اب تک کسی مجموعے میں شائع نہیں ہوئے :

پر تجھے ہے اے مبارک انجمن یہ بھی خبر
قوم تیرے دم سے رکھتی ہے اُمیدیں کس قدر
دھر لیا ہے اپنے سر گویا کہ اک عالم کا بوجھ
قوم کی خدمت پہ جب سے تو نے باندھی ہے کمر
حس و حرکت قوم میں باقی نہیں رہتی جہاں
مورتیں مٹی کی آتی ہیں نظر دیکھو جدھر
ہے مثل مشہور ”جو بولے گا گھی کو جائے گا“
تو بنی ہے خود گنہگار اپنے منہ سے بول کر
تک رہے ہیں تیری جانب قوم کے لاکھوں یتیم
چند معصوموں کو گہوارے میں تیرے دیکھ کر

سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہ اشعار ، بند کے دسویں شعر سے مربوط ہیں ۔ آخری شعر اور بند کے گیارھویں شعر کا مصرع اولیٰ بھی مشترک ہے ۔ غالباً بغرض اختصار یہ اشعار حذف کر دیے گئے۔ (مرتب)

ہو رہی ہے پود کب سے پائمال اسلام کی
اور کوئی کلمہ گو لیتا نہیں اس کی خبر
بھائیوں کے دل پہ اس سے میل تک آتا نہیں
جو مصیبت دیکھ کر غیروں کا جی آتا ہے بھر

کر رہے ہیں قحط کے دورے قیامت آشکار
چھٹ رہی ہیں بیٹیاں ماؤں سے، باپوں سے پسر
ڈالتی ہیں کھیتیوں پر ٹڈیاں جس طرح لوٹ
قحط سالی میں یونہی پڑتی ہے لوٹ اسلام پر

ناج آٹے کے عوض بکتا ہے یوں دین مبیں
جس طرح بکتی ہے بازاروں میں جنس کس مخر
سب سے پہلے بے کسوں کی یہ صدا تو نے سنی
دل گیا تیرا لرز ان کی تباہی دیکھ کر

تھا قساوت کا مسلمانوں پہ جو دھبا اسے
تو نے دھویا دھل سکا ہاتھوں سے تیرے جس قدر
پر یہ دھبا قوم کے دامن سے چھٹ سکتا نہیں
ہاتھ بٹوایا نہ مل کر قوم نے تیرا اگر

تک رہے ہیں تیری جانب قوم کے لاکھوں یتیم
دور سے سن کر ترے دارالیتامٰی کی خبر
ایک انار اور اس کو تکتے سیکڑوں بیمار ہیں
لے گی کس کس کی خبر تو ، قوم غافل ہے اگر؟

پائیں گے ڈھونڈھے نہ پھر اسلام کو دنیا میں یہ
قحط کے دورے گئے دو چار اگر ان پر گزر
ہوگئے خالی ہزاروں گھر یونہی اسلام سے
گونجتی رہتی تھیں تکبیریں جہاں شام و سحر

قوم کو پروا نہیں ان کی تو سن اے انجمن
ہے پھر ان لاوارثوں کا ملجا و ماویٰ مشن

پرورش میں ان کی اپنی جاں کھپاتے ہیں جہاں
اُن کو شفقت سے کھلاتے اور پلاتے ہیں جہاں
عادتیں دبتے ہیں سب اُن کی جہاں سانچے میں ڈھال
جانور سے آدمی ان کو بناتے ہیں جہاں
رکھتے ہیں ماں باپ سے بڑھ کر جہاں ان کا خیال
لاڈلوں کی طرح ناز ان کے اٹھاتے ہیں جہاں
کرتے ہیں لائق انھیں دنیا میں رہنے کے لیے
صنعت و علم و ہنر ان کو سکھاتے ہیں جہاں
مینہ برستا ہے جہاں دولت کا اُن کے واسطے
رات دن امداد کے پیغام آتے ہیں جہاں
شیر خواروں کو جہاں رکھتے ہیں ماؤں کی طرح
نرم نرم ان کو بچھونوں پر سلاتے ہیں جہاں
اُن کی خدمت کے لیے ، ان کی حفاظت کے لیے
دائیاں ، انّائیں ، مامائیں بلاتے ہیں جہاں
ان کو جھولوں میں جھلاتے ہیں جہاں شام و سحر
مثل فرزندوں کے ان کو رکھ رکھاتے ہیں جہاں
قوم میں پرسش نہیں ان کی تو واں پہنچیں گے وہ
پتلیوں پر ان کو آنکھوں کی بٹھاتے ہیں جہاں
اب کہو حق دار ان کا ہے مشن یا انجمن ؟
سال بھر میں تین دن لے دے کے آتے ہیں جہاں
جب کہ آ کر انجمن کی سنتے ہیں روداد ہم
پھر کبھی کرتے نہیں بھولے سے اس کو یاد ہم

۴

اس سے بڑھکر ہوگی کیا اے قوم عبرت کی جگہ
ہو مشن اسلام کے پودوں کی خدمت کی جگہ

دل نہ اپنوں کا پسیجے اور کڑھے غیروں کا جی
ہے مسلمانو! یہ غیرت اور حمیت کی جگہ

کیا قیامت ہے کہ حامی جن کے بیگانے بنیں
وہ نہ پائیں قوم میں اپنی حمایت کی جگہ

کیا غضب ہے غیر آسائش کے ہوں جن کی کفیل
اُن کو اپنوں میں ملے ڈھونڈے نہ راحت کی جگہ

ہمسری غیروں کی گر دولت میں کر سکتے نہیں
دین کی غیرت تو تم رکھتے ہو دولت کی جگہ

بے کسوں کا دین بھی جس سے بچے اور جان بھی
اس سے بڑھ کر کون سی ہوگی اعانت کی جگہ؟

ادعا ہے تم کو اسلامی حمیت کا اگر
اس سے بڑھ کر کون سی ہوگی حمیت کی جگہ؟

اپنے بچوں کو مشن میں دیکھیں اور ہم مر نہ جائیں
کون سی اس سے زیادہ ہوگی ذلت کی جگہ؟

اب سوا اس کے کہ ہم اپنے پہ خود نفریں کریں
رہ گئی ہے کون سی باقی ملامت کی جگہ؟

قحط نے یارو لیا ہے دیکھ گھر اسلام کا
گھر کو رکھنا ہے تو ہے یہ بذل ہمت کی جگہ

لوٹ سے قحطوں کی کچھ دن اور اگر غفلت رہی
گود خالی ایک دن ہو جائے گی اسلام کی

———

۵

وہ گیا دورہ کہ تھے خلقت کے جتنے کاروبار
سب کا سلطانی اعانت پر تھا بس دارومدار
راج کے ذمے تھی پرجا کی ہر اک بہبود و سود
آدمی اپنے فرائض کے نہ تھے خود ذمہ دار
اب زمانہ وہ ہے جس میں جز نظامِ مملکت
راج کے ذمے نہیں پرجا کا کوئی بوجھ بار
کر رہی ہیں اپنے اپنے بل پہ اب قومیں وہ کام
جو نہیں کر سکتے شاہنشاہ و شاہ و شہریار
پڑ رہا ہے آج دنیا میں یہی غل چار سو
خود خبرلو قوم کی، گر قوم کے ہو غم گسار
دین کا گر درد ہے تم کو، تو دو اس کو فروغ
اور کرو ہر نیک و بد پر حجت حق آشکار
علم و فن کی درس گاہیں ملک میں قائم کرو
بھائیوں کی گر جہالت دل پہ گزرے ناگوار
دیکھ کر حالت یتیموں کی اگر کڑھتا ہے جی
مال و دولت مل کے سب اُن پر کرو یارو نثار
انجمن کو سمجھو اپنے حق میں اک انعامِ حق
کر رہی ہے جو ادا قومی فرائض بے شمار
انجمن کو، شکر کی جا ہے کہ ہے ہر دم فروغ
دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں اس کے کاروبار
ہے تمنا یہ ترقی اُس کی روز افزوں رہے
اس ترقی سے مگر رہنا عزیزو ہوشیار
ہو رہی ہے جو عمارت دم بہ دم یارو بلند
اس کو خطرہ ہے اگر بنیاد ہے نا اُستوار

اس سے کیا حاصل کہ تم نے جوت لی میلوں زمیں
آبپاشی کی بھی کچھ تدبیر کی ہے یا نہیں ؟

٦

اب نہیں وہ دن کہ کھو کر مال و دولت رائگاں
چند نا اہلوں میں ہوں مشہور فیّاض زماں
نام روشن باپ دادا کا کریں لے لے کے قرض
بیچ بیچ اسلاف کا ترکہ رچائیں شادیاں
ایک مونڈن یا کہ بسم اللہ کی تقریب میں[1]
ہوں بہت ممنون گر رکھ لے کوئی گروی مکاں
لیں نہ کچھ اس کی خبر مفلس کوئی بھائی ہو گر
پر ہوں دسترخوان پر دس بیس حاضر میہماں
در سے خالی ہاتھ کوئی مانگنے والا نہ جائے
گو کہ فاقے سے ہوں ہمسائے کے بچے نیم جاں
ساری یہ فیاضیاں نبھ سکتی تھیں یارو جبھی
قوم کے سر پر نہ تھا جب قوم کا بارِ گراں
اب عزیزو جزرسی کا اور کفایت کا ہے وقت
ہے تمھارا میہماں لوٹا ہوا اک کارواں
آج کل ہے بس یونہی امداد کی محتاج قوم
قحط میں پانی کی بھوکی جیسی یارو کھیتیاں
اغنیا غافل ہیں اور ماوشما سب تنگ دست
پونجیاں اوچھی ہیں اور درپیش ہے خرچِ گراں
ناؤ ان ہاتھوں سے اُس امت کی کھینی ہے تمھیں
تھا کھویّا جس کے بیڑے کا رسولِ ؐ انس و جاں

۱- ''ایک مونڈیاں یا کہ بسم اللہ کی تقریب میں'': جواہرات حالی - صفحہ ٦٩ - (مرتب)

جس کی عزت درحقیقت عزتِ اسلام ہے
جس کی ذلت خود تمھاری ذلتوں کا نام ہے

★

۱۵ - ترغیبِ امدادِ یتیماں

(۱۹۰۵ع)

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی
اے غافلو ، اے بےخبرو ! ہوش میں آؤ
فارغ غمِ اُمت سے اور اسلام کا دعویٰ
دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنساؤ
گو دین کی صورت ہے پہ سیرت نہیں اس کی
یہ دین ہے یا دین کا ہے سانگ ، بتاؤ ؟
مقبول نہ حج ہیں ، نہ نمازیں ہیں ، نہ روزے
جب تک غمِ اُمت میں نہ جاں اپنی گھلاؤ
دعویٰ نہیں مسموع شہادت نہ ہو جب تک
ہے دین کا دعویٰ تو شہادت کوئی لاؤ
گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے
تو دین سے تم قطعِ تعلق کرو ، جاؤ
اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دُکھائے
دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھ دے کے دُکھاؤ
دنیا میں جراحت ، یہی عقبیٰ میں ہے راحت
کل پھل کوئی کھانا ہے تو زخم آج اٹھاؤ
یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بے کس
یہ پود ہے میری اسے دیکھو ، نہ گنواؤ

یہ نظم ۱۹۰۵ع میں انجمن مؤید الاسلام دہلی کے جلسے میں پڑھی گئی - (بحوالہ ''حالی بحیثیت شاعر'' - صفحہ ۹۱) (مرتب)

شیریں ہے پھل ان پودوں کا اور سایہ ہے گھن کا
سیوا کرو ان کی انہیں پروان چڑھاؤ

دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں کو ان کے
ان گدڑوں میں جو لعل کہ گم ہیں انہیں پاؤ

سنولائے ہوئے چہروں میں نور آن کے ہے تاباں
ان کوئلوں کو ہیرے جلا دے کے بناؤ

ہیں ان میں فقیہہ ، ان میں حکیم ، ان میں محدث
ان کی بری حالت پہ ، بری گت پہ نہ جاؤ

جو ان میں ہیں جوہر کہیں زنگ ان کو نہ کھاجائے
گن دیکھنے ہیں آن کے تو زنگ ان کا چھٹاؤ

افواجِ مخالف ہیں تگ و دو میں چپ و راست
رُند جائیں نہ یہ خاک سے ، جلد ان کو اٹھاؤ

پھرتے ہیں بہت گھات میں یاں ان کے شکاری
ان پنچھیوں کو موت کے چنگل سے بچاؤ

اے یارو! یہ بے غیرتی اور دین کا دعویٰ
دیں داری کا اور دین کا بس منہ نہ چڑاؤ

اُمت کے یتیموں کو ہو **انجیل** کی تعلیم
اور اپنی تم اولاد کو **قرآن** پڑھاؤ

تثلیث کی پاتے ہوئے دیکھو انہیں تلقین
اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ

گرجا میں حریف ان کو سکھائیں مری توہین
اور کان نہ توہین پہ تم میری ہلاؤ

جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیے رکھنا
ہاتھ آئیں تمہارے تو غلام آن کو بناؤ

کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں اُن کی خبر غیر
اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ اُن سے ملاؤ

اپنا تمھیں وہ جان کے گر راہ میں ٹھٹکیں
تم غیروں کی مانند گزر پاس سے جاؤ

اسلامیو! بے مہریاں آخر یہ کہاں تک
جو منہ کو تمھارے تکیں آنکھ اُن سے چراؤ

بے کس نہ گنو ان کو یہ کنبا ہے خدا کا
تم پھیر کے منہ ان سے خدا کو نہ رٹھاؤ

عبرت کی جگہ ہے، ڈرو گردش سے فلک کی
اولاد کو اپنی نظرِ بد سے بچاؤ

بن باپ کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر
غیرت کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ

اُمت میں ہو تم اس کی جو اُمت پہ فدا تھا
کر لو تم بھی عزیزو اُسی اُمت سے لگاؤ

وہ جیسا غریبوں کا، یتیموں کا تھا عاشق
تم بھی انھیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ

جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے اس کا
اخلاق میں کچھ اس کی جھلک تم بھی دکھاؤ

کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ ہر اک کی
جی تم بھی مصیبت پہ یونہی سب کی کڑھاؤ

ٹوٹے ہوئے دل ہیں یہ گزرگاہ خدا کی
ملنا ہے خدا سے تو اسی راہ سے جاؤ

مدت سے تھا یہ دے رہا اسلام دہائی
اور کہتی تھی غفلت نہ ادھر کان لگاؤ

بارے سنی احباب نے اسلام کی آواز
اور مل کے کیا عہد کہ کچھ کرکے دکھاؤ

جو نشہ غفلت میں ہیں چُور ان کو جھنجوڑو
اور نیند کے متوالے ہیں جو اُن کو جگاؤ

بھولے ہوئے جو روزے نمازوں پہ ہیں اپنے
اسلام کی فریاد انھیں چل کے سناؤ

قبل اس کے کہ حج کا کریں کعبے کے ارادہ
حج ہند میں جو اُن پہ ہے فرض اُن کو جتاؤ

بن باپ کے بچوں کے ہیں ٹوٹے ہوئے جو دل
کعبے کی طرح گرد طواف اُن کے کراؤ

امداد پہ ان کی کرو کل قوم کو مجبور
دل دکھّے اگر اس میں کسی کا تو دکھاؤ

قائم کرو اک انجمن اخوان صفا کی
اور بیڑا یتیموں کی حمایت کا اٹھاؤ

صد شکر ہوئیں کوششیں احباب کی مشکور
پھل دیکھنے نیت کے ہوں گر اُن کی تو آؤ

فیاضیاں جو قوم کے غم خواروں نے کی ہیں
دیکھو انھیں اور بھائیوں کو جا کے سناؤ

باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غم‌خوار
اس شکر میں تم حمد خداوند کی گاؤ

اس وقت کہ نازک ہے بہت قوم پہ یہ وقت
جو قوم کا غم‌خوار ہو خیر اس کی مناؤ

ہے چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی
لو اُس کے قدم خودغرضی جس میں نہ پاؤ

رحمت ہے خدا کی یہ عزیزوں کی جماعت
پر اس کی خوشی میں ابھی بغلیں نہ بجاؤ
دے قوم سہارا تو یہ ہے **نوح** کی کشتی
پر قوم نہ کھیوے تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ
سرچشمے سے ہوتی نہیں پانی کی جب آمد
دم بھر میں اتر جاتا ہے دریا کا چڑھاؤ
جوتی ہے یہ یاروں نے بھروسے پہ تمھارے
کیوں کر چلے ، جب تم ہی یہ گاڑی نہ چلاؤ
ہیں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے
تم اس کے جہاں چاہے نشاں دیکھ لو ، جاؤ
یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی
دو آن کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
مجلس کہیں جی چھوڑ نہ دے ہوکے ہراساں
اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ
دو چار کے ، دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام
سر جوڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ
گو کام ہے دشوار پہ مردوں کو ہے آساں
کرنا ہے گر اس کام کو پورا ، کیے جاؤ

★★★

فصل دهم

تراجم

۱ - ترکیب بند موسوم بہ زمزمۂ قیصری

(۱۸۷۸ع)

[یہ نظم ایک انگریزی پویم کے تین حصوں میں سے اول حصے کا منظوم ترجمہ ہے - شاید مسٹر ایسٹوک اس کے مصنف ہیں جنھوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے ، جب کہ وہ دہلی میں کمشنر تھے ، اس تمام پویم کو دلی کے چند لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کرا کر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے - فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کمشنر نے یہ پویم اُردو میں ترجمہ کرا کر نظم کرنے کے لیے میرے پاس بھیجی تھی - میں اُن کے حکم سے صرف پہلے حصے کو اُردو میں کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا - میں نے بہ سبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام اوروں کے سپرد ہو گیا - اس نظم کے تین حصے ہیں - پہلے حصے میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے - دوسرے اور تیسرے حصے میں تمام رئیسوں کا ، جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے ، عموماً اور حضور **نظام** کا خصوصاً تذکرہ ہے - مصنف نے پہلے حصے میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے - ناظرین اس کو دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض نہ ہوں - میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے ان خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے

جس کو میرے ہم وطن سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے مجبور کیا ہے، اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی ہے۔ اور اکثر تمیز کے لیے اس کو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ باایں ہمہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے۔ لیکن جو لوگ انگریزی پولیٹکل خیالات کو اردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں اُن سے اُمید ہے کہ ایسی خفیف فروگزاشتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے۔ (حالی)]

۱

اے حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستاں
زیب دیتا ہے، اگر کہیے تجھے سارا جہاں
اک طرف کھینچی ہے قدرت نے ترے دیوارِ کوہ
موج زن ہے ایک جانب تیرے بحرِ بے کراں
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا
ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں
بحر میں ہوتا ہے اک شورِ قیامت آشکار
جب کہ اس میں آ کے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
خوف باہر کا ہے تجھ کو اور نہ ہے اندر کا فکر[1]
(دستِ گل چیں نارسا و نخلِ دولت گل فشاں)
تو نے فارغ کر دیا ہے فتحِ ملک غیر سے
پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیرا نشاں
چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوش گوار
(ہو نہ اب کہنہ دو خزاں سے رخنہ اندازِ بہار)

---

۱ - مطابق مجموعۂ نظم حالی طبع اول، صفحہ ۱۱۳ - (مرتب)

۲

اے مقدس آریہ ورتھ ! آئی کیا تجھ پر بلا ؟
جس نے بزمِ یک دلی کو تیری برہم کر دیا
کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق اور اتحاد
کون تھا جو تیری جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا
تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں
ہاں مگر نا اتفاق کی ملی تجھ کو سزا
گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
لڑ کھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ وغا
گھاٹیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج
ہوش کھو دیتی سُمِ اسپانِ ہندی کی صدا
بھاگنا بھی دشمنوں کو واں سے ہو جاتا محال
دیکھتے جب ہر طرف سے آمدِ سیلِ بلا
یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں
یا (اگر کرتے بہت ہمت تو) مر جاتے وہیں

۳

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و الفت کی زمیں
قوم کے ہم درد ہوتے اس مکاں کے سب مکیں
حیف جس مٹی سے اگنا چاہیے تھا نخلِ مہر
جم گیا آب و ہوائے دہر سے واں تخمِ کیں
سر بسر تختے گلِ خود رو کے جس جنگل میں تھے
(غور سے دیکھا تو) پنہاں تھے درندے بھی وہیں
(امن قایم تھا طلوعِ صبح کے آغاز میں
جتنا دن چڑھتا گیا ہوتا گیا عزلت گزیں)[1]

۱- یہ شعر اپنی طرف سے بڑھا دیا گیا ہے تا کہ بند کے پورے سات شعر ہو جائیں۔ (حالی)

دیوتا جو **آریا** کے زعم میں فانی نہ تھے
فانیوں کی طرح یاں آ کر رہے وہ بالیقیں
جنگ و خوں ریزی کے خود آ کر ہوئے وہ رہ نما
ورنہ فتنے کا قدم تک یاں نہ آیا تھا کہیں
یک بہ یک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
اک تزلزل پڑگیا **ہندوستان** میں ہر طرف

۴

مرحبا اے خطۂ **ہندوستان** (صد مرحبا!)
اس خرابی پر بھی روکے تو نے حملے بارہا
جانتا ہے اک جہاں **اسکندرِ اعظم** کا نام
چشمۂ حیواں پہ جس کو لے گیا بختِ رسا
تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدّ راہ
اور نیچر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا
گھورے اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
سایہ ہیبت تھا جن پر سربسر چھایا ہوا
گو ہوئی اس کی رسائی چشمۂ حیواں تلک
پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کرسکا
جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار
(دل میں جو ارمان تھا وہ دل کا دل ہی میں رہا)
دقتوں نے فتح کی بےطرح گھبرایا اسے
کام ہی مشکل تھا یا مشکل نظر آیا اسے

۵

جس جگہ ملتا ہے **ستلج** سے سبک‌رفتار **بیاس**
رہ گئیں فوجیں ٹھٹک کر اس کی واں ساحل کے پاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس

تھا کھڑا حیراں **سکندر** اور یہ کہتا تھا کہ بس
فتحِ ہند اک خواب تھا اور اس کی تھی تعبیر یاس

بعد مدت پھر وہیں آئی اُمنڈ کر اک گھٹا[1]
بیاسؔ کے میداں میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس

جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے نام ور[2]
پھر گیا لے کر جہاں سے اپنی فوجِ بے قیاس

کر سکے کچھ واں نہ اس حملے کے آگے اہلِ ہند
چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہلِ ہند

٦

پہلے اس فتحِ نمایاں سے بھی اکثر جنگ جو
کر گئے یاں آن کر تیغ آزمائی میں غلو

ندیاں جو راہ میں حائل تھیں ان سے بارہا
حملہ آور اُترے اور پڑتے رہے رن سو بہ سو

وہ نشاں جن کی چمک تھی بے بقا مثلِ شہاب[3]
گہہ نظر آئے **اٹک** پر اور **ستلج** پر کبھو

۱- اس سے مراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۶ع میں پنجاب پر ہوا - (حالی)

۲- یعنی سکندر اعظم - (حالی)

۳- یعنی جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی طرح بے بقا اور ناپائیدار تھی اور جو ہندوستان پر حملے کرکے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کرکے واپس چلے گئے - (حالی)

رفتہ رفتہ سرزمین گنگ تک پہنچا ہراس
آ کے ٹھہرا پہلے **مینڈر**[1] کنارِ آب جو

دھار میں **گنگا** کی وہ ہتھیار چمکے سربسر
ہند تک **یونان** سے جو پیتے آئے تھے لہو

نا گہاں **جھیلم** پہ چمکی آن کر **ستھیا**[2] کی آگ
اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ نمو

پہنچی جب **گنگا** کے لگ بھگ **بیاس** اور **ستلج** کو پھاند
ہو گئے **یونان** کے ہتھیار آگے آن کے ماند

---

۱ - مینڈر: یونان کے سوتیر خاندان کا ایک مشہور بادشاہ تھا ۔ یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملک باختر یعنی خراسان وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰ[۴] سے دوسو برس پہلے مسلط ہو گیا تھا۔ مینڈر نے، جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے، ہندوستان پر ۱۸۱ع قبل مسیح سے ۱۶۱ع قبل مسیح کے درمیان حملے کیے ہیں ۔ اس نے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کر لیا تھا ۔ (حالی)

۲- بحر اسود اور کوہ قاف اور بحیرۂ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں، قدیم زمانے میں ان کو ''ستھیا والے'' کہتے تھے ۔ اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں ۔ ستھیا والوں کے حملے حضرت مسیح سے سو برس پہلے شروع ہو گئے تھے ۔ ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے ۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب ان کی زبردست سلطنت قائم ہو گئی تھی ۔ ان کا سب سے مشہور بادشاہ کنشکا ہے جس نے بدھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی ۔ شمالی ایشیا میں جو بدھ مذہب کی شکل ہے، وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہے ۔ ستھیا کی آگ سے غالباً ان کی جہاں سوزی و تاخت و تاراج مراد ہے، جیسے کہ بایزید عثمانی کو ''ایلدرم'' کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ (حالی)

۷

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند
جانبِ **ہندوستان محمود**[1] نے ہانکا سمند

---

۱ انگریزی مورخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحم دلی اور انسانی ہمدردی پر فریفتہ اور مسلمانوں پر غضب ناک اور افروختہ کریں تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے تھے - جس طرح اس بند میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے، اسی طرح ایک انگریز نے اس کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں، جن کا اردو ترجمہ یہ ہے : (نظم)

اے ملک زرنگار قدم ہے وہ کون سا
حملے سے جس کے ہے ترے ارکاں میں زلزلہ
وہ تیرے قصر اور ستون دار سائباں
معبد وہ جو پہاڑوں کے غاروں میں ہیں نہاں
ٹھاکر اور آن کے مندر، راجا اور ان کے تخت
حملے سے اس کے آکے پڑا سب پہ وقت سخت
پتلا غضب کا کون سا وہ ہولناک ہے؟
اے ملک زرنگار وہ غزنی کی خاک ہے
آتا ہے لوٹتا ہوا اس بزم گاہ میں
پھرتے ہیں بکھرے تاج بہت اس کی راہ میں
کتے جو اس کے ساتھ شکاری ہیں بے شمار
ان کے گلوں میں ہیں وہ جواہرنگار ہار
بے رحم فوج لائی ہے جو لوٹ مار کر
مقتول رانیوں کے گلے سے آتار کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ گھروں کے بیچ
اور بے گنہ پجاریوں کو مندروں کے بیچ

اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغے کے ساتھ بیان کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے آن کے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں، گو وہ کیسی ہی تاریکی اور وحشت کے زمانے میں کی گئی ہوں، ہمیشہ باعث شرم و ندامت رہیں گی - لیکن ہم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ مسلمانوں کے حق میں ابرِ رحمت تھا مگر
ہندوؤں کے دل رہے اس کے ستم سے دردمند

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)
پوچھتے ہیں کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس دھبے سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شائستہ قومیں، جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں، محمود کے زمانے میں بلکہ اس کے بعد کئی صدیوں ایشیا سے بہ مراتب زیادہ وحشت و خوں‌ریزی و بے رحمی میں مبتلا تھیں - اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوع انسان کی دو خصلتیں نہ کبھی بدلی ہیں، نہ آئندہ بدلنے کی امید ہے: ایک طمع اور خود غرضی، دوسرے زبردستوں کا زبردستوں کو دلنا اور پیسنا - جس طرح مگرمچھ مچھلیوں اور مینڈکوں کو یا شیر اور چیتا ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے، اسی طرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں، وہ ضعیف اور کم زور انسانوں کے شکار کرنے سے کبھی درگزر نہیں کرتے - سولھویں صدی کو جس میں اہل یورپ، امریکہ میں جا کر آباد ہوئے، کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا - اس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہاتھ سے امریکہ کے اصلی باشندوں پر کون سا ظلم اور کون سی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی - میکسیکو اور پیرو جو کہ امریکا کے دو شائستہ ملک تھے، وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے کیے، ان کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی - کورٹیز جو کہ ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا، اس نے اور اس کے بعد نئے وارد ہونے والے جرنیلوں نے یہ ٹھان لی کہ میکسیکو کو قاطبۃً ویران کر دیجیے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کیجیے - چنانچہ جہاں تک اُن سے ہو سکا، وہاں کے قدیم باشندوں کو نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا - کورٹیز نے میکسیکو کے شاہنشاہ مونٹی زوما کو گرفتار کر کے الٹا لٹکا دیا اور اس کی رعایا کو اس کی آنکھ کے سامنے جلایا اور قتل کرایا - بڑے بڑے الاؤ لگے ہوئے تھے جن میں ہزارہا بنی آدم عام طور پر بے تکلف جلا دیے جاتے تھے - معصوم بچوں کے رو بہ رو ان کی مائیں اور باپ بہ ہزار عقوبت و سختی آگ میں جھونک دیے جاتے تھے - دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھڑوا ڈالے جاتے تھے - یہ ہسپانیہ کے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

وہ پہنچتا تھا جہاں ہوتی تھی واں آفت بپا
اور چلتا تھا جلو میں اس کے آسیب و گزند

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
وہی مقدس اور بے عیب عیسائی تھے جنھوں نے ''کافروں'' یعنی مسلمانوں کو غنڈے اور ایک ناپاک اور گنہگار قوم ہونے کا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول تھا کہ ظالم اور بد دین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہم سایہ اور ہم وطن ہو کر رہیں - اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ایک ملین بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے - یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کا ہوا - یہ ملک جنوبی امریکا میں بحرالکاہل کے کنارے پر واقع ہے - فرینسسلو پزیرو کہ غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک مجہول النسب آدمی تھا - اس کو جنوبی امریکا میں فتوحات اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مدت سے خیال تھا ، جس نے پاناما یا اس کے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اس کے ماتحت ملک پیرو کو ، جس کے تمول کی بڑی شہرت تھی ، روانہ کریں - چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا اور ایک دو پھیرے کے بعد اس ملک پر قابض ہو گیا - پھر تو کوئی ظلم ، تعدی ایسی نہ تھی جو پیرو کے اصلی باشندوں پر روا نہ رکھی گئی ہو - اُن سے سونا چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا - ہزارہا بندگان خدا اس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے ، جہاں پر آخر کار فاقے کر کے مر جاتے تھے اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے - تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بے رحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی - انگریزوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی - اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی بہت ضرورت بھی نہ تھی - وہ بے چارے اس درجے ناہموار ، بے ڈول اور ناشائستہ تھے کہ انگریز فاتحوں کی صورتیں ، ٹیپ اور چمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ان کے پڑوس میں رہ سکیں - جس قدر انگریز مہاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی ، وہ لوگ ملک کے اندرونی حصے میں غائب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ معدوم ہوتے گئے - اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

غش پہ غش آتے تھے ہر ذی روح کو پیہم وہاں
سانس لیتا تھا جہاں وہ اژدہائے زور مند

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)
پہاڑوں کے سلسلے میں پائے جاتے ہیں۔ ٹسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک خوش‌بشرہ مگر ان سویلائزڈ قوم تھی، یورپ والوں کی ہمسائیگی کے باعث بالکل فنا ہو گئی، یہاں تک کہ اب ایک متنفس بھی آن کی نسل کا باقی نہیں۔ پس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے، انگریز جیسی اعلیٰ درجے کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیوں کر ٹھہر سکتے تھے:

تو بجلوہ چوں در آئی اجل از سر ترحم
ہمہ جا کند منادی پئے احتراز کردن

اگر فی‌الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ ان کی عین دانائی تھی کہ انھوں نے مفت کی بدنامی نہیں لی اور تمام براعظم آن کے لیے خود بہ خود خس و خاشاک سے پاک ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بڑے حصے نے علم و ہنر میں اس قدر ترقی کی ہے کہ وہ دوسرے حصے کے ابنائے جنس سے اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اگلے زمانے کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں سے مفتوحین کی دولت، ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے، ان ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق ضرورت نہیں رہی۔ جس قدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا، اس سے اضعاف مضاعفہ، اب صنعت و تجارت کے ذریعے سے خود بہ خود کھنچا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان، جن میں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو، تجارتی عہدنامہ تحریر ہو جاتا ہے تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری، دوسری گورنمنٹ کے تمام مال و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہو گئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی، لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
یہ گل‌چینی ہے یا لٹس ہے گل چیں، یا ہے قزاقی؟

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

روندتا تھا جس کو وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری
صلح سے بجھتا نہ تھا ہوتا تھا جو شعلہ بلند

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ما سبق)
شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ جو نتیجہ اگلے زمانے کے غارت گروں کی لوٹ کھسوٹ سے مرتب ہوتا تھا ، اس نتیجے کے قریب قریب یہ شائستہ لوٹ بھی پہنچا دیتی ہے - کروڑوں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری ، مکینکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی ، نان شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں - فلاحت پیشہ لوگوں پر یہ بپتا پڑتی ہے کہ زمین کی پیداوار جس قدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے ، اسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا - یہ پولیٹکل اکونمی کا مسلم مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جس قدر مانگ ہوتی جاتی ہے اسی قدر اس کے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جس قدر زیادہ طلب ہوتی ہے ، اسی قدر ان پر کم لاگت آتی ہے اور کم محنت صرف ہوتی ہے - ملکی تاجروں کے لیے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی تجارت کرتے ہیں ، اول تو اوپر والے منافع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر قدرے قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیاء کا نرخ گراں ہونے کے سبب آن کی کمائی میں سے بہت کم پس‌انداز ہوتا ہے اور جس قدر ہوتا ہے ، وہ غیرملکوں کی آرائشی اور غیرضروری چیزوں کے خریدنے میں ، جو باوجود کمال نفاست اور لطافت کے نہایت ارزاں دست یاب ہوتی ہیں ، صرف ہو جاتا ہے - پس ان کو بھی فارغ‌البالی اور آسودگی کبھی نصیب نہیں ہوتی اور اگر سو دو سو میں دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں ، جو اپنے ملک میں مرفہ‌الحال سمجھے جاتے ہیں ، ان کا معاملہ اور لین دین آن کروڑ پتیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلے میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلاپچ تصور کرتے ہیں اور جن کی مانگ سے ہمیشہ دوالہ نکل جانے کا اندیشہ رہتا ہے -

خلاصہ یہ ہے کہ طمع اور خودغرضی اور زیردستوں کو دلنا اور پیسنا جیسا تاریکی اور وحشت کے زمانے میں تھا ، اسی کے قریب قریب اب بھی ہے - صرف اتنا فرق ہے کہ دولت گھسیٹنے کے لیے پہلے

خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بندوں پہ رحم
غارت و تاراج تھا اک بازیِ سلطاں پسند
جب وہ آیا تھا تو سر تا پا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یاں سے تو مثل دشت ویراں تھا یہ ملک

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ما سبق)
جبر و تعدی کی ضرورت تھی، اب اس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ ان سویلائزڈ دنیا کی دولت سویلائزڈ دنیا کی طرف خود بہ خود کھنچی چلی جاتی ہے۔

(تمثیل): ایک اژدہا شیر کو بہت برا بھلا کہہ رہا تھا کہ "تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جان داروں کا خون پینے کی فکر میں رہتا ہے اور شکار کی دھن میں دور دور کے دھاوے کرتا ہے۔ تمام جنگل میں تیری دھاک ہے۔ آج اس ہرن کو پھاڑ ڈالا، کل س پاڑے کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے۔ ایسی خوں خواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔ شیر نے کہا کہ قبلہ! اگر میری سانس میں ایسی کشش ہوتی کہ دور دور سے جانور خود گھسٹتے ہوئے میرے منہ میں چلے آتے اور میری حرص و آز کی آگ بجھا دیتے تو میں بھی ہر گز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا۔ مع ذالک اگر کہیں آزادیِ تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادیِ تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔ حالانکہ آج تک پولیٹکل اکونمی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرین انصاف ہے یا خاص خاص صورتوں میں خلاف انصاف بھی ہو سکتا ہے۔ انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے، اس لیے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس اس کو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں، اس لیے وہ اس کو جائز نہیں رکھتے۔ لیکن انصاف شرط ہے، جن حکمتوں اور تدبیروں سے آج کل دنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے، ان پر بہ خلاف اگلے زمانے کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مشہور ہے کہ حکیم علوی خاں کے زمانے میں جو کہ محمد شاہ کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا، ایک عطار بھی اس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا۔ لوگوں نے اس کا ذکر

۸

آخر اے دانا حکیمو! کچھ سبب اس کا بتاؤ
ہے بنی آدم کو کیوں قتل بنی آدم کا چاؤ ؟
جب کہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت
پھر تعجب ہے کہ جباری کا ہو اس میں لگاؤ
جب کہ ہے سرچشمۂ مہر و محبت ذاتِ حق
پھر نہ مانی جائے کیوں اس کی شریعت بے دباؤ
کیا یہ زیبا ہے کہ دینِ حق کو ، اے ابنائے جنس!
زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ
یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے
اور آن باتوں سے جن میں جلوہ الفت کا دکھاؤ (ق)
دل کرو اہلِ جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر
حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیں آن پر دلاؤ
راہ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہیے
گلشنِ دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیے

۹

خار ہی خار آتے ہیں مدت سے لیکن یاں نظر
خون ہے استاد اور شاگرد[1] دونوں کا ہدر
راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یاں
راحت اور آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما سبق)
علوی خاں کے سامنے بھی کیا اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپ کے علاج سے اچھے ہوتے ہیں اور مرتے ہیں ، اس کے قریب قریب اس کے علاج سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں - علوی خاں نے کہا : ''بلے ، لاکن من بقاعدہ می کشم وآں قرم ساق بے قاعدہ می کشد'' - (حالی)

۱ - استاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے - (حالی)

اور لینی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو
وہ زمانے کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر
بات حیرت‌خیز ہے پر شک نہیں اس میں ذرا
نخل شادی آنسوؤں کی نم سے لاتا ہے ثمر
دم بہ دم سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہ ہو
رہ نہیں سکتا ہرا دنیا کی راحت کا شجر
بے شہادت مل نہیں سکتی حیاتِ سرمدی
موت ہے در زندگی کا اور الم باب ظفر
غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
آپ جب تک زخم‌کاری کا مزا پاتے نہیں

۱۰

اے **جلال الدین** ہے تو ہی وہ شاہِ نام‌دار
صلح‌کل جس کی زمانے میں رہے گی یادگار
بسکہ آزادی بنی‌نوعِ بشر کو تو نے دی
رائے پر ہر شخص کی ٹھہرا عقیدے کا مدار
فہم سے بندوں کے بالا تر تھے جو اسرارِ دیں
بحث کرنے کا ملا بندوں کو اُن میں اختیار
حوصلہ نکلا ترا شاہانِ پیشیں سے وسیع
تجھ سے القابِ **شہنشاہی** نے پایا اعتبار
پر تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف
ہوگیا اُن کا تعصب خود گلے کا اُن کے ہار
ثمرہ آخر مل گیا اُن کے تعصب کا انھیں
کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُن کا اقتدار
خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈروں میں اُن کے آج واں
دولتِ روئے زمیں کل جلوہ‌آرا تھی جہاں

۱۱

خیر اُن کے ذکر سے اب کیجیے قطعِ نظر
خوبیاں تھیں عہد میں ان کے نہ لیکن اس قدر
امن و راحت ، اتفاق اور برکتیں انصاف کی
ملک افزائش سے ہو جن کی بدولت بہرہ ور

اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو
بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص ہو خود جلوہ گر
نعمتیں ہندوستاں کو یہ ہوئیں اس دم نصیب
چھا رہی تھی جب کہ مایوسی دلوں پر سربسر

امن و راحت کا تصور تک نہ آیا تھا کبھی
جائے حق نا حق کا سکہ چل رہا تھا بے خطر
دیکھ کر آخر بدی کا دور دورہ ، نیکیاں
ہوچکی تھیں یاں سے رخصت آہ ٹھنڈی کھینچ کر

اس اندھیرے میں اجالا ناگہاں پیدا ہوا
(چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا)

۱۲

کیا مرہٹے ، کیا مغل، سادات کیا ، افغان کیا
عہد میں سب کے رہی یاں بارشِ ابرِ بلا
علم، فن، جرأت، نکوئی، مٹ گئیں سب خوبیاں
دم بہ دم طوفاں بدی اور عیب کا بڑھتا رہا

یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی
بحرِ بے پایاں میں گویا سخت طوفاں تھا بپا
ناخداؤں کے بجا تھے اور نہ ملاحوں کے ہوش
اور جہازِ عافیت تدبیر کے بس میں نہ تھا

بے طرح چھایا ہوا تھا ابرِ ظلمت چارسو
کوکبِ رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
کوندنا بجلی کا تھا گویا کہ جگنو کی چمک
اک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں
اور جی چھوڑے ہوئے تھا ہر جری اور سورماں

۱۳

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے
تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پار سے

آ کے انگلستان نے طوفاں کو للکارا کہ بس
باز رہ اے فتنہ اپنی گرمیِ رفتار سے
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا یک قلم
ہند کو اپنوں نے دی آ کر نجات اغیار[1] سے

اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں سب ایک تھے
کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردشِ ادوار سے

گو رہے چندے جدا پر مل گئے انجام کو
کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی آخر پیار سے

اہلِ مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز اہلِ ہند
(آئنہ اور سنگ دونوں نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوڑے گا یقیں وہموں کی لڑ کاٹے بغیر
دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

---

۱ - اپنوں سے مراد مغربی آریا یعنی انگریز اور اغیار سے مراد مسلمان ہیں - (حالی)

۱۴

دہریوں کا فرقۂ لایعقل اور کوتاہ بیں
اپنی کج‌رائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں (ق۱)
اب ہیولیٰ کو نہ سمجھے مصدرِ کل کائنات
(۲) اتفاقِ دہر پر رکھے نہ بنیادِ یقیں
ورنہ ہم پوچھیں گے اس سے کس طرح اک اتفاق
یا ہیولیٰ لے گیا مغرب سے تا مشرق زمیں (۳)
کچھ جہاز اور چند سوداگر تجارت کے لیے
تاکہ ہوں پردیسیوں کی طرح واں جا کر مکیں
اور پھر اس کشورِ آباد پر قابض ہوں وہ
ایک مدت تک رہا مغلوں کے جو زیرِ نگیں
کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہلِ رائے؟
یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

۱۵

ایسے ہذیاناتِ بے جا سے یہ بہتر ہے کہ ہم
مان لیں سر اور اسر[1] کی داستاں بے بیش و کم

۱۔ سر دیوتا اور اسر راکشس کو کہتے ہیں ۔ مہا بھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانے میں ایک بار دیوتاؤں اور راکششوں کی لڑائی ہوئی تھی ، جس میں دیوتا فتح یاب ہوئے اور راکشس ہارے ۔ راکششوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودے کہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں ، پھر کیوں ان سے مغلوب ہو گئے ۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس علم یعنی منتروں کی طاقت ہے ۔ راکششوں نے ان کے منتر اور کتابیں چرا لیں اور ایک راکشس سنکھا سر نام ان سب کو لے کر سمندر میں غائب ہو گیا ۔ ایشر نے جو یہ حال دیکھا تو خود مچھلی کا روپ بھر سنکھا سر کو سمندر میں جا کر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے ۔ ایشر جی کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن یعنی مفید اور نایاب چیزیں ہیں ، ان

گو کہ افسانہ ہے لیکن دہریوں کے قول سے
اس میں کچھ باتیں زیادہ دل‌نشیں پاتے ہیں ہم

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ما سبق)
کو نکالنا چاہیے - انھوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں - میری پیٹھ پر رئی کی جگہ ہمالیہ پربت کو رکھ دینا اور تسمے کی جگہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کوہ ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اس کے دونوں سرے سر اور اسر اس طرح سے پکڑیں کہ سانپ کے منہ کی طرف سے سروں کے اور دم کی طرف سے اسروں کے ہاتھ میں رہے اور اس طرح سمندر کو بلو ڈالیں - انھوں نے ایسا ہی کیا - یہاں تک کہ سمندر میں سے چودہ رتن یعنی لچھمی ، جواہر ، شراب ، دھنتر بید ، چاند ، گئو ، گھوڑا ، سفید ہاتھی ، تیر کمان ، امرت اور بس وغیرہ برآمد ہوئے - امرت پر سروں اور اسروں کی باہم تکرار ہو گئی - انھوں نے کہا ہم لیں ، انھوں نے کہا ہم لیں - ایشر ایک حسین عورت کا روپ بھر کر آن پر ظاہر ہوئے - دیوتا اور راکشس دونوں اس کی صورت پر فریفتہ ہو گئے اور آپس میں یہ بات قرار دی کہ یہ عورت جس کو جو کچھ دے وہ اس کو خوشی سے لے لے - چنانچہ اس عورت یعنی ایشر نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن دونوں فریق پر تقسیم کر دیے - امرت سروں کے حصے میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشش اٹھا کر پی گیا - دیوتاؤں میں سے ایک نے اس کا سر اڑا دیا - لیکن بس کو کسی نے لینا قبول نہیں کیا - شیو یعنی مہا دیو جی نے کہا لاؤ اس کو میں کھا جاؤں - وہ اس کو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ یعنی حلق میں رکھ لیا ، جس کے سبب سے آن کا گلا نیلا پڑ گیا - شاعر اس بند میں قصہ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اس قصے کا مصداق ہے - گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکششوں یعنی ہندوستان کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے - اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کر کے ہندوستان تک پہنچے ، گویا سمندر کا بلونا تھا - اور ان کی سلطنت سے زندگی یعنی امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی - یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہوا - اور جس زہر سے کہ مہا دیوجی کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا ، اس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے - مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق باطل کے واسطے زہر ہے ، اسی طرح

اہلِ انگلستان کا آنا سمندر پار سے
ہے سمندر کا بلونا فی‌المثل اے محترم
زندگی جو اس سے اہلِ ہند کو حاصل ہوئی
ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم
اب رہا وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا
یہ وہی حق ہے کہ جو ہے واسطے باطل کے سم
جس سے ہو گی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود
اور ہوں گے ہاتفانِ غیب گونگے یک‌قلم
جو مٹائے جائے گا باطل کی ظلمت کے نشاں
صبح صادق کی نہ ہوگی روشنی جب تک عیاں

۱۶

ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یک سو نہ تھی
اس کو امرِ اتفاقی جاننا ہے ابلہی
یہ بھی کہنا غیر ممکن ہے کہ تھی اسلاف میں
تجربے کی ، عقل کی ، تدبیر و جرأت کی کمی
ہاں مگر تقدیر پر ہے جب کہ ہر شے کا مدار
چاہیے کہنا کہ تقدیرِ الٰہی تھی یہی
اکبر اور **شاہِ جہاں** کی ذات میں کیا کچھ نہ تھا
سلطنت کی جو لیاقت چاہیے وہ ان میں تھی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ما سبق)

یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور ان کی طرز حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے - اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے اور قاعدے سب محو ہو جائیں گے اور اُن کی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائیں گی - اور جب تک کہ ہندوستان میں صبح صادق علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہ ہوگی ، برابر قدیم زمانے کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہے گی - (حالی)

دھاک **نادرشاہ** کی بھی کم نہ تھی شیروں سے کچھ
فتح ان کی پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی

آج یہ صوبہ پھرا، کل ملک وہ باغی ہوا
عہد میں سب کے یہی نقشہ، یہی صورت رہی

دُور تھا وہ دن کہ سر ہوں ایک در پر سب کے خم
ہند کی فوجیں ہوں ساری زیرِ سلطانی علم

۱۷

راج پر راجا **اشوکا** کے ہیں وہ لاٹھیں گواہ
جن پہ فرماں اس کے اب تک ثبت ہیں بے اشتباہ

ہند میں از بس کہ وہ لاٹھیں گڑی ہیں دور دور
ہے ہویدا ان سے اس کی وسعتِ تمکین و جاہ

پر نشانِ فتح جو اول **پلاسی** میں گڑا
اور پھر کابل میں پہنچی چرخ تک اس کی کلاہ

مدتیں گزریں کہ وہ آتر سے لے کر تا دکن
کر چکا ہے حد سے ان لاٹھوں کی بڑھ کر قطعِ راہ

پورب اور پچھم میں بھی ڈالا ہے اس نے دور دور
سایۂ عدل و نکوئی، پرتوِ امن و رفاہ

ہم نے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں جو کندہ حروف
وہ رہیں گے منتقش اس پر ہزاروں سال و ماہ

نام ہے **وکٹوریا** کا ان سے بڑھ کر پائدار
نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جس کا استوار

۱۸

مشرقی تاج آج تک تھا پیشِ ربِ ذوالمنن
اک امانت جس سے محرم تھا نہ فرقِ مرد و زن
قبضۂ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ
مر گئے اس کی تمنا میں سلاطینِ زمن

ہاں مگر اے فخرِ شاہانِ جہاں **وکٹوریا!**
تھی ترے فرقِ مبارک سے لگی اس کی لگن
گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج
اس سے کہہ دو لایقِ حلوا نہیں ہے ہر دہن
گو بہت دنیا میں شاہ و شاہانو ہیں مگر
بانوے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن

ماں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب
اور نہ ماں کو ایسی بیٹی اور نہ دولھا کو دلھن
نیک نیت پاک دل ایسے بشر ہوتے نہیں
رنج سہنے کے لیے ایسے جگر ہوتے نہیں

۱۹

وہ جزیرہ جو کہ روئے بحر پر ہے مثلِ خال
دھوپ کا اور روشنی کا جس کی سرحد میں ہے کال
جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثارِ قدرت ناپدید
کچھ نہیں آتا نظر جز ذاتِ ربِ ذوالجلال

یعنی انگلستان، ہے جس کی حقیقت اس قدر
شاید اس کے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال
کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے
سرزمینِ ہند پر ہے جس کی وسعت کا یہ حال

اس سے کہہ دو، خوں بہے اولاد کا اس کی جہاں
آبِ باراں کی طرح اور بحر و بر ہو جائیں لال
جس کے لینے اور بچانے کے لیے لاکھوں شجاع
جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئے ہیں پائمال
مفت اسے ہاتھوں سے کھو دینا روا ہو کس طرح؟
خوں بہا ان سورماؤں کا ادا ہو کس طرح؟

۲۰

اور سب جانے دو کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں؟
یا فتوحاتِ نمایاں لائقِ وقعت نہیں ؟
پے بہ پے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر ، کیا
دوش پر اک قوم کے پیرایۂ عزت نہیں ؟
واسطے اولاد کے میراث جس کو چھوڑ جائیں
اس قدر بھی دولتِ عزت میں کیا برکت نہیں؟
سمجھے اس دولت کو جو ناچیز اس کی روح کو
جسمِ خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ سبقت نہیں
بحث کرنی اس سے لاحاصل ہے ، سمجھا دو اسے
تجھ کو انگلستان کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں
ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو برا
جس کی فطرت میں کہ حیوانوں سے کم خست نہیں
ننگِ ذلت ہے نہ کچھ پروائے عزت ہے جسے
ہر مذلت اور پستی پر قناعت ہے جسے

۲۱

جرأتیں **اسپارٹا** سے یہ نہ ہوتیں آشکار
گر بزرگوں کی مہمیں واں نہ ہوتیں یادگار
جب بڑوں کے اپنے ساکے یاد آتے تھے انھیں
آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار

سورما **تھرموپلی** کا نام سن پاتے ہیں جب
جوش میں آتے ہیں کیا کیا اُن کے دل بے اختیار
آئے ہیں اس معرکے میں کام جو شیرِ جری
نسل میں اُن کی وہی عزت رہے گی برقرار
جو کہ **دھلی** یا **اسائی** میں ہوئے ہیں فتح یاب
ہم وطن بھائی ہوں اُن کے یا عزیز اور دوست دار
جی چرائیں گے نہ ہرگز جان دینے سے کہیں
فی المثل گر دس گنی طاقت سے بھی ہوں گے دوچار
تا کہ فتحِ **دھلی** و فتحِ **اسائی** کا شرف
قوم میں باقی رہے گو اپنی جانیں ہوں تلف

۲۲

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتابِ اولیں
جس نے ڈالی تھی بشر کی ذات میں بنیاد کیں
تفرقے نے توڑ کر پھینکا تھا سب کو دور دور
تھی پڑی جس وقت بن بوئی جتی ساری زمیں
کون ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر
ہو وہی پہلا عتاب انسان پر نازل کہیں
قومیں آپس میں بہت رکھتی ہیں یاں جو میل جول
ان کی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دور بیں
ایک حاکم کی رعیت دوست ہوتی ہے سدا
گر نہ ہو تو ایک دن ہو جائے گی وہ بالیقیں
قوت اور امن و خوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق
ثمرۂ نااتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں
نوعِ انساں میں بدی سے جو کہ پھیلا تھا نفاق
کرتا جاتا ہے زمانہ اس میں پیدا اتفاق

۲۳

ہے زبردستوں کا یارو بول بالا آج کل
پودنے کی اصل کیا، دیووں کا ہو جس جا خلل[1]
اک ذرا سی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اس کا تمام
دیو کی جنبش ہے اس کے حق میں پیغامِ اجل
دے گر انگلستان کا ساری رعیت مل کے ساتھ
تنگ ہو جائے عدو پر عرصۂ جنگ و جدل
ورنہ وہ ملت کہ جو دو براعظم پر ہے آج
سایہ افگن صورتِ نخلِ تناور، فی المثل
کیا تعجب ہے کہ اس کا سایۂ دور و دراز
رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل
سامنے اس قوم کے انگلینڈ کی ہے وہ مثال
جیسے اک بالشتیا آجائے پیشِ مردِ یل
وقت پر سب مل کے گر اس کا نہ دیں گے ساتھ یاں
اک طرف ہو جائے گا پلہ ترازو کا گراں

۲۴

نوعِ انساں کو ملی ہے جب کہ عقلِ ناتمام
پھر حماقت ہے کہ کیجے آج، کل کا اہتمام
بات جو کل ہو چکی اس کی بھی حسرت ہے عبث
رہتے ہیں آج اس لیے ہر حال میں ہم شادکام
جب کہ اک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم
دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہم کو کام
کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کی طرف
کر چکے ہیں قطع تھے یاں پرخطر جتنے مقام

۱- یہ روس کی طرف اشارہ ہے۔ انگلینڈ کو پودنے اور روس کو دیو سے تشبیہ دی ہے۔ (حالی)

آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب
خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام
جب بلندی پر سے دیکھیں جھک کے پستی کی طرف
شکرِ حق لائیں بجا اور بخت کو بھیجیں سلام
جو خوشی دی ہے خدا نے اس سے جی ٹھنڈا کریں
یادِ غم ہائے گزشتہ سے نہ دل میلا کریں

۲۵

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا
جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا
اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
اور آزادی نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا[1]
مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے ہے معمور سب
پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما
سر پہ دو تاجِ ہمایوں ہند کے رکھے گئے
واجبی حق الغرض مدت کے بعد اس کو ملا
برخلاف اس ملک کے جو ڈھک رہا ہے برف سے
ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاں دار کا[2] (ق)
بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں بنوں میں چیڑ کے
تا کہ جو مل جائے واں آوارۂ دشتِ بلا
کرکے چھوڑیں اس کو ایسا بے کس و بے خانماں
حشر تک پیارے رہیں فرقت میں اس کی نوحہ خواں

---

۱ - یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہے - ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے - گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں - (حالی)

۲ - یہ روس کے ویران اور غیرآباد ملک کی طرف اشارہ ہے - (حالی)

۲۶

بارے ایسی ہند کی حالت نہیں زار و نزار
ہے موافق اس کی وسعت کے رعیت کا شمار
فرض کیجے ، کل بنی‌آدم کے چھ حصے اگر
ایک حصہ اس میں اہلِ ہند پائیں گے قرار
ہے یقیں مقدار اس کی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ
کیوں کہ فتنے کو نہیں مدت سے ملتا اس میں بار
زندگی کی ریت اب شیشے میں ٹھہرے گی سوا
پیش تر جس کے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار
اس قدر بندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو
ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
کچھ نہیں تو قحط کا دورہ سلامت چاہیے
بڑھنے پائے گا نہ آدم زاد کا حد سے شمار[1]
یاد رکھ اے منکرِ حق ہے یقیں اصلِ نجات
وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہِ مشکلات

۱- اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں خضرائے دمن اور حشرات‌الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں - کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لیے یہ امید ظاہر کرتا کہ جس قدر تجارت ، سیاحت اور علوم و فنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائے گی ، اسی قدر یہاں کے باشندے ترک وطن اختیار کرتے جائیں گے اور اسی طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آ ٹھہرے گی - اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے - اوپر کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مردم شماری زیادہ ہونے سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لیے کافی نہ ہو اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھوک سے مرنے لگیں - اس اندیشے کو وہ اس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوک سے مرتے رہیں گے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائے گی اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی - گویا بھوک سے مرنے کا علاج بھوک ہی سے مرنا بتاتا ہے - (حالی)

۲۷

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی ہے یاں
لاکھوں جاں داروں کے رہنے کو علیحدہ اک جہاں
وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا انھیں
کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دے گا قوت و ناں
ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دو اسے
تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں
ہے اگر غلبے کا کثرت پر رعایا کی مدار[1]
ہند ہوسکتا ہے آدھے ایشیا پر حکمراں
کچھ بھی ہمت ہو اگر اس میں تو پھر ممکن نہیں
آنکھ اٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستاں
بلکہ خود لے جائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ
اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشاں
اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو وہ کیے جائے بسر
عزت ، آزادی ، بزرگی ، آبرو سے اپنے گھر

۲۸

مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اس قدر
ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
ایسے سلطانِ بلنداقبال و فرخ فال کو
اور پھر کیا چاہیے کچھ بھی قناعت ہو اگر

۱- غلبے کا مدار کثرت رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات تہہ نشیں ہونی چاہیے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لیے حکومت کی جاتی ہے - جب تک رعیت کو اس بات کا یقین نہ ہو ، کیوں کر امید کی جا سکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جاں نثار ہوگی ؟
(حالی)

ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسرِ **کشمیر** آج
یا کوئی گنگا کے میداں سے زمیں زرخیز تر
شہر ہے جو مرکزِ کشمیر[1] مانندِ طلسم
طرفہ کیفیت سے ہے لہروں میں **ڈل** کی جلوہ گر

دیکھتے ہیں آبِ صافی میں جب اس کا انعکاس
دوسرا **وینس** کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
باغِ **شالامار** جو رونق فزا ہے اس کے پاس
ہے وہ اک نیرنگِ قدرت کا تماشا سربسر
سبزہ و نسرین و گل کی سرزمیں کہیے اسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کہیے ، اسے

۲۹

فی المثل تختہ زمرد کا ہے واں اک سبزہ‌زار
سایہ افگن اس طرح ہیں ہوبہو اس پر چنار
جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر
زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار

تھی بنانے سے غرض تیرے پرے باغِ **نسیم**
باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئی
جا بہ جا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ‌دار

ان کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا
سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائیں گی پار
روزِ روشن میں جب اُن کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اس کے پھر کوئی دیکھے بہار

---

۱ - مرکز کشمیر سے مراد سری نگر ہے۔ (حالی)

اور پھر جھرمٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف
(سامنا آفت کا فتنے کا بلا کا ہر طرف)

۳۰

جنت اے **کشمیر** کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں
تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں
ہر چمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکاں ہر مکیں
ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں
جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں
یعنی اقلیمِ ابد اور یہ جہانِ خامشی
طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونوں کہیں
طرفہ سناٹا ہے **اس سنسان کوہستان** پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دل نشیں
ہیں سراسر نا پدید آثارِ انسانی یہاں
منہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

۳۱

ڈھونڈھیے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال
ظاہرا آن کا اور **انگلستان** کا ہے ایک حال
جیسے وادی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ
وہ بھی پستی سے یونہی پہنچا ہے تا اوجِ کمال
ہے یقیں رستے ہی میں ہوجائے کام ان کا تمام
ہو جنھیں اس کی بلندی تک پہنچنے کا خیال

تاپتی پر آکے انگریزوں نے جب کھولی دکاں
ایک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال

یعنی اس دم تک کہ سکھوں سے ہوا گہرا بگاڑ
اور دریا ہوگئے **پنجاب** کے سب خوں سے لال

لشکرِ **مقدونیہ** کی قتل‌گاہوں پر ہوا
بعدِ مدت گرم پھر ہنگامۂ جنگ و جدال

اہلِ انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنے کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

۳۲

جب بغاوت نے اٹھایا سر تو اس سے بھی سوا
آگ بھڑکی مرگ کی اور خون کا دریا بہا

عورتیں اور اُن کے بچے بے‌گنہ مارے گئے
گھر جلے اور دشمنِ جاں ہوگئے خود دست و پا

بھائی بندوں کی جفائیں دیکھ کر غمگیں ہوئے
اہلِ انگلستان کے ساتھی جو تھے اہلِ وفا

اور ہزاروں نے یہ باندھا مل کے منصوبہ کہ بس
عزت انگلستان کی اب خاک میں دیجے ملا

صفحۂ ہستی سے نام ان کا مٹانے کے لیے
ہو گیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا

لیکن ان کی گھات میں تھا شحنۂ قہر و غضب
پھنس گئے پنجے میں اس کے یک بیک اہلِ خطا

پلہ انگلستان کا ہو کر رہا آخر گراں
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اس کے نشاں

۳۳

گو ہوئی **دلّی** پہ حاصل برملا فتح و ظفر
پرچمِ اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر
پر نہ اس فتحِ نمایاں کا ہوا اعلان کچھ
وسوسوں سے دل رہے سب اس لیے زیر و زبر
چونک چونک اٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی سے لوگ
کرگئی دنیا سے گویا فارغ البالی سفر
صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہو جاتی تھیں وہ
شکلیں ہیبت‌ناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر
رائے یہ ٹھہری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب
تابعِ فرماں ہیں جس فرماں‌روا کے بحر و بر
قوتِ بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے
وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اس کے فرق پر
تا کہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا
عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

۳۴

اس نویدِ روح‌پرور کی اشاعت کے لیے
ہند میں آیا **پرنس آف ویلز** انگلستان سے
ایلبرٹ اڈورڈ جس کے دودۂ اقبال میں
سو جلیل القدر سلطاں اب سے پہلے ہو چکے
جس کے دادا نے کیا زیر و زبر نظمِ **فرانس**
اور بتاتا ہے لقب جس کا پتے اس جنگ کے
دی فرانسیسوں کو جس میں زک وہ انگلستان نے
جس سے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے

حاکمِ **بوہیمیا** کی چھین لی تھی جس میں ڈھال
خود ولی عہدِ زماں نے یاریِ اقبال سے
جس میں کلمے اعترافِ بندگی کے برملا
حاکمِ بوہیمیا کے دستخط سے ثبت تھے
جمع تھے جس ذاتِ والا میں فضائل اس قدر
وہ ہوا مامور اس کارِ عظیم الشان پر

۳۵

وہ مبارک وقت جب لنکا سے لے کر تا عدن
اس کے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن
راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارک‌باد کے
جوشِ شادی میں در و دیوار تک تھے نغمہ زن
شہر میں جنگل میں ہر میدان اور ہر راہ میں
جمع تھی اس کے لیے خلق انجمن در انجمن
وہ سہانے بول شہنا کے وہ باجوں کی جھڑی
پڑ رہی ہے جن کی گویا کان میں اب تک بھرن
کھنچ چکے ہیں اس ہمایوں جشن کے نقشے بہت
میں بھی اے **وکٹوریا**، اے فخرِ شاہانِ زمن!
چاہتا ہوں کھینچنا اک خاکہ اس دربار کا
جس میں کی تو نے قبائے قیصری زیبِ بدن
جس میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے
جو کہا تھا منہ سے آخر کر دکھایا قوم نے

★

(۲) انگریزی اشعار کا ترجمہ

[یہ نظم اسی عنوان سے دیوان حالی کے آخری حصے (اشعار متفرقہ) میں چھپی ہے (مرتب)]

وہ دل‌ربا اُمیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا
جب دور تیرے دل سے ہو جائیں گی سراپا

وہ عالمِ جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں
جائے گا ٹوٹ جس دم اُس کا طلسم سارا

جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تو نے اس کو
تھا جو کہ تجھ کو اپنا آرامِ دل سمجھتا

چل دیں گے جب وہ سارے ان بلبلوں کی مانند
بعد از بہار جو رخ کرتی نہیں چمن کا

جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
کون آ کے دے گا تجھ کو اس کے سوا سہارا

بے مہریوں سے تو نے جس کو کیا ہے غم گیں
تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آ کے لے گا

جس طرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جا کر
پھر موسمِ خزاں میں آ کر ہے ہم سے ملتا

★

(۳) ناقدری

(گرے کے اشعار کا ترجمہ[1])

موتی ہزار قعرِ سمندر میں ہوں نہاں
پر یہ بتاؤ ان کا خریدار ہے کہاں
کھلتے ہیں پھول سیکڑوں ویران دشت میں
ہے کون رنگ و بو کا وہاں اُن کے قدرداں

(۴) واقعۂ ہجرت[2]

(حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اشعار کا منظوم ترجمہ)

(عربی اشعار)

وقیت بنفسی خیر من وطئی الحصیٰ
و من طاف بالبیت العتیق و بالحجر
رسول الہ خاف ان یمکروا بہ
فنجاہ و فی حفظ الالٰہ و فی ستر

---

۱ - مولانا حالی نے گرے کی مشہور نظم (Elegy) کے ایک بند کا ترجمہ نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سیکریٹری محمڈن کالج علی گڑھ کے برادر معظم کی فرمائش پر کیا تھا - یہ اشعار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (مورخہ ۲ اپریل ۱۹۱۳ع) سے جواہرات حالی کے آخری صفحے پر نقل کیے گئے - گرے کی نظم کا بند درج ذیل ہے :

Full many a gem of purest ray serene
The dark unfathomed caves of ocean bear

Full many a flower is born to blush unseen
And waste its sweetness on the desert air.

۲ - شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اشعار اور حالی کا ترجمہ، نقوش کے شمارہ نمبر ۹۶ میں شائع کرایا - اُن کا بیان ہے کہ حالی کا یہ ترجمہ ۱۹۱۷ع میں انھوں نے مولانا مرحوم کی ایک بیاض سے نقل کیا تھا لیکن اصل عربی اشعار کے بغیر اسے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اقام ثلثاً ثم ذمت قلائص
قلائص تغرین الحصیٰ این ما تغر
و بت آراعیھم و ما یثبتونني
فقد وطنت نفسی علی القتل و الاسر
اردت بہ نصر الالٰہ تبتلاً
و اضمرتہ حتیٰ آوسد فی قبر

(ترجمہ)

رسولِ مطہرؐ کہ ہے اس سے کم تر
زمیں پر خدا کی جو ہے چلنے والا
پھرے گرد کعبے کے جو یا پھریں گے
وہ قدر و بزرگی میں ہے سب سے بالا
ہوا خوفِ اعدا ، تو اس پر سے میں نے
سپر بن کے خود شرِّ اعدا کو ٹالا
بچایا آسے مکرِ اعدا سے حق نے
وہ جو سب پہ ہے لطف و احسان والا
خدا خود رہا غار میں آس کا ایمن
کہ پردہ تھا آس نے سب آنکھوں پہ ڈالا
ہوئے تین دن جب تو اس حد سے باہر
سواروں نے ناقوں کو اپنے نکالا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)
جواہرات حالی میں شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا ۔ بعد میں خلیفہ سید محمد حسن ، وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کی کتاب اعجاز التنزیل میں حضرت علی کے اشعار مل گئے ۔ مولانا حالی نے یہ ترجمہ خلیفہ سید محمد حسین ، میر منشی ریاست پٹیالہ کی فرمائش سے ۳۰ نومبر ۱۸۸۶ع کو بہ مقام لاہور کیا تھا ۔ (نقوش نمبر ۹۶ ۔ سالنامہ جنوری ۱۹۶۳ع ۔ ص : ۲۸ - ۲۹)

وہ ناقے جنھوں نے کہ پیروں سے اپنے
گئے جس زمیں پر اُسے پیس ڈالا

میں اعدا کی ایذا کا تھا منتظر واں
نہ بیڑی ہی تھی شاق مجھ پر نہ بھالا

غرض اس سے تائیدِ حق تھی اور اب بھی
ہی دھن ہے تا وصلِ ایزد تعالیٰ

★★★

فصل یازدهم

متفرقات و نوادر

متفرقات

اشعار غزلِ ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں چین ایک دن نہ پایا
یہ جان ہے بدن میں یا خار پیرہن میں

حاضر ہو جب نہ دل ہی ہے باغ و راغ یکساں
ہم دوستو گئے تو پر کیا گئے چمن میں

ہے اک خراش دل میں ڈر ہے کہ بھر نہ آئے
زخمی ہے قیرواں میں اور مشک ہے ختن میں

تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہے ورنہ
اے فاختہ دھرا کیا ہے سرو و نارون میں

ایضاً

کس قدر یارو ہوا ہے انقلاب
آ گیا یاروں کے اقراروں میں فرق

خود بتائے گا تمھیں دورِ زماں
بے وفاؤں اور وفاداروں میں فرق

ان پہ ہم قرباں ہیں وہ ہم پر نثار
ہے بہت پیاروں میں اور یاروں میں فرق

ایضاً

گر نہ ہو نیتِ گدا میں فرق
آئے کیوں شاہ کی عطا میں فرق

ہیں وفادار اور بھی لیکن
ہے مری جاں وفا وفا میں فرق

★

اشعار قصیدۂ نا تمام

یادِ ایام کہ تھی باغِ جوانی پہ بہار
نظر آتا تھا خزاں میں بھی زمانہ گلزار

نشے میں چور تھے اک بادۂ پُرزور کے ہم
جس کا راحت میں نہ کلفت میں اترتا تھا خمار

سر پہ وہ دیوِ قوی آکے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جس کا نہ عامل نہ سیانے کو آتار

روکتا تھا نہ جسے غار نہ خندق نہ کنواں
ہم تھے اس توسنِ سر زور پہ دن رات سوار

رہتے تھے اس شترِ مست کی صورت بے قید
ہاتھ سے جس نے شتربان کے تڑا لی ہو مہار

پندگو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دل سوز
ان کی صحبت سے تھے اتنے ہی زیادہ بیزار

خیر خواہ اور تھے غمخوار و مربی جتنے
ان کی صورت سے ہمیشہ ہمیں چڑھتا تھا بخار

مل کے ہمجولیوں سے جان میں جان آتی تھی
ہنسنے اور بولنے پر زیست کا تھا اپنی مدار

اب اُمنگیں ہیں وہ دل میں نہ ترنگیں باقی
تیرے اے عمر گئے اب وہ کہاں لیل و نہار

حالی کے اُستاد

حالی سخن میں **شیفتہ** سے مستفید ہے
غالب کا معتقد ہے مقلد ہے **میر** کا

دوست کا درجہ

دوست اور بھائی ہیں دونوں قوتِ بازو مگر
جب کروگے وزن پلہ دوست کا ہوگا گراں

دوست گر بھائی نہ ہو تو اس میں کچھ نقصاں نہیں
گر نہ بھائی دوست ہو بدخواہ ہے وہ بے گماں

تمہید رقعہ شادی عروسی

شکر کیجے کون سی نعمت کا خالق کی ادا
ایک سے ہے ایک نعمت اس کی بندوں پر سوا

اس کی قدرت کے خزانوں میں نہیں ہرگز کمی
جس نے جو مانگا وہی اس نے مہیا کر دیا

نخلِ تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو
سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب و ضیا

کھیتیوں کو مینہ دیا ، ماں باپ کو اولاد دی
اس سے دی دنیا کو رونق اس سے آنکھوں کو جلا

عمر روز افزوں عطا فرمائی پھر اولاد کو
کل چھٹی تھی جن کی ہے دن آج ان کے بیاہ کا

آؤ اس کے شکریے میں مل کے باہم شاد ہوں
تاکہ صورت سے ہو ظاہر شکرِ انعامِ خدا

ایضاً

چھٹی ، بیاہ یا تیج تہوار ہو
لبِ آب یا صحنِ گلزار ہو

گل و لالہ ہو یا ہو عطر و گلاب
مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب

یہ سارے خوشی کے ہیں سامان جب
کہ ہوں ایک جا جمع احباب سب
بزرگوں سے محفل کی شوکت بڑھے
عزیز اور پیاروں سے عزت بڑھے
جہاں اس طرح جمع ہوں چار یار
ہیں اس بزم پر لاکھ گلشن نثار

★

قطعات تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

[راقم کو فی الواقع مادۂ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہیں ہے اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہے تو نہایت دقت سے اکثر تخرجہ یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اس کے بھی تاریخ سرانجام ہوئی ہے - بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مادۂ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اس پر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے - لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ کو جزو شاعری سمجھا گیا ہے، اس لیے طوعاً و کرھاً یاروں کی فرمایش سے اور کبھی کبھی اپنی اپچ سے بھی تاریخیں لکھنی پڑی ہیں -

ایک بزرگ کے پاس لوگ تعویذ گنڈے کے لیے آیا کرتے تھے - ایک روز فرمانے لگے کہ عباسیوں کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا - لوگ ایک قفل کو بند کرکے اس کے پاس لے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہے تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھول دے - اس نے کہا بھائی میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے آہنگری کا نہیں - ان کا مطلب اس نقل سے یہ تھا کہ ہم نے خدا کی طلب میں درویشی اختیار کی تھی، یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور

سیانا بھی بننا پڑے گا - یہی حال ہمارے ملک میں ان لوگوں کا ہے جو شاعری میں بدنام ہیں - وہ اور تو کسی مصرف کے سمجھے نہیں جاتے اور درحقیقت ہیں بھی نہیں ، البتہ لوگوں کی غرض کبھی کبھی ان سے اس وقت متعلق ہو جاتی ہے جب کوئی مہتم‌بالشان واقعہ ظہور میں آتا ہے - مثلاً کسی اصطبل کی مرمت ہوئی یا گھوڑا آختہ کیا گیا یا کسی کی مینا مر گئی ، یا مرغ پالی جیتا یا بلی نے بچے دیے - ایسے وقت میں شعرا کو مقابلہ کے امتحان کا موقع مل جاتا ہے - جو شخص مادۂ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمائش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہے اس کا فی‌الجملہ اعتبار بڑھ جاتا ہے -

راقم چونکہ تاریخ نکالنے میں سدا سے ہیٹا تھا ، اس لیے ہمیشہ اس امتحان سے کتراتا رہا - لیکن بری بھلی چند تاریخیں جو کبھی کبھی دوستوں یا بزرگوں کی فرمایش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھی تھیں ان میں سے جس قدر سردست بہم پہنچیں دیوان میں شامل کر دی گئیں تا کہ دیوان کے ضروری اخلاط میں سے ایک خلط کم نہ ہو جائے - (حالی)]

۱- تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دھلوی

غالب نے جب کہ روضۂ رضواں کی راہ لی
ہر لب پہ آہِ سرد تھی ہر دل میں درد تھا
اس دن کچھ اہلِ شہر کی افسردگی نہ پوچھ
دنیا سے دل ہر اپنے پرائے کا سرد تھا

حالی کہ جس کو دعویِ تمکین و ضبط ہے
دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا

تھا گو وہ اک سخن‌ور ہندوستاں نژاد
عرفی و انوری کا مگر ہم‌نبرد تھا

اس قافلے میں آ کے ملا گو وہ سب کے بعد
اگلوں کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا

ہم اور صبح و شام یہ اندوہِ جاں‌گزا
دل تھا کہ فکرِ سال میں بے صرفہ گرد تھا

ناگاہ دی یہ **غالبِ** مرحوم نے صدا
سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی میں فرد تھا

تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر ''فکر''[1]
''حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''

۲ - تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دھلوی

جب ہوئے **ناصر وزیر** راہیِ ملکِ بقا
سب ہوئے اندوہ‌گیں شہر کے برنا و پیر

دل نے کہا ہر جگہ پھبتی ہے چیز اک جدا
باغ میں نسرین و گل چرخ پہ مہرِ منیر

عیش میں شعر و غزل سوگ میں تاریخِ مرگ
غیب سے آئی ندا ، ''خلد میں ناصر وزیر''[2]

۱- یہ تاریخ غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرع سے نکالی گئی ہے ۔ ان کی غزل کا مقطع یہ ہے :

یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اخیر مصرعہ کے عدد ۲۷۹۶ ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے لفظ تاریخ کے عدد ۱۲۱۱ اور فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تخرجہ کیا گیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی ان کا سال وفات ہے ۔ مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی : ۲۷۹۶ - (۱۲۱۱ + ۳۰۰) = ۱۲۸۵ھ ۔ (حالی)

۲- ۱۲۹۸ھ

۳ - تاریخ طبع جغرافیہ[1] بے مثال

مؤلفہ خواجہ شہاب الدین صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج
چھپا ، مژدہ اے طالبانِ کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ
عیاں جس سے ہے ربعِ مسکوں کا حال
ملی طرفہ تر اس کی تاریخِ طبع
وہ خود طرفہ ہے جیسے بے قیل و قال
اگر سالِ ہجری کی ہے جستجو
تو ''جغرافیہ'' خود بتاتا ہے سال
ہو مطلوب تاریخ گر عیسوی
کہو اس کو ''جغرافیہ بے مثال''[2]

۴ - تاریخ تالیف قواعد اُردو

مؤلفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اُردو کی کہ جس کا
بیاں شافی ہے اور ترتیب محکم
کتابیں اس سے پہلے تھیں بہت سی
زیادہ حجم میں اور نفع میں کم
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ
کہ ہیں جس میں قواعد سب فراہم
وجود اس کا ہے گو سب سے مؤخر
پہ خوبی میں ہے اکثر سے مقدم

۱- ۱۲۹۹ھ -
۲- ۱۸۸۲ع -

جو قیمت پوچھیے تو ہے بہت سہل
نہ دینار اس میں لگتے ہیں نہ درہم
اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب
تو ہے اے طالبو! ''اکسیر اعظم''

۵- تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃالعلوم مسلمانان واقع علی گڑھ بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم بحسن سعی جناب آنریبل سرسید احمد خان بہادر

ہدایت کیجیے گر سال ہجرت کی محرم سے
تو کہیے سال بعثت کا مہ شوال کو مبدا
کلام اللہ اترا آخرِ ماہِ مبارک میں
ہوا اس واسطے شوال مبدا سال بعثت کا
نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے
بنایا جس نے دارالعلم کا یہ چشمۂ زیبا
ز روے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش
کہا ہاتف نے **حالی** سے کہ ''چشمہ فیض احمد کا''

۱۳۱۲ھ

۶- تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارۂ تعلیم عام نے
ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب
دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی
اب ترجمہ اسی کا مرتب ہوا ہے خوب
ہیں لفظ دل کشا تو مضامیں ہیں دل نشیں
ہے ترجمہ نفیس تو طرزِ ادا ہے خوب
چھپ کر ہوا تمام تو **حالی** نے یوں کہا
''دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب''

۱۸۸۲ ع

۱-۱۳۰۶ھ

۷ - تاریخ وفات مولانا محمد حسین آزاد

آزاد وہ دریائے سخن کا دُرِ یکتا
جس کی سخن آرائی پہ اجماع تھا سب کا

ہر لفظ کو مانیں گے فصاحت کا نمونہ
جو اُس کے قلم سے دمِ تحریر ہے ٹپکا

ملکوں میں پھرا مدتوں تحقیق کی خاطر
چھوڑا نہ دقیقہ کوئی رنج اور تعب کا

دیکھا نہ سنا ایسا کہیں اہلِ قلم میں
تصنیف کا ، تدوین کا ، تحقیق کا لپکا

صحت میں، علالت میں، اقامت میں، سفر میں
ہمت تھی بلا کی تو ارادہ تھا غضب کا

فرض اپنا ادا کرکے کئی سال سے ، مشتاق
بیٹھا تھا کہ آئے کہیں پیغام طلب کا

آخر شب ، عاشور کو تھی جس کی تمنا
آ پہنچا نصیبوں سے بلاوا اُسے رب کا

تاریخِ وفات اُس کی جو پوچھے کوئی **حالی**
کہہ دو کہ ''ہوا خاتمہ اُردو کے ادب کا''

۵ ۱ ۳ ۲ ۷

۱- شیخ محمد اسماعیل صاحب نے نظم کے عنوان کے نیچے یہ نوٹ تحریر فرمایا ہے : ''یہ اشعار شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی کی وفات پر کہے گئے تھے جو ۱۹۰۹ میں واقع ہوئی تھی (ج - ح ص ۹۷) - حالی کے مادۂ تاریخ سے بھی ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) برآمد ہوتا ہے - لیکن آزاد کی صحیح تاریخ وفات ۹ محرم ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء ہے (داستان تاریخ اُردو طبع دوم ص - ۳۸۶) - نئے سن کے آغاز میں اس قسم کا سہو قرین قیاس ہے - (مرتب)

تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفٰے خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

''جزاھم بما صبروا جنات و حریرا''

۱۲۷۷ھ

اس آیۂ قرآنی میں ''بما صبروا جنة وحریرا'' ہے۔ چونکہ تاریخ وفات میں ایک عدد کی کمی رہتی تھی اس لیے جنة کی جگہ ''جنات'' کر دیا گیا ہے جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجائے ''فروح و ریحان و جنت نعیم'' کے ''ھنا روح و ریحان و جنات النعیم'' کر دیا ہے۔

چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بے نظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیے تھے اس لیے اس آیت کا مضمون ان کی وفات کے نہایت مناسب تصور کیا گیا۔ یعنی جناب باری نے بعوض ان کے صبر کے بہشت کا لباس ان کو عنایت کیا۔

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خاں مرحوم ولد اوسط نواب محمد مصطفٰی خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد

''و حلوا اساور من فضة''

۱۲۹۴ھ

چونکہ عزیز موصوف ایک وجیہ و شکیل آدمی تھے اور ان کی وفات عنفوان شباب میں واقع ہوئی تھی اس لیے یہ آیت ان کی تاریخ وفات کے لیے نہایت مناسب اور موزوں سمجھی گئی۔ اللہ تعالٰی اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''پہنائے گئے ان کو چاندی کے کنگن'' بجائے مضارع

کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے - گویا ان کی مغفرت ہو چکی اور اہل جنت کے تمام حقوق ان کو مل چکے -

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی اور پھر ایک ہی سورت یعنی سورۂ دہر سے نکلی اور دونوں آیتیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں -

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاست گاہ بہاولپور

''کانہ صرح ممرد من القواریر''

۹۶ ۵۱۲

قرآن مجید میں اصل آیت ''انہ صرح ممرد من قواریر'' ہے - تاریخ میں بہ ضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام انہ، کی جگہ کانہ کر دیا گیا ہے مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے اس لیے ''قواریر'' میں الف لام بڑھا کر ''القواریر'' کر دیا گیا ہے -

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس ، اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اس کو شیش محل کے صحن پر جس میں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے - اس نے فوراً پائنچے چڑھا لیے - حضرت سلیمان نے کہا : انہ صرح ممرد من قواریر (یعنی یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں)- تاریخ بنا میں انہ کی جگہ کانہ کر دینے سے یہ معنی ہوگئے کہ گویا یہ وہی سلیمان کا شیش محل ہے -

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمائش سے جو اس وقت بہاولپور میں ملازم تھے، لکھی گئی - مگر ایسا سنا گیا تھا کہ پسند نہیں آئی - نہ اس لیے کہ اس میں دو جگہ اپنی طرف سے

تصرف کیا گیا ہے بلکہ اس لیے کہ نواب صاحب کا نام اس میں نہیں تھا ۔

تاریخ ولادت فرزند

در حرم سرائے نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

''لحاش لله ما هذا بشرا ان هذا الا ملک کریم''

اس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۸ھ اس طرح نکلتے ہیں کہ آیت کے جملۂ اولیٰ یعنی لحاش لله ما هذا بشراً کے اعداد ۱۶۵۴ ہیں ۔ ان میں سے ہذا کا تخرجہ اور ملک کریم کا بجائے اس کے تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۸ حاصل ہو جاتے ہیں ۔

تخرجہ و تعمیہ کا اشارہ گویا ''ان ہذا الا ملک کریم'' سے نکلتا ہے ۔ کیونکہ اس جملے کا ترجمہ اگر یوں کیا جائے کہ نہیں ہے 'ہذا' مگر ملک کریم تو اس سے یہ مطلب مستفاد ہوگا کہ اوپر کے جملے میں ہذا کی جگہ ملک کریم رکھ دو اور اس طرح ۱۳۰۸ حاصل ہو جائیں گے ۔

اصل آیت میں ''حاش لله'' ہے مگر بہ ضرورت لام اضافہ کرکے 'لحاش' کر دیا گیا ہے ۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے: (حاشالله یہ بشر نہیں ہے یہ تو ہو نہ ہو کوئی معزز فرشتہ ہے ۔ جو عورتیں زلیخا کی فریفتگی پر اس کو ملامت کرتی تھیں جب یوسف دفعۃً ان کے سامنے آئے تو اس وقت جو الفاظ ان کے منہ سے نکلے تھے ان کو قرآن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے ۔

★

نوادرِ حالی

(۱) غیر مدون کلام :-

[مولانا حالی کے غیر مدون کلام میں سے جو چیزیں پہلے دست یاب ہوگئیں وہ کلیات کی مختلف فصلوں میں مناسب جگہ پر درج کر دی گئیں۔ مثلاً پرانی غزلوں کے چند اشعار (فصل اول)، ایک رباعی (فصل دوم)، بچوں کی ایک نظم (فصل ششم)، حضرت علی کے اشعار کا ترجمہ (فصل دہم) چند قطعات فارسی (ضمیمہ ۲ : فارسی کلام) یہاں دور قدیم کی ایک غزل کے چار شعر اور ایک قطعہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ چیزیں اب تک کلام حالی کے کسی مجموعے میں شائع نہیں ہوئیں۔ (مرتب)

قدیم غزل کے اشعار[1]

کچھ کچھ صعوبتیں تو وفا میں ہوئیں مگر
وہ نقش جم گیا کہ مٹایا نہ جائے گا

ہاں التفات تم کو نہیں سب پہ کھل گیا
کب تک نقاب رخ سے اٹھایا نہ جائے گا

اظہارِ رنجِ صحبتِ غیر، اس سے فائدہ
ہم سے تمھاری بزم میں جایا نہ جائے گا

حالی کو دو نہ شعر کی تکلیف ورنہ پھر
یہ خاکسار دل سے بھلایا نہ جائے گا

۱- یہ غزل دہلی کے ایک مشاعرے میں پڑھی گئی تھی اور ''گلدستۂ انجمن ۱۲۸۴ھ (مطبوعہ مطبع اکبری دہلی) میں شائع ہوئی۔ تلامذۂ غالب میں سے حالی کے علاوہ رشکی، سالک، شاداں، ولی، مشتاق، عزیز دہلوی وغیرہ شریک مشاعرہ تھے۔ حالی نے طرح مشاعرہ (''یہ مدعی بغل میں چھپایا نہ جائے گا'') میں چودہ اشعار کی غزل کہی تھی۔ دیوان حالی میں صرف دس اشعار شائع ہوئے ہیں۔ (مرتب)

شیخ اور آئینہ[1]

تھا ایک شیخ دیکھ رہا آئنے میں منہ
اک نوجوان کی جو نظر اس پہ جا پڑی
بولا ''اب اپنی شکل سے شرمانے کا ہے وقت
آئینہ دیکھنے کی رت اے شیخ! اب گئی
پھبتا جواں کو دیکھنا ہے آئنے میں منہ
کندن کی طرح شکل ہے جس کی دمک رہی''
سن کر کہا یہ شیخ نے ''اے طفل سادہ لوح!
چھینٹ اڑ کے تجھ پہ عقل کی اب تک نہیں پڑی
آئینہ میں نہ دیکھوں تو پھر دیکھے اور کون؟
آئینہ دیکھنے کے تو دن آئے ہیں ابھی
ہر روز اک نیا نظر آتا ہے انقلاب
آج آ رہی خزاں ہے جہاں کل بہار تھی
کندن کی طرح مکھڑا تھا جو کل دمک رہا
اس مکھڑے پر ہیں آج جھڑاں جھریاں پڑی،،

★

(ب) مثنوی ''نشاطِ اُمید'' کے محذوف اشعار

[''نشاطِ اُمید'' کے یہ اشعار ، مجموعۂ نظم حالی (طبع اول ۱۸۹۰ء) سے منقول ہیں ۔ بعد کے نسخوں میں سہواً یا عمداً ، یہ ٹکڑا حذف کر دیا گیا ۔ 'مثنویات حالی' اور 'پنج گنج' حالی کے نسخوں میں بھی یہ اشعار موجود

۱۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کی کوشش سے مولانا حالی کے جو تبرکات منظر عام پر آئے ، اُن میں سے یہ نظم رسالہ مخزن لاہور کے شمارۂ ماہ جنوری ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی تھی ۔ (مرتب)

نہیں ۔ طبع اول میں مثنوی کے مندرجہ ذیل (انتیسویں) شعر کے بعد یہ اشعار آئے ہیں :

روپ ہیں ہر پنتھ میں تیرے الگ
ہے کہیں فردوس کہیں ہے سرگ

(کلیات ہذا ، جلد اول ، صفحہ ۳۸۷ ، چھٹا شعر)]

ایک سے ہے ایک انوکھا برن
ہے کہیں محشر ، کہیں آواگون

ایک ادا میں تری لاکھوں رشی
کھپ گئے جن کی نہ خبر کچھ ملی

کوہ ہمالہ میں بہت جا گلے
اور تپشیا میں بہت جل بجھے

تیرے تصور میں ہزاروں ولی
ڈوبے کچھ ایسے کہ نہ اچھلے کبھی

پڑھ دیا زاہد پہ کچھ ایسا فسوں
دل کی تپش اس کی ہے ہر دم فزوں

کر دیا راہب پہ خدا جانے کیا
ہو گیا دنیا سے وہ بیزار سا

جس کو غرض دیکھیے ہے دھن یہی
صوفیِ صافی ہو کہ ہو مولوی

نشۂ اُمید میں ہیں چور سب
ایک پیالے سے ہیں مخمور سب

جب کہ ہمایوں سے چھٹا ملک و تخت
اور پھنسا بندِ حوادث میں سخت

یار رہا اور نہ کوئی غم گسار
دوست و دشمن کے لگے چلنے وار

پھر گئے دلدادۂ فرماں تھے جو
چھٹ گئے وابستۂ داماں تھے جو

گھر میں نہ رہنے کی ملی کوئی راہ
ملک میں لی غیر کے جا کر پناہ

ہو گئے اغیار یگانے سبھی
تو نے مگر ساتھ نہ چھوڑا کبھی

★★★

ضمیمے

(مشتمل بر کلام فارسی و عربی)

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

ضمیمہ (۱)

دیباچہ

ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی

(از مصنف)

نیرھویں صدی ہجری کے وسط تک ہندوستان کے مسلمان بالطبع فارسی زبان میں نظم و نثر لکھنے اور خط و کتابت کرنے کے عادی تھے - جس شخص کو ادب سے مناسبت ہوتی تھی وہ اکثر فارسی زبان کی شاعری اور انشا پردازی میں طبع آزمائی کرتا تھا - اس کا سبب کچھ تو اسلاف کے طریقے کی پیروی کا خیال ہوتا تھا جو عموماً فارسی زبان میں تصنیف و تالیف کرتے تھے اور کچھ یہ وجہ تھی کہ اُردو جو اُن کی مادری زبان تھی زیادہ‌تر بول چال میں اور کسی قدر شعر و سخن میں محدود تھی اور ہر شخص کا یہ کام نہ تھا کہ پہلے ہی پہل شارع عام کے خلاف ہر قسم کی تحریروں میں اُردو زبان کو استعمال کرسکے - بڑے بڑے ذی علم اور لائق اصحاب اُردو زبان میں خط و کتابت کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے - چنانچہ اُردو زبان کے قواعد تک فارسی ہی میں لکھے گئے اور اُردو کے شاعروں کا تذکرہ بھی فارسی ہی میں قلم بند کیا گیا -

ایک اور وجہ اُردو زبان کا رواج نہ ہونے کی یہ تھی کہ اہل علم اور لائق اشخاص اُردو میں تصنیف و تالیف

یا خط و کتابت کرنے کو اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے ۔ چنانچہ مذہبی اور علمی کتابیں اکثر عربی زبان میں اور کبھی کبھی فارسی میں لکھی جاتی تھیں ۔ مگر رفتہ رفتہ زمانے کے انقلاب سے وہ میلان کم ہونا شروع ہوا اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ دونوں زبانوں میں تصنیف و تالیف کرنا یا نظم و نثر لکھنا موقوف ہی نہیں ہوا بلکہ بمقابلہ اُردو زبان کے محض فضول سمجھا جانے لگا ۔ عربی علم ادب تو بہت دن پہلے سے ملک سے رخصت ہو چکا تھا مگر غالب مرحوم اور اُن کے معاصرین کے بعد فارسی شاعری اور انشاپردازی کا بھی خاتمہ ہو گیا ۔

مذکورۂ بالا انقلاب سے تقریباً سولہ سترہ برس پہلے راقم کو فارسی نظم و نثر لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا لیکن ایک عرصے تک وہ خیال میلان طبع کی حد سے آگے نہیں بڑھا ۔ حسن اتفاق سے ۱۸۶۳ع میں میرا تعلق جناب غفران مآب نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم و مغفور ، رئیس دہلی و تعلقہ‌دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کی سرکار میں ، جو کہ فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے ، ہوگیا ۔ اور اس تعلق کی وجہ سے تقریباً آٹھ نو برس ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا ۔ چونکہ جناب ممدوح کا قیام ۱۸۵۷ع کے بعد سے جہانگیرآباد میں رہنے لگا تھا ، جہاں مخاطبِ صحیح کم‌یاب تھا ، اس لیے وہ فکرِ شعر کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے تھے ۔ لیکن جب راقم وہاں رہنے لگا تو رفتہ رفتہ جناب ممدوح کا شوق از سر نو تازہ ہو گیا ۔ اگرچہ اس وقت تک مجھ کو فارسی یا اُردو میں فکر شعر کرنے کا بہت ہی کم اتفاق

ہوا تھا ، مگر جناب ممدوح کو ادھر متوجہ دیکھ کر میرے دل میں بھی تحریک پیدا ہوئی ۔

فارسی یا اُردو کی جس زمین میں وہ غزل لکھتے ، مجھے بھی اپنے ساتھ شریک فرماتے ۔ انھی دنوں میں تنہائی اور قلتِ مشاغل کے سبب عربی ادب کی ہوس دل میں چٹکیاں لینے لگی ۔ اگرچہ علم ادب کسی اُستاد سے باقاعدہ پڑھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا ، اور نہ کسی ادیب سے صلاح لینے کا موقع ملا تھا ، مگر چونکہ لٹریچر سے فی‌الجملہ مناسبت تھی ، کبھی کبھی ڈکشنریوں کی مدد سے ادب کی آسان آسان کتابیں دیکھنے لگا ۔ شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ عربی نظم و نثر پر خود رو مبتدیوں کی طرح ہاتھ ڈالنے کی جرأت ہوئی ۔ غرض کہ فارسی اور اُردو کے ساتھ عربی نظم و نثر میں بھی حیناً فحیناً خامہ فرسائی کرتا رہا ۔ آخر وہ زمانہ آ پہنچا کہ فارسی اور عربی کے مخاطب صحیح ملک میں نایاب ہو گئے اور دونوں زبانیں ہندوستان کی مردہ زبانوں میں شامل ہونے کے قابل ہو گئیں ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مادری زبان کے سوا دوسری زبان میں جو نظم یا نثر لکھی جاتی ہے ، گو کہ وہ کیسی ہی بے عیب ہو ، اہل زبان کی نظر میں اس کی کچھ وقعت نہیں ہوتی ، الاماشاءاللہ ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اہل وطن کے نزدیک قبولیت کا درجہ حاصل کر لے ۔ لیکن جب اہل وطن کسی ملکی انقلاب کے سبب اُس غیر زبان سے بیگانۂ محض ہو جائیں اور اس کی جگہ ملک میں دوسری زبان قائم ہو جائے تو رفتہ رفتہ اس کی شاعری اور انشا پردازی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا ہے ۔

یہی حال آج کل ہندوستان میں فارسی اور عربی لٹریچر کا ہے - دونوں زبانوں کی نظم و نثر کے مسودے جو کبھی کبھی کے لکھے ہوئے پڑے تھے ، اُن کی نسبت متردد تھا کہ اُن کو کیا کیا جائے - قوم میں کوئی ایسی محفوظ لائبریری نظر نہ آتی تھی جہاں افراد قوم کے ورکس (Works) اچھے یا برے ، احتیاط کے ساتھ رکھے جائیں - پھر اہل وطن کا ان دونوں زبانوں سے عموماً نا آشنا ہونا اپنے اس قدیم شعر کا مضمون یاد دلاتا ہے : ؎

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا
یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا

لیکن مذکورۂ بالا مسودات ، کچھ تو اس وجہ سے کہ بڑی کاوش سے لکھے گئے تھے ، اور زیادہ تر اس خیال سے کہ قومی خصوصیات کی یادگار تھے ، ان کو رائیگاں کھونا گوارا نہ ہوا - چنانچہ تمام پرچے جس قدر بہم پہنچ سکے ادھر اُدھر سے فراہم کیے گئے اور ذیل کی ترتیب کے ساتھ اس مجموعے میں جو ''کلیات نظم'' اُردو کے آخر میں بہ طور ضمیمے کے ملحق کیا جائے گا ، داخل کر دیے گئے - یعنی اول نظم فارسی ، اس کے بعد نثر فارسی ، پھر نظم عربی ، اُس کے بعد نثر عربی -

یہ ضمیمہ اگرچہ کم و بیش فارسی اور عربی دونوں زبانوں کی نظم و نثر پر مشتمل ہے ، مگر عربی کلام اس قدر قلیل ہے کہ اس کا عدم اور وجود برابر ہے - حق یہ ہے کہ اگر اس میں ایک قصیدہ حضرت مولانا و مقتدانا شاہ عبدالغنی النقشبندی المجددی قدس سرہ کی شان میں نہ ہوتا ، جو تقریباً ۱۲۸۳ ہجری (۱۸۶۶ع - مرتب) میں

مدینۂ منورہ بھیجا گیا تھا اور جس کی نسبت جناب ممدوح نے بعض آدبائے مدینہ کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا ، تو راقم کو ہرگز یہ جرأت نہ ہوتی کہ اپنا عربی کلام اس ضمیمے میں داخل کرنے کی مبادرت کرتا ۔

(از مقام پانی پت) حالی

ضمیمہ (۲)

مولانا حالی کا فارسی کلام

(۱) غزلیات[1]

۱

اے تکیہ بہ عفوِ تو خطا را
وے ناز بہ خوفِ تو رجا را

حاجت کند از طرب فراموش
خوانی چو بسوے خود گدا را

جا در دلِ خویش ہم نیابد
رانی ز درت چو پادشا را

علت تو بری و باز بندی
بر صنعتِ دیگراں شفا را

---

۱ - یہ غزلیں اُسی زمانے کی ہیں جب کہ خیالات میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں ہوا تھا - جس قسم کے مضامین غزلوں میں اوپر سے بندھتے چلے آئے تھے ، اسی روش پر چند غزلیں لکھی گئی تھیں جن کو معدودے چند کے سوا میں اپنے موجودہ خیالات کے موافق پبلک میں پیش کرنے کے لائق نہیں سمجھتا تھا - لیکن بعض احباب کے اصرار سے اُن کو اس مجموعے میں شامل کرنے پر مجبور ہوا - (حالی)

تـــاثیر ز تست و مصلحت را
بـــدنـــام نمـــوده‌ای دوا را

بـــازارِ صـــبـــا نمـــوده‌ای گـــرم
بـــرهم زده طـّرهٔ دوتـــا را

بـــا مشغلـــهٔ هـــزار آمـــیـــد
پـــوشیده ســـراغِ مـّدعـــا را

در روشنیِ هـــزار خـــورشـــیـــد
گـــم ساختـــه چشمهٔ بـــقـــا را

برقے ز افق بـــرون جهانده
بر پا زده در رهش گیا را

زهـــرے بگلوے جـــان فشانـــده
لب تشنهٔ خویش کرده مارا

در بـــردنِ صبر داده دستے (ق)
انـــدازِ بـــتـــانِ دلـــربـــا را

از غیر گسسته انـــدک انـــدک
دل هـــائے بـــه الفت آشنا را

هر یـــک ز قیاسِ علم و ادراک (ق)
از نورِ تو شد حجاب ما را

این پرده که متهم به کشف است
بـــردار ز روے عـــالـــم آرا

از آئینه‌ام بجـــز مـــثـــالت
هم زنگ‌زدا و هم جـــلا را

زخمے ز تو بے نمک نه خواهم
هم درد فرست و هم دوا را

رازِ تو بہ لب نمی پسندم
ہم ساز بسوز و ہم نوا را

از سختیِ دہر رو نہ تابم
دانم کرمِ ستم نما را

از شعلۂ دل بجاں خبر کن
مہمل مگذار کیمیا را

زشتیم ز فرق تا قدم زشت
مارا در چشمِ ما میارا

کردیم گناہ و فاش گفتیم
پیدیر گناہِ بے ریا را

حرفِ طلبت بہ لب نہ زیبد
انداختم از میاں دعا را

تا بر کرمِ تو تکیہ دارم
در راہ فگندہام عصا را

حالی ! چہ زنی تو دم ز توحید
(ق) چوں نا بلدی رہِ خدا را

جائے کہ بہ عجز اعتراف است
خیلِ عرفاء و انبیا را

آں جا چہ مجالِ نطق بناشد
ہر یاوہ سرائے ژاژ خا را

ایں جا جز خامشی نہ زیبد
نامحرمِ سرِّ کبریا را

از بامِ بلند بہ کہ داری
معذور ، کمندِ نارسا را

۲

چوں نہد گوش بر ترانۂ ما
رود از یادِ ما فسانۂ ما

درد می‌بارد از ترانۂ ما
حذر از گرمیِ زبانۂ ما

دردِ دل ہا شنیده‌ای بسیار
اندکے گوش کن ترانۂ ما

بایدت قدرِ خویشتن دانست
پائے بیروں منہ ز خانۂ ما

در سراب آبِ خضر می‌جوئی
اے وفا جستہ در زمانۂ ما

گوہرے کز دو کون بیرون است
می‌تواں یافت در خزانۂ ما

زیرِ لب ناکشوده طوماریست
کاش پرسی ز ما فسانۂ ما

برق کز طور داشتند دریغ
سر برآورد ز آشیانۂ ما

قدرِ **حالی** ز قوم کس نشناخت
عاقبت رفت از میانۂ ما

۳

خاکساری از جہانے دیگر است
ایں زمیں را آسمانے دیگر است[1]

شیخ ! معبودت نہ معبودِ من است
سجده‌ام بر آستانے دیگر است

---

۱ - یہ مصرع نادانستہ نشاط کے مصرعے سے لڑ گیا ہے - (حالی)

با هزاران رنگ باید ساختن
یار را هر لحظه شانے دیگر است

اہلِ دیں معذور دارندم کہ من
آنچہ گویم از زبانے دیگر است

ہم تغافل ہم تطاول دیدہ‌ام
عشق مردِ امتحانے دیگر است

دل کہ بود از چشمِ مورے تنگ تر
چون نظر کردم جہانے دیگر است

برنہ‌تابد دل مدارائے کسے
در سرایش میہمانے دیگر است

بردہ طیبِ سنبلِ زلفم ز یاد
ایں نسیم از بوستانے دیگر است

منتہائے راہِ عشق افتادگیست
منزلِ ما را نشانے دیگر است

قیس و وامق مردِ راہِ من نیند
اندریں رہ کاروانے دیگر است

من ز رویش حسنِ معنی دیدہ ام
آنچہ دل بردست آنے دیگر است

کارِ **حالی** نیست کارِ **احمد** است
درسِ عشقت را بیانے دیگر است[1]

---

۱ - ایں مصرع از حضرت احمد جام است قدس سرہ کہ در مطلع غزل خود می فرمایند :

درس عشقت را بیانے دیگر است مرد ایں رہ را نشانے دیگر است
(حالی)

۴

یار با تست گرت جذبهٔ گیرائے ہست
یوسف آخر رود آن‌جا کہ زلیخائے ہست

می پسندی کہ ز بزمِ تو خجل برخیزم
بہ سخن گر نتواں آمدن ایمائے ہست

گو ملامت گرِ ما دل بہ نکوہش مخراش
یوسفے ہست گرت تابِ تماشائے ہست

گردشِ چرخ بکامِ دو جہاں می‌خواہم
در دلِ ماست بہ ہر دل کہ تمنائے ہست

چوں منِ غم‌زدہ ناکام ہمی‌باید زیست
ہر کرا در شبِ راحت غمِ فردائے ہست

جائے دہ بر درِ خود ور تو برانی از پیش
نتواں یافت کہ در کون و مکاں جائے ہست

رنجشِ پا خوشی و لطف و مدارات یکیست
خستۂ را کہ چو من کار بہ خودرائے ہست

بر حذر باش گر او را بہ سخن می آری
حالیِ تفتہ‌درون را دمِ گیرائے ہست

۵

غمش تا جاں بود با جاں ضرور است
وگر خود جاں نباشد آں ضرور است

ز تکلیفِ تو دانستم کہ در عشق
نباشد آنچہ در امکاں ضرور است

چو بینم خواجہ نافرماں نوازست
سرم پیچیدن از فرماں ضرور است

به طبعم سازگار افتاد دردش
مرا پرهیز از درمان ضرور است

کشد چون تیغ بر سر ، جان بر افشان
سپاسے درخورِ احسان ضرور است

کمندِ جذبهٔ دل در کمین است
خلاصِ یوسف از زندان ضرور است

چه می‌رفت از جهان می‌گفت **حالی**
قبولِ عشق را حرمان ضرور است

٦

من و از مے دو سه پیمانه و یار و لبِ کشت
نه ز دوزخ به دلم بیم و نه پروائے بهشت

ترسم این حسنِ قبولت برد از راهِ صفا
خواجه وقتست که از کعبه روی سوے کنشت

پرده گر بر فتد از نفس حرونت بینی
همه پاکیزه نهاد و همه پاکیزه سرشت

گر بگیرد همه عیب است چه عیب و چه هنر
ور پذیرد همه زیبا ست چه زیبا و چه زشت

عمرها از تو بناکام همی‌باید زیست
وائے آن کس که ز کف دامنِ آمید نه هشت

ترسم از کعبه بری حسرتِ دیدار بهخویش
اے فرومانده به نظارهٔ سنگ و گل و خشت

هر رقم را نه بود حسنِ قبول ارزانی
ورنه **حافظ** چه نوشت است که **حالی** نه نوشت

۷

صید عنقاست پریدیم عبث
راهِ دور است دویدیم عبث

بود زهرے به شکر آلوده
لذتِ وصل چشیدیم عبث

جذبهٔ آمد و بر منزل برد
راه یک چند بریدیم عبث

گوش و لب محرمیِ راز نداشت
هرچه گفتند و شنیدیم عبث

بود در ظرفِ مغاں آبِ بقا
منتِ خضر کشیدیم عبث

دل یهاں بت کدهٔ پندارست
جاے در کعبه گزیدیم عبث

جذبِ دل داشت زمامش در کف
از پیِ ناقه دویدیم عبث

عشق از خویش بریدن می‌خواست
حالی از خلق بریدیم عبث

۸

روزِ محشر که ز هر شیخ و برهمن پرسند
سر دهم قصهٔ شوق تو چو از من پرسند

دل ربایند و به ما صبر و شکیب آموزند
جاں ستانند و ز ما باعثِ شیون پرسند

بگزر از وسوسهٔ عقل که اربابِ طلب
راه از غولِ ره و چاره ز رهزن پرسند

پارهٔ بی‌خبری نطقِ مرا درکارست
مے بیارند و ز من نکتهٔ هر فن پرسند

روے از فرع به اصل آر که اربابِ طلب
گل ببینند و سراغِ رهِ گلشن پرسند

بنده را نیست مجالِ سخن آن جا **حالی**
ورنه افسانه درازست گر از من پرسند

۹

بیا که جان و دل از غم کرا نه می‌خواهند
ز رشک خار بچشمِ زمانه می‌خواهند

ز جورهاے تو در سینه نیست گردِ ملال
به صلح با تو سخن درمیانه می‌خواهند

خوش است آشتی امّا پس از شکایت ها
که دوستان گلهٔ دوستانه می‌خواهند

ادب ز حرفِ طلب بسته است کام و زبان
وگرنه از تو حریفان چها نه می‌خواهند

به گلشنے که منم طائرانِ آزاد اند
برون ز کون و مکان آشیانه می‌خواهند

شدیم شهرهٔ عالم به عشق و بے دردان
هنوز از غمِ پنهان نشانه می‌خواهند

تنِ فتاده دران رهگزار می‌طلبند
سرِ بریده بران آستانه می‌خواهند

رسید بزم به پایان و گوش‌ها بازست
نشیدِ **حالی** جادوترانه می‌خواهند

۱۰

بے سبب رنجی و گوئی گله زیبا نه‌بود
طاقتِ جورِ تو در حوصلهٔ ما نه‌بود

سعی اگر نیست بجا ذوقِ طلب خود چه کم است
رهرو آن بهه که ز رفتار شکیبا نه بود

مردِ صبریم و رضا لیک به هنگامِ وداع
بازوے همتِ ما نیز توانا نه‌بود

لطفِ طاعت چه بود نیست اگر ذوقِ نظر
نه پرستم صنمے را که خودآرا نه‌بود

می‌درد رشکِ عدو پردهٔ طاقت ورنه
غمِ عشقِ تو چنیں حوصله‌فرسا نه‌بود

مجلسِ وعظ ملامت‌گه و ما غمزدگاں
کم نشینیم به بزمے که مدارا نه‌بود

همرهِ غیر میا گر به خیالم گزری
جز تو در سینه‌ام از تنگیِ دل جا نه بود

قدرِ استادنِ من بر درِ خود سنج که من
باز گردم درِ فردوس اگر وا نه‌بود

فتنهٔ حشر بپا گشته و **حالی** به گماں
کایں هم از شعبدهٔ آں قدِ رعنا نه‌بود

۱۱

برقع به رخ افگنده و هر سو نگرانند
فریاد که ایں پردگیاں پرده درانند

از زلف و رخ آشوبِ دلِ بوالهوسانند
و ز ناز و ادا فتنهٔ صاحب نظرانند

جان داروے عشاق و بہ کامِ دلِ اغیار
عمرِ ابدِ ما و نصیبِ دگرانند
صد حرفِ غلط گفتہ بہ خاطر بنشانند
صد تیرِ خطا کردہ ز دل در گزرانند
سازند و بسوزند و گرایند و ربایند
زنہار ازیں قوم کہ پر فتنہ گرانند
از چشمِ جہاں‌بیں چہ زیاں اہلِ نظر را
ہر سوئے کہ بینند بسوئے نگرانند
آشفتگیِ نغمۂ مستاں نہ ز ہوش است
معذورِ توان داشت کہ آشفتہ سرانند
حدِ نظر آنست کہ رویش نتوان دید
پیداست کہ ایں مدعیاں بےبصرانند
اُمید کہ از راز خبر داشتہ باشند
دیوانہ دلانے کہ ز خود بے خبرانند
حالی تہِ ہر حرف دو صد نکتہ نہفت ست
سنجند دریں بزم اگر نکتہ وراننند

۱۲

عالم ہمہ در بندِ تمنائے تو باشد
گر صوفی و گر رند کہ شیدائے تو باشد
آتش‌زنِ صد خرمن و ویران کنِ صد کشت
برقیست کہ در نرگسِ شہلائے تو باشد
آں سادہ کہ در عہدِ توخرسند بہ ہیچ است
دل باختۂ لطف و مدارائے تو باشد
خرسند نمی‌سازی و غمگیں نہ‌پسندی
ناکام کسے کش سر و سودائے تو باشد

نومید مکن ورنه محال است که کس را
یارائے غمِ حوصله فرسائے تو باشد

با رائے صوابت چه کنم رائے جهان را
اے رائے جهان در گروِ رائے تو باشد

تاب و تبِ صد شعله و بے تابیِ صد برق
ریزند در آن دل که تمنائے تو باشد

بر مرگ نهم دل که علاجِ دلِ بیمار
شرط است که از لعلِ دل آسائے تو باشد

آن کس که بلرزد تنش از مژدهٔ دیدار
دانم که مگر مردِ تماشائے تو باشد

با حالیِ بے چاره تواں ساخت که مسکیں
هم بنده و هم عاشقِ شیدائے تو باشد

۱۳

هردم از عشق خدنگے بهنشاں می آید
اندک اندک دلم از غصه بجاں می‌آید

جاں گدازند به لطف و به غضب شاد کنند
هرچه خواهید ازیں عشوه‌گراں می‌آید

بعد ازیں راز بصد پرده نهاں نتواں داشت
عشق می‌آید و با طبل و نشاں می‌آید

در بهاراں به تماشائے گل از جا نه روی
تا نفس راست کنی فصلِ خزاں می‌آید

سوئے من آمده مشتاق و ز طرزِ نگهش
می‌تراود که بسوئے نگراں می‌آید

دوش چیزے ز سخن‌هائے محبت نه‌گزاشت
بجز آں حرف که از دل به زباں می‌آید

عجب از خود کنم و سوے فلک می بینم
چوں خدنگِ تو بہ سویم ز کماں می‌آید

چوں نہ‌ای محرمِ اسرار ہماں در دلِ ما ست
بر زباں ہرچہ ز اسرارِ نہاں می‌آید

یار چوں نیست موافق چہ وداع و چہ وصال
می رود ناخوش و ناخوش تر ازاں می آید

حالیِ زار گرفتم کہ وفادارِ کسے ست
زود بینی کہ ز دستِ تو بجاں می‌آید

۱۴

شوقے بہ دوست راہنما داشتم چہ شد
دردے بہ از ہزار دوا داشتم چہ شد

عمریست دل بہ بندِ پیامِ وصال نیست
چشمے بہ رہگزارِ صبا داشتم چہ شد

در دست جامِ بادہ و در دل ہوائے دوست
وقتے چو اہلِ دل بہ صفا داشتم چہ شد

افتادہ زیرِ سایۂ دیوارِ حسرتم
بر فرقِ خویش ظلِ ہما داشتم چہ شد

سود و زیانِ خویش نہ بردے مرا ز جا
پنہاں بہ او معاملہ‌ہا داشتم چہ شد

یادم کنوں نماندہ کہ پیماں چہ بودہ است
در سینہ خارِ خارِ وفا داشتم چہ شد

کارم ز سعیِ خضر بجائے نمی‌رسد
در ظرفِ خویش آبِ بقا داشتم چہ شد

آوارگی ببرد ہوائے وطن ز یاد
زیں پیش روے خود بہ قفا داشتم چہ شد

حالی خوش آن کہ بود مرا تکیہ بر وفا
ذوقے بہ دل ز جور و جفا داشتم چہ شد

۱۵

لب بہرہ ز رازِ ما نہ دارد
خود زمزمہ سازِ ما نہ دارد

ہر جا صنمے ست معبدِ ماست
یک قبلہ نمازِ ما نہ دارد

بر نالۂ ما دلش نہ سوزد
آن کس کہ گدازِ ما نہ دارد

آن گوش کہ پُر ز حرف و صوتست
گنجائیِ رازِ ما نہ دارد

کارم بہ کسے فتادہ کز ناز
پروائے نیازِ ما ندارد

گر ہر دو جہاں فراہم آرند
اندازۂ آزِ ما نہ دارد

حالی گلۂ جفائے دوراں
صوتے ست کہ سازِ ما نہ دارد

۱۶

دلے خواہم کہ چوں پروانہ سوزد
فتد در آتش و مردانہ سوزد

زِیَدْ آوارہ و میرد بہ ناکام
دل از رشکم برآں دیوانہ سوزد

تبہ کردست جورِ آشنایم
بحالِ من دلِ بیگانہ سوزد

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

به کنجِ خانه شمعے می‌فروزم
که چون درگیرد اول خانه سوزد
دلے را کش به دوزخ سوخت نتواں
فروغے از رخِ جانانه سوزد
فروغ از من کسے جز من نگیرد
من آں شمعم که در ویرانه سوزد
گر از من بشنوی رودادِ **حالی**
به چشمت خواب زیں افسانه سوزد

۱۷

(غزلِ ناتمام)

در گلستاں بلبل و در انجمن پروانه ام
من به هر جا محوِ نیرنگِ رخِ جانانه ام
محرمیت نیست دل را با هزاراں قربِ دوست
یار گرمِ آشنائی‌ها و من بیگانه ام
خضرِ راهِ منزلِ مقصود جز توفیق نیست
زیں و آں پرسم نشانِ او مگر دیوانه ام

۱۸

عشق اگر کیش است ملت ها کهن خواهد شدن
منبرے هر گوشه از دار و رسن خواهد شدن
گر عنانِ بادِ مصر اندر کفِ جذبِ دل است
رنگِ یوسف جمله بوے پیرهن خواهد شدن
عمرها شد تشنهٔ آبِ دمِ شمشیرِ تست
تیغ بر کش ورنه جاں بیروں ز تن خواهد شدن
می دمد گل هر کجا پائے نگاریں می نهی
جاده ، چوں از سیر باز آئی ، چمن خواهد شدن

شکوه گر بر لب نیاید عاقبت کیں می‌شود
زخم را درماں نہ‌باشد ، چوں کہن خواہد شدن

صید تا افگندہ محوِ دست و بازوے خود است
ایں جواں روزے شکارِ خویشتن خواہد شدن

زیں کہ شد ہم‌خوابۂ خسرو نیرزد نیم جَو
گرمیِ بازارِ شیریں کوہکن خواہد شدن

در غریبی طرحِ الفت افگنم با ہر کسے
در دلِ گبر و مسلمانم وطن خواہد شدن

یار در کوچست و من خاموش و جاں بیتاب ، گر
جذب در دل نیست کار از دستِ من خواہد شدن

دوست پرتمکین و **حالی** از ادب بسیار دور
دیر با او ہم‌نشین و ہم‌سخن خواہد شدن

۱۹

(غزلِ ناتمام)

بے نورِ صفاے دل پنہاں شدہ ہر پیدا
اے شب تو بہ پایاں رس ، اے مہر درخشاں شو

گر بازوے ہمت ہست دستے بہ گریباں زن
ور پاے ارادت ہست لختے بہ بیاباں شو

تنہائی و رنجوری ، وانگہ غمِ مہجوری
اے مشکلِ من بکشا ، اے مُردنم آساں شو

شوخے ست کہ نگزارد بر ملت خود کس را
اے شیخ ز دیں برگرد ، اے گبر مسلماں شو

ساقی بہ قدح‌بخشی گو توبۂ ما بشکن
مطرب بہ نواسنجی گو رہزنِ ایماں شو

ہم بادہ دما دم خور ، ہم بوسہ پیاپے دہ
بے پردہ تراز گل آے چوں بوے گل ارزاں شو

اے بر تو نقاب از تست ، خود جلوہ حجاب از تست
از خود بخدا پیوند وز خویش برآ آں شو

حالی بہ سخن خواہی رفتن ز پئے **غالب**
دولت بہ غلط نبود از سعی پشیماں شو

۲۰

نہ گردد از تو ہرگز سیری چشم تماشائی
اگر بر دیدہ بنشینی وگر در دل فرود آئی[1]

نہ گنجد با تو ایں ہنگامہ ہا در شانِ یکتائی
تو چندیں عالمے با خویشتن داری و تنہائی

ترا شایاں بود خوبی کہ بے مہری و محبوبی
ترا زیبد دل‌آرائی کہ بدخوئی و زیبائی

تو چشم و گوش نہ کشائی و شد بہرِ تو ارزانی
بہ گلشن چہرہ آرائی بہ بلبل نغمہ پیرائی

نہ در بزمِ مغاں راہت، نہ در کوے گزرگاہت
تو اندر بند مستورِ چہ دانی ذوقِ رسوائی

سرِ راہِ خدا داری و دل سوے قفا داری
تو زانساں می روی از رہ کہ پندارند می‌آئی

گواہِ بے گناہی ہاے خود دارد جہانے را
تو دستِ خود بخونِ **حالی** مسکیں نیالائی

★

۱- یہ مصرع حضرت میر حسن سجزی کی غزل سے لیا گیا ہے جس کا پہلا مصرع یہ ہے :
تو نورالعینی اے مہ رو تو جان جانی اے جاناں (حالی)

تخمیس غزل نعتیه جناب مرزا غالب مرحوم که در حیات ایشان نوشته شده بود

اعجاز از خواصِ لسانِ محمدؐ است
عین الحیٰوة گم بہ دہانِ محمدؐ است
گر نور و گر ہدیٰ کہ ازانِ محمدؐ است
حق جلوہ‌گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است

اے خامہ وصفِ قامتِ معشوق کم نگار
اے دل سخن ز راست قدان درمیان میار
قمری ز ذکرِ سرو نفس را نگاہ دار
واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گزار
کایں جا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ است

شاہد بہ قتلِ عاشق و عاشق بہ خال و خد
مجنوں بہ پائے لیلی و لیلیٰ بہ فرقِ خود
مومن بہ آلِ احمدؐ و آلش بروحِ جد
ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ است

آں جا کہ از مناقبِ عترت سخن رود
وز آل و از صحابۂ امت سخن رود
واں کایں ہمہ ز ختمِ رسالت سخن رود
ور خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

بینی اگر بدیدۂ درّاک وارسی
گوئی اگر بہ عالمِ ادراک وارسی

سنجی اگر بہ مرتبۂ خاک وارسی
دانی اگر بہ معنیِ لولاک وارسی
خود ہرچہ از حق است ازانِ محمدؐ است

لطفِ خداست گر بہ سرِ کس نہاد دست
قہرِ خداست چوں ز سرِ کیں بجملہ جست
داند کسے کہ شد ز مئے ''مارمیت'' مست
تیرِ قضا ہرآئنہ در ترکشِ حق است
اما کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ است

ہمت بہ مدحِ شہ من و **حالی** گماشتیم
گفتیم و از نگاشتنی ہا نگاشتیم
چوں کام ولب فراخورِ وصفش نہ داشتیم
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

★★★

(ب) رباعیات

۱

دل‌دادهٔ شوقت چه ولی و چه نبی
سودا زده‌ات هم عجمی هم عربی
دل از تو تسلی نتوان کرد به هیچ
اے خوش‌تر از آبِ سرد در تشنه لبی

۲

یارب کرمے که شرمسار آمده‌ایم
سرمایهٔ نا کسی به بار آمده‌ایم
شایستهٔ دوزخیم و جویاے بهشت
دریاب که پُر امیدوار آمده‌ایم

۳

سر بر مفراز ، خاکِ پاے همه باش
دل‌ها مخراش در رضاے همه باش
با خلق نیامیختن از خامیِ تست
ترکِ همه گیر و آشناے همه باش

۴

سر نه به درے و خاکِ پاے همه باش
دل ده به‌یکے و دل‌رباے همه باش
خواهی شوی آشناے بیگانه نما
بیگانهٔ آشنا نماے همه باش

۵

اے آنکہ ز حلّۂ صداقت عوری
بنشیں بر ما یا منشیں ، مہجوری
کس از دلِ دشمنانِ خود دور مباد
چنداں کہ تو از خاطرِ یاراں دوری

۶

اے ہیچ بہ ہیچ خودنمائی تا چند
خودبینی و خویشتن ستائی تا چند
چوں می دانی کہ جز کفِ خاک نہ ای
پس ایں ہمہ دعویِ خدائی تا چند

۷

از شعر و سخن گوشِ جہاں کرّ بادا
وین مشغلۂ بیہدہ کم‌تر بادا
بر ہر کہ دعاے بد کنم می‌گویم
یا رب کہ گران‌مایہ سخن‌ور بادا

۸

چندے بہ ہواے گل‌عذاراں بگزشت
لختے در بندِ روزگاراں بگزشت
بر نامدہ کامِ دل شباب آخر شد
نشگفتہ گلے و نوبہاراں بگزشت

۹

عباس و علی‌اکبر آں غیرتِ ماہ
بودند شبیہِ احمدؐ و شیرِ اللہ
در نوحۂ ایں ہر دو جواں بر لبِ شاہ
گہہ ''وا ابتاہ'' بود گہہ ''وا جداہ''

۱۰

(در شکریهٔ مہمان نوازیِ قاضی محمد خلیل صاحب بریلوی
کہ در زمانهٔ قحط در بریلی گفتہ شد)

ہرچند ز تیغِ قحط خلقے ست قتیل
از بسکہ فلک بہ خاکیاں گشتہ بخیل
اما چہ غم از قحط کسے را کہ مدام
الوانِ نعم می رسد از خوانِ خلیل

۱۱

(در شکرِ لطف و عنایتِ سید کرامت علی مرحوم
صفا تخلص ، ہنگامِ وداع از پٹیالہ)

حالی نہشود محو ز لوحِ دلِ ما
لطفے کہ دمِ وداع فرمودہ **صفا**
گر قدرِ مسافراں بہ غربت این است
صد رہ بہ سفر می‌رو و صد رہ باز آ

۱۲

(در تاویلِ جراحتِ مولانا شبلی مدظلہ - مئی ۱۹۰۷ع)

شبلی کہ گزند[1] پاش پر دل شکن است
با خستگیش خجستگی مقترن است
چنداں کہ بکاہند فزایند ایں جا
"کآراستن چمن ز پیراستن است"

---

۱ - "شبلی کہ شکست پاش ..." (رباعی مطبوعہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۱۱ دسمبر ۱۹۰۷ع)

۱۳

(در تاسف بر وفات یکے از فرزندان مہاراجہ کشن پرشاد بہادر
مدارالمہام سرکار عالی متخلص بہ شاد)

چرخ از پسِ داغ بر دلش داغ نہاد
آو جز بہ سپاسِ ایزدی لب نہ کشاد
الحق کہ بہ غصہ شاد و خنداں بودن
زیں گونہ نہ دیدیم جز از حضرتِ شاد

۱۴

(رباعیات در شکریۂ شیرینی مرسلۂ مولوی عبدالعلی خاں والہ،
پروفیسر نظام کالج حیدر آباد)

دینم اخلاص و دوستداری آئیں
من بندۂ دوستانِ اخلاص گزیں
شیرینیکے کہ یارِ شیریں بخشد
بر وے بتواں فشاند جانِ شیریں

۱۵

والہ کہ بہ مردمی فرید آمد و فرد
از مہرِ وطن کرد دلِ **حالی** سرد
ہر سیرتِ نیک را تواں یافت عدیل
جز سیرتِ والہ کہ مرا والہ کرد

۱۶

برد از دلِ من صبر و دل از پہلوے من
افسونِ وفا و کرمِ اہلِ دکن
زیں ساں دل و صبر اگر بہ غارت ببرند
مشکل کہ رسیم ما غریباں بہ وطن

۱۷

(در شان نواب ضیاءالدین احمد خاں مرحوم دہلوی
متخلص بہ نیّر در فارسی و رخشاں در اُردو)

عمریست کہ دہلی جسدِ بے جان است
وز قحطِ رجال سربسر ویران است
اما صد شکر کوکبِ منخسفش
روشن ز فروغِ نیرِ رخشان است

۱۸

(خطاب بہ حضرت ممتاز مرحوم[1])

اے مدحِ تو ضحکۂ جہاں کرد مرا
لطفِ تر خجل ازین و آں کرد مرا
حسن ظنِ تو کہ کردی اندر حقِ من
ز ابنائے زمانہ بدگماں کرد مرا

۱۹

ممتاز ، آں آشنائے بیگانہ نما
کز ہر سخنش ہمی چکد صدق و صفا
نادیدہ بجاں شوقِ لقایش دارم
گر دست دہد جاں برمش روئے نما

۱۔ قاضی ممتاز حسین صاحب مرحوم متخلص بہ ممتاز، وکیل و رئیس پیلی‌بھیت تھے اور روہیل کھنڈ میں فارسی نظم و نثر کے اُستاد تھے۔ انھوں نے قدردانی کی راہ سے چند رباعیاں میری نسبت تحریر فرما کر بھیجی تھیں۔ اُن کے جواب میں یہ تین رباعیاں میں نے بھی لکھی تھیں۔ (حالی)

۲۰

اے پارسی و ریخته‌ات ذوق انگیز
وے نظمِ تو چون نثر همه الفت خیز
در پرده سخن گفتی و رخ نه نمودی
بازارِ خود و آتشِ ما کردی تیز

★★★

(ج) قصائد

۱ - قصیدہ[1] در مدح جناب غفران مآب حاجی الحرمین الشریفین نواب محمد کاب علی خاں مرحوم رئیس مصطفیٰ آباد (رام پور)

سحرگہ پردہ بگرفتند چوں از زشت و از زیبا
بدل گفتم کدامیں نعمت آید برتر از نعما
بگفتا نعمتے در قدر از ہم بیش و کم نہ بود
ز ساقی عین رحمت داں اگر جرعہ و گر مینا
ولے فرماندہ بیدار دل زیں اصل مستثنےٰ است
کہ چوں او نعمتے نہ تواں نشانداد از پئے دنیا
صلاح عالمے با رائے او وابستگی دارد
جہاں را چوں چمن می‌داں و او را چوں چمن پیرا

---

۱ اس قصیدے کی تمہید اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ شاعرانہ خیالات میں پہلے ہی پہل انقلاب پیدا ہوا تھا اور مبالغے سے نفرت ہونے لگی تھی - انھی دنوں میں پہلا دربار قیصری منعقد ہونے والا تھا جو ۱۸۷۷ع میں بہ مقام دہلی وقوع میں آیا - جی میں آیا کہ اس تمہید کے بعد کسی ایسے قصیدے کی بنیاد ڈالی جائے جس میں بہ قدر امکان مبالغے سے احتراز کیا جائے - چونکہ حضور نواب ممدوح سے فی‌الجملہ تعارف تھا اور انھوں نے سر سید کی امداد میں سب سے پہلے سبقت کی تھی اور دربار میں آن کے شریک ہونے کی قوی امید تھی ، اس لیے انھی کو اس قصیدے کا ممدوح قرار دیا گیا - اگرچہ وہ علالت کی وجہ سے شریک دربار نہ ہو سکے اور قصیدہ آن کی خدمت میں بوجہ دل‌خواہ پیش نہ ہو سکا - (حالی)

رعیت را چناں دارد کہ دارد گلہ را چوپاں
غمِ دل‌ها خورد زاں ساں کہ بازرگاں غمِ کالا

بہ روز از دادِ مظلوماں زمانے برنیاساید
بہ شب چوں پاسباں بیدار باشد بر درِ دل‌ها

یتیماں را پدروار اشک‌ها از رخ فروشوید
غریباں را چو غم‌خواراں برآرد خار ها از پا

اگر بیوہ‌زنے نالد ز دستِ ناخداترسے
بہ دادِ او رسد زاں پیش کایدَ بر لبش آوا

گدایاں را دہد بخشے کہ دل ها را غنی سازد
ضعیفاں را دہد زورے کہ پیراں را کند برنا

گہے برہم زند یک شہر بر فریاد مظلومے
گہے یک جاں ستاند تا اماں بخشد جہانے را

مظالم را براندازد ، جہاں از فتنہ پردازد
عدالت را بر افرازد ، ستم را افگند از پا

ضعیفاں را تواں بخشد ، بہ مظلوماں اماں بخشد
بہ محتاجاں چناں بخشد کہ حاجت را نماند جا

گمارد چوں بہ اصلاحِ مفاسد ہمتِ خود را
کند اصلاحِ آں چنداں کہ سازد زشت را زیبا

فروزد شمعِ دیں زاں ساں کہ ظلمت از جہاں خیزد
ہنر را پرورد چنداں کہ گردد عیب ناپیدا

بہ صحبت برگزیند بخردانِ مصلحت جو را
کہ پشتی‌بانِ ملک و دولت آمد صحبتِ دانا

شریعت را در امر و نہی دارد تکیہ‌گاہِ خود
کہ چوں باشد عصا در دست رہرو را نہ لغزد پا

نه سازد تکیه در بےچارگی جز بر توانائے
که ابکم را به بخشد نطق و اعمٹے را کند بینا

نه باشد غرّه در سرپنجگی بر زورِ بازوے
که گهه گهه تن بهعجز اندر دهد از پشهٔ تنها

گر امروزش همه سامانِ عیش و خرّمی بخشند
نهسازد با دلش از تلخیِ اندیشهٔ فردا

جهان را پر کند از عدل و از طغیان تهی سازد
همه مقصودِ آو این باشد از دنیا و ما فیها

اگر از جاے خود جنبد زند صد فتنه را برهم
وگر خاموش بنشیند کند صد عقده از هم وا

اگر لطف آورد آید به کامِ خلق شیریں تر
از آں انفاسِ جاں پرور که کردے مرده را احیا

وگر خشم آورد با مصلحت نزدیک تر باشد
از آں لطفے که شوید گردِ کیں از خاطرِ اعدا

صلاحِ هر یکے جوید چه در پیدا چه در پنهاں
بود در بندِ احسانش اگر نادان وگر دانا

به صورت ملتفت اما نهبندد جز به معنی دل
به دنیا مشتغل اما نه باشد فارغ از عقبیٰ

بود تا در دیار خویش سر بر پا فشانندش
وگر آفتد به ملکِ غیر در چشمان دهندش جا

اگر خواهی جهاندارے چنیں بیداردل بینی
بیا در خیمهگاهِ دیںپناهِ خسروِ والا

دریں جشنِ شهنشاهی که گوئی حشرِ اعیان ست
زمانے چشمِ دل بکشا و بنگر عینِ اعیاں را

سحابِ مکرمت **کلب علی خاں** آنکه در عهدش
گدا از شاه و مفلس از تونگر دارد استغنا

نیابی هیچ کس کشِ بارِ گردن نیست احسانش
چه دولتمندِ مستغنی ، چه عزلت گیرِ بے پروا

نه تنها صیتِ احسانش به هند افتاد و اقطاعش
که شد آوازهٔ جودش بلند از یثرب و بطحا

گر از لب بند بکشاید دمد برگوش‌ها افسون
ور از رخ پرده بردارد نظرها را کند شیدا

رخے روشن تر از مهر و سرے بالاتر از گردون
کفے ریزنده چون ابرو دلے جوشنده چون دریا

جبیں انوار را مسکن ، ضمیر اسرار را مخزن
برون زیبا درون روشن، زهے صورت زهے معنیٰ

خوشا وقتِ سخن سنجے که چون با مدح پردازد (ق)
نگه دارد عنانِ خامه را از جادهٔ اطرا

که نه‌بود همچو بیتے ساده هرگز کارگر در دل
اگر صد بیتِ رنگیں در ستایش کس کند انشا

دو صد اغراق با یک قولِ صادق برنمی‌آید
"فان الحق یعلو کل بهتانَ و لا یعلیٰ"

بحمدالله که من مداحِ آن سرچشمهٔ فضلم
که در فضل و کمالش هرچه گویم باشدش زیبا

به هر فن پایه اش والا ، به هر علمش یدِ طولیٰ
به هر رمزے دلش دانا، به هر صیدے کفش گیرا

به هر منزلگهش راهے ، به هر کویش گزرگاهے
به هر جایش علم برپا ، به هر راهش قدم پویا

بجائے کز ہنرمنداں کسے را در شمار آید
ہنر نالد کہ ''من لی غیرہ فی‌الدین والدنیا''

بہ وقتے کز جواں‌مردان عزیزے در حساب آرند
کرم گوید کہ ''مالی دولہ منجی و لا ماوی''

بہ بزمے کز سخن سنجاں حدیثے درمیاں آفتد
سخن بر خویشتن بالد کہ ما از شاہ و شاہ از ما

سخن را برتری دادہ ، عبارت را تری دادہ
ادا را دلبری دادہ ، زہے منشی زہے انشا

معانی با نزاکت چوں ادا با حسن ہم پیماں
مبانی با عذوبت چوں صفا با دوستی ہم پا

رباعی شیوۂ دارد کہ نتواں دید در جادو
غزل کیفیتے دارد کہ نہ تواں یافت در صہبا

رباعی بشنوی ، از برقِ خاطف در گماں افتی
غزل بینی ، زنی بر سنگ جامِ بادۂ حمرا

جزالت با قصائد تو اماں چوں اوج با کیواں
شگرفی با قوافی ہم عناں چوں موج با دریا

عروجِ پائیگاہِ **مصطفٰی آباد** را نازم
کہ دارد ایں چنیں فرماں روائے مملکت پیرا

(ق) تو اے کز وصف شیراز و صفاہاں قصہ ہا راندی
یکے در مصطفیٰ آباد رفتہ چشمِ دل بکشا

نہ پندارم کہ زینساں دیدہ باشی درجہاں شہرے
ہنر را مسقط الرائے و دیں را ملجا و ماوی

بہ ہر دکّاں متاعِ علم و حکمت چیدہ تو بر تو
بہ ہر بزم اندروں روشن چراغِ ملتِ بیضا

هم از اہلِ صناعت کاملانش چار سو بینی
هم از اربابِ علم و فضل یابی فوج فوج آں جا
فقیہاں اجتہاد آثار و دانایاں فلاطوں رائے
حکیماں شہرہ در علم و طبیباں در عمل یکتا
گروہے از سخن سنجاں کہ باشد زاں ہمہ ہر یک
سخن را زندگانی بخش و معنی را حیات‌افزا
بہ موسیقی بسے از سحرکارانِ نکیسا دم
کہ نبود شاں چو بونصرے دریں رہ ہمسر و ہمتا
خوشا شہرے و فرّخ شہریارِ نام‌بردارش
نگہدارد خدا ایں ہر دو را از ناخوشِ دنیا
(ق) تو اے کز سیرِ بنگاہِ سران[1] ہند می‌آئی
چہ آوردی بگو از جنسِ معنی ارمغاں ما را
گرفتم دیدہ‌ای از ملک و دولت بہرہ در جمعے
ولے کم دیدہ باشی علم و دولت را بہم یک جا
کشادستند بر روے ہوا صد طبلہ عطاراں
مشامے کو کہ دریابد شمیمِ عنبرِ سارا
بہ گلشن جلوۂ ہر نونہالے دیدنی دارد
ولے در خاطرِ بلبل نہ گنجد جز گلِ رعنا
کسے کو باشد از پیرایۂ علم و ہنر عاری
بہ چشمِ اہلِ دل ہیچ است اگر جمشید اگر دارا
الا اے آنکہ از مدحش مرا رطب‌اللساں دیدی
نہ پنداری کہ فرِّ مال و جاہم بردہ است از جا (ق)

---

۱ - یہ خطاب ہے اس فرضی شخص کی طرف جو گویا کہ درباری رئیسوں اور سرکاری مہمانوں کے ڈیروں اور خیموں کو دیکھ کر واپس آ رہا ہے۔ (حالی)

سزاوارِ ستایش گر بہ تنہا سیم و زر بودے
نمی کردند صدّیقاں رم از صفرأ و از بیضا[1]

ولے با فرِّ صورت حسنِ معنی جمع چوں دیدم
نیارستم زباں بستن ز شکرِ واہبِ یکتا

کہ در اسلامیاں از جنسِ ایشاں مہترے آورد
بہ مال از علم لذت کش بہ علم از مال بے پروا

نوید اہلِ جہاں آباد را کایں روز آں روزست
کہ نازد ہر قدر ایں بقعہ بر خود باشدش زیبا

ورودِ حضرتِ نواب در دہلی بداں ماند
کہ آبِ رفتہ سوے آب داں باز آید از دریا[2]

مرا ایں نغمہ بر لب بود کاوازے بہ گوش آمد
کہ پُر شد ساغرِ امروز از ناکامیِ فردا

توقع داشتیم از مقدمِ نوابِ دیں پرور
کہ روزے چند ایں ویرانہ گردد خویشتن آرا

ولے ناسازگاری ہاے بختِ واژگوں نہ گزاشت
کہ کشتِ خشکِ ما را تر کند ابرِ کرم فرما

برو **حالی** تحمل پیشہ کن در ہر خوش و ناخوش
کہ سرّے ہست پنہاں در ''عسیٰ ان تکرھوا شیئا''

ہلالِ عید را گر بینی و گر منتظر باشی
فروغ افزاید آں در چشم و خرّم دارد ایں دل را

---

۱ - یہ اشارہ ہے حضرت عمرؓ کے قول کی طرف کہ ''یا صفرأ و یا بیضاء غری غیری'' - یعنی اے سونے اور اے چاندی میرے سوا کسی اور کو دھوکا دینا - (حالی)

۲ - اس میں اشارہ ہے اُس زمانے کی طرف جب کہ نواب ممدوح کے والد ماجد نواب یوسف علی خاں مرحوم دہلی میں بہ حالت طالب علمی مقیم تھے اور نواب ممدوح صغرسن میں اُن کے ساتھ یہیں رہتے تھے - (حالی)

خداوندا بحق آنکه از اعجاز انفاسش
به دستِ پاکِ او مشتِ حصا را کرده‌ای گویا
ببخش این مهترِ کهترنوازِ فیض گستر را
نصیبی کامل از دنیا و از دین بهرهٔ اوفی
مده اندوه و غم را در درونِ خاطرش راهی
که با جمعیتش وابسته شد جمعیتِ دلها
دگر یاری دهد گر بخت و وقت آن آرزو دارم
که یک ره بردرش خود را زنم چون تشنه بر دریا
تکلف نیست در هرچه از دعا و از ثنا گفتم
تو دانی حالِ ما یا "عالماً بالجهر والاخفا"

★

۲- قصیده در تهنیت عیدالفطر بجناب نواب سر آسمان جاه بهادر مرحوم

صاحبا ! روز و شب بکامِ تو باد
صبحِ نوروز و عید شامِ تو باد
عیدِ سالِ هزار و سی صد و شش
بر تو فرخنده و بکامِ تو باد
شاه نامید آسمان جاهت
آسمان مفتخر ز نامِ تو باد
شاه کت ملک را سپرده عنان
نظمِ او قائم از قیامِ تو باد
شاه از رائے تست فارغ بال
خلق خرسند از نظامِ تو باد
آرزوهاست زنده از کرمت
فتنه‌ها مرده از حسامِ تو باد

گنج معمور و ملک آباداں
از بقائے شہ و دوامِ تو باد

قصرِ والا اساسِ ملکِ نظام
محکم از پشتیِ نظامِ تو باد

ہر کہ در چار سوے ملکِ نظام
خیرہ و سر کش است رامِ تو باد

شرمساری عقوبتے است عظیم
عفوت از خصم انتقامِ تو باد

در سیاست گرہ بر ابرویت
خوش نما ہمچو لطفِ عامِ تو باد

برقِ تیغِ تو خشک و تر سوزست
یا ربِ آں برق در نیامِ تو باد

عدل زاں ساں کہ وجہِ ہمتِ تست
ہمہ در ضبطِ اہتمامِ تو باد

در قضایائے صعبِ ملت و دیں
شرعِ خیر الوریٰ امامِ تو باد

در امورِ عظامِ دولت و ملک
بخداوند اعتصامِ تو باد

مقصدِ خلق طوفِ درگہِ تست
پرسشِ حالِ شاں مرامِ تو باد

ساز و برگِ دعائے مظلوماں
مایۂ عیشِ مستدامِ تو باد

بر زباں خلق را ستایش تست
در دل خلق احترامِ تو باد

اے مدارالمہامِ ملکِ دکن
فتحِ دلہا خود از مہامِ تو باد

تا بنوشند بادہ اندر جام
بادۂ خوش‌دلی بہ جامِ تو باد

تا فشانند دانہ در تہ دام
دلِ عالم اسیرِ دامِ تو باد

ہر شمیمے کہ ناگوار آید
دور پیوستہ از مشامِ تو باد

ہر نسیمے کہ از جناں خیزد
طرب انگیز در خیامِ تو باد

در جہاں ہر کہ ہست چوں **حالی**
طالبِ کام و ناز و نامِ تو باد

★

۳ - قصیدہ در تہنیت عید اضحیٰ بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدارالمہام سرکار عالی نظام

عید اضحیٰ کہ قریں باد ورودش بہ ظفر
باد بر خواجہ ز عیدِ رمضاں فرخ‌تر

نائب السلطنۃ نواب بشیرالدولہ
عمدۃالملک فلک جاہ امیرِ اکبر

آں کہ برپا زدہ از نظم و سیاست حصنے
کز پئے ملک سپر بودہ ز ہر فتنہ و شر

آں کہ از لطف و کرم کردہ رواں شہرودے
کہ خس و خارِ الم برد بروں از کشور

آن سپهرِ شرف و مجد که در جاه و جلال
پایه اش برتر ازان است که گنجد به فکر
آن مهِ اوجِ کَرامت که ز والا گهری
بے نیاز آمده از مدح چو ما از زیور

صاحبا! عادتِ قوم است که در مدح و ثنا (ق)
هر یکے ساز کند نغمه به آهنگ دگر
آن یکے جز به مدّیحت نه کشاید لب باز
تا بدانند که جز مدح نه‌دارد در سر

واں دگر پیش‌تر از مدح ستاید خود را
تا فریبد دلِ ممدوح به اظهار هنر

جمعے از شکوهٔ گردوں سخن آغاز کنند
که شکایت بود از شکرِ به دل گیرا تر

قومے از مدح گرایند به تشبیب و غزل
کز نمک چاره نه باشد چو بخوردند شکر

بعد ازیں طائفه باشند که در وقتِ مدیح
دم به دم حسنِ طلب جلوه دهند از هر در

گر قصیده ست وگر تهنیت این است شعار
نکته سنجاں را در مدحِ عزیزاں یکسر

من که جز خواجه کم آلوده ام اندر همه عمر
دهنِ خویش به مداحیِ ممدوحِ دگر

لاجرم خامه دریں مرحله پر نابلد است
می نه داند که چساں طے کند ایں راه گزر

تهنیت خود سخنے بیش نه‌باشد که درو
چوں بگویند مکرر نه‌بود هیچ اثر

ور بجز محمدتِ خواجه نه راند حرفے
به تملق کندش دهر به هر شهر سمر

ور به عرضِ هنرِ خویش دکاں بکشاید
ایں خرافت نه بود طبع زماں را درخور

ور به تشبیب و غزل روے سخن آراید
نیست ایں زمزمه‌ها جز به جوانی اجدر

ور نهد بر طلبِ جائزه بنیادِ کلام
کرده باشد مگر از شرم و حیا قطعِ نظر

آں که از مائدهٔ فیضِ تو ادرار خورد
واں که از نعمتِ تو بهره برد شام و سحر

دل رضا چوں دهدش کز تو عوض دارد چشم
بر سپاسے که ازاں هیچ گهش نیست مفر

خامه زیں جاست که از غایت حیرت زدگی
اندریں مرحله نه شناخته پا را از سر

پس بهاں به که کند ختمِ سخن را به دعا
که دمِ عجز پناهم به دعا مدحت گر

تا کنند اهلِ سخن مدحِ ملوک و وزرا
تا ملوک و وزرا مرجعِ فضل اند و هنر

باد اوصافِ تو از مدح و ثنا مستغنی
گرچه باشند به مدحِ تو عزیزاں مضطر

باد در سایهٔ **محبوب علی خاں** ایمن
دولتِ آصفی از هر حدث و فتنه و شر

★

۴- قصیده در شان جناب مستطاب هز مجستی حبیب‌الله خان والیِ دولت خداداد افغانستان خلد الله ملکه

(وقتے کہ برائے ملاحظہ مدرسة العلوم در علی‌گڑھ نزول اجلال فرموده بودند
ایں قصیده در مواجهہ ایشان خوانده شده)

(۱۹۰۷ع)

می‌رسد گر فرقِ عزت بگزرد از فرقدان
میزبانے را کہ شاہے چوں تو باشد میہمان

گر بہ رقص آید در و دیوارِ کالج دور نیست
زیں طرب کامد بہ دیدارش امیرِ کامران

دولتِ بیدار مفتِ ما کہ شد مہمانِ ما
چوں تو مہمانِ عزیزِ قیصرِ ہندوستان

زنده ، کاش امروز بودے بانیِ ایں درس گاہ
تا بدیدے پایہ‌اش بالاتر از وہم و گماں

تا ہمہ اُمیدہا کاندر دلِ خود بستہ بود
از قدومِ شہ بچشمِ خویشتن دیدے عیاں

اے سراجِ ملت و دیں اے امیر ابن امیر
اے چو بابِ نامدارِ خویش شاہے کاردان

سنگہا کاندر رہِ تعلیمِ قوم آمد بہ پیش
داستانِ عبرت انگیزش نہ‌گنجد در بیاں

قصہ کوتہ جہل و دانش سالہا در جنگ بود
جہل می‌کوشید تا نگزارد از دانش نشاں

دولتِ ہند ار نہ‌بودے حامیِ ایں درسگاہ
کوششِ بانی ہمہ برباد رفتے بےگماں

شکر لله کز میان برخاست آن جنگ و خلاف
جمله بربستند بر امدادِ این کالج میان

عاقبت مقبولیِ کالج بدین غایت رسید
تربیت‌گاه غریبان شد گزرگاهِ شهان

شکرِ این کهترنوازی کز قدومِ خویشتن
اهلِ کالج را فزودی آبرو و عز و شان

گر نویسد پارهٔ زان نیست یارائے قلم
ور بگوید اندکے زان نیست نیروئے زبان

پس همان بهتر که گردد بر دعا ختمِ سخن
زانکه ناید جز دعائے خواجه از ما بندگان

تا ز تعلیم است و تلقین دین و دنیا را فروغ
تا بود وابسته با علم و عمل نظمِ جهان

ملتِ افغان ز تدبیرِ تو اندر علم و فن
گوئے سبقت برده باد از جمله ابنائے زمان

آن چنان کز نوعِ خود در زور و طاقت برترست
هم‌چنان در علم و حکمت باد ممتاز از جهان

تا بود خیر و صلاحِ خلق در صلح و وفاق
تا نهالِ دوستی بار آورد امن و امان

اتحادِ دولتِ هند و خدادادِ امیر
باد مستحکم بسانِ اتحادِ جسم و جان

★★★

(د) مراثی

۱- مرثیۂ نواب مختارالملک سر سالارجنگ میر تراب علی خاں مرحوم

مدارالمہام سرکار عالی نظام

(۱۸۸۳ع)

داشت ہر کس بہ زباں مدحتِ مختارالملک
کامد از در خبرِ رحلتِ مختارالملک
تا چہ افتاد پس از نہضتِ مختارالملک
بر سرِ حشمت و جمعیتِ مختارالملک
اے اجل گر تنِ بے جاں تہِ خاکش سپری
نہ توانی کہ نکونامیش از یاد بری

لشکر از ماتمِ او چاک گریباں شدہ است
کشور از مردنِ او یک سرہ پژماں شدہ است
اے بسا چشم کزیں حادثہ گریاں شدہ است
حیدرآباد تو گوئی ہمہ بے جاں شدہ است
اے اجل گر تنِ بے جاں تہِ خاکش سپری
نہ توانی کہ نکونامیش از یاد بری

منتے ہست ازو بر سرِ سرکارِ نظام
کہ بہ شکرش نتواں کرد مہ و سال قیام
ہم ازو یافتہ عدلیہ و مالیہ قوام
ہم بدو لشکر و ضبطیہ پذیرفت نظام
اے اجل گر تنِ بے جاں تہِ خاکش سپری
نہ توانی کہ نکونامیش از یاد بری

آه کایں درد نه دردیست که درمان دارد
ملک ازیں داهیه صد لرزه در ارکان دارد
قوم ازیں واقعه انگشت به دندان دارد
تا فلک در پسِ ایں پرده چه پنهان دارد
اے اجل گر تنِ بے جان تهِ خاکش سپری
نه توانی که نکونامیش از یاد بری

چشمِ اسلام ازیں غصه بخوں تر گردید
ملت از حالتِ پیشینه زبوں‌تر گردید
علمِ دیں که نگوں بود نگوں تر گردید
قیمتِ خواجه پس از مرگ فزوں تر گردید
اے اجل گر تنِ بے جان تهِ خاکش سپری
نه توانی که نکونامیش از یاد بری

دوست تا دشمنِ آو زو طمعِ یاری داشت
ملک از نیروے تدبیرش استواری داشت
دولتِ عهد ازو چشمِ وفاداری داشت
گردنِ قوم ز احسانش گراں‌باری داشت
اے اجل گر تنِ بے جان تهِ خاکش سپری
نه توانی که نکونامیش از یاد بری

آه ازاں بذل و سماحت که نیابیش همال
آه ازاں عقل و کفایت که نه‌بینیش مثال
سپس از هند چنیں مرد نه‌خیزد صد سال
خاصه از قوم که افتاد دراں قحطِ رجال
اے اجل گر تنِ بے جاد، تهِ خاکش سپری
نه توانی که نکونامیش از یاد بری

در علی گڑھ کہ نہادند عزیزاں بنیاد
درسگاہے کہ ز طوبیٰ ثمرش باد زیاد
تا بہ گیتی بود ایں قصرِ ہمایوں آباد
خلق را یاد جوانمردیِ او خواہد داد

اے اجل گر تنِ بے جاں تہ خاکش سپری
نہ توانی کہ نکونامیش از یاد بری

کیست در ہند کزیں غم لبِ حسرت نہ گزید
کیست از قوم کزیں غصہ گریباں نہ درید
تا بہ جاے کہ چو ایں نالۂ جاں کاہ شنید
حالیِ گوشہ‌نشیں ہم ز جگر آہ کشید

اے اجل گر تنِ بے جاں تہ خاکش سپری
نہ توانی کہ نکونامیش از یاد بری

★

۲ - مرثیۂ سر سید احمد خاں[1]

(۱۸۹۸ع)

۱

آہ ازیں تیرِ گزا را کز کماں انداختند
آہ کز یک زخم قومے نیم‌جاں انداختند

اے عجب کز رحلتِ فردے ز افرادِ بشر
عالمے را از قیامت در گماں انداختند

---

۱ - یہ مرثیہ جو (مرثیۂ غالب کی طرح) فارسی نظم میں حالی کا شاہکار ہے، سر سید کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد، مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہوا تھا۔ طبع اول کا ایک نسخہ برادر مکرم ظہیر احمد صاحب (اردو مرکز لاہور) کے توسط سے مجھے دست یاب ہوا جس میں تاریخ اشاعت ماہ مئی ۱۸۹۸ع درج ہے۔

اے عجب کز مُردنِ یک پیر مردِ سال‌خورد
تاب و تب در کودک و پیر و جوان انداختند

اے عجب کز سوزِ اندوهِ وفاتِ مسلمے
مردمِ هر کیش را آتش بجان انداختند

سید اندر قوم نقدے بود اندر کیسهٔ
کیسه خالی مانده و نقد از میان انداختند

قوم را سرمایهٔ مجد و علا از دست رفت
بعد ازان کایں گنج را در خاکدان انداختند

نوبهار آید دگر در باغِ قوم، آمید نیست
بعد ازو طرحِ خزانِ جاوداں انداختند

تا قیامت گوئی از تاراجِ ما فارغ شدند
کایں مصیبت بر سرِ اسلامیاں انداختند

اهلِ دیں بے یاور و دیں بے کس و بے یار ماند
هر گه ایں آوازه در هندوستاں انداختند

رفت و با خود رونقِ بزمِ مسلمانی ببرد
ملت از مرگش بپژمرد و مسلمانی بمرد

۲

آه آه از مرگِ دهر آشوبِ **سید** آه آه!
آنکه در هر ناملائم قوم را بودے پناه

عهدِ یاری کو به ملک و دین و دولت بسته بود
تا ز تن جاں برنیامد داشتے دائم نگاه

مشکلِ یاراں اگر بودے همه طوفانِ نوح
بر مثالِ کشتیِ نوح اندرو کردے شناه

عمرها کوشید تا شوید غبارِ سوے ظن
گر نشیند از رعیت بر دلِ ارکانِ شاه

چاره‌ها انگیخت تا طرحِ صداقت افگند
درمیانِ حاکم و محکوم و سالار و سپاه
کاروانِ قوم دور افتاده بود از راهِ راست
رفت و از بے راه برگرداند و آوردش براه
در مصافِ دهر بودن دین و ملت را سپر
حجِّ او این بود، اینش صوم و این بودش صلوٰه
سیدالقوم‌ست هر کس قوم را خدمت کند
خدمتِ او بر سیادت بس بود او را گواه
گرچه از ما می‌تواند صد چو سید آورد
آن که لعل آرد ز سنگ و لاله از خاکِ سیاه
لیک قومے کز فراز اندر نشیب افتاده اند
باز هرگز درنیابند انچه از کف داده اند

۳

می‌تواں در فضل و دانش شهرهٔ دوراں شدن
در فصاحت همچو سحباں ، در خرد لقماں شدن
می‌تواں در جاه و ثروت گوے از قاروں ببرد
می‌تواں در زهد و طاعت غیرتِ صنعاں شدن
می‌تواں در ملک و دولت خسروِ پرویز گشت
می‌تواں در زور و طاقت رستمِ دستاں شدن
می‌تواں قطبِ زماں شد، می تواں شد غوثِ وقت
هرچه خواهی می‌توانی شد بجز انساں شدن
چیست انسانی ؟ تپیدن از تپِ همسایگاں
از سمومِ نجد در باغِ عدن پژماں شدن
خوار دیدن خویش را از خواریِ ابنائے جنس
در شبستاں تنگ دل از محنتِ زنداں شدن

آتشِ قحطے کہ در کنعاں بسوزد باغ و کشت
بر فرازِ تختِ مصر از تابِ آں بریاں شدن
زیستن در فکرِ قوم و مُردن اندر بندِ قوم
گر توانی می‌توانی **سید احمد خاں** شدن
می‌تواں مقبولِ عالم گشت اما ہمچو شیخ
بہرِ سودِ خلق مردودِ جہاں نتواں شدن
جورِ اخواں دیدن و در عشقِ اخواں زیستن
زخمِ پیکاں خوردن و مشتاقِ پیکاں زیستن

۴

در رہش جمعے بہ تقلید اسپِ ہمت تاختند
لیک چوں رفتند گامے چند ، دل درباختند
زود دانستند کایں سودا نہ ہر سر را سزد
اہلِ دعویٰ کاندریں میداں علم افراختند
کار کارِ شیر مردان است کز سوزِ دروں
بزم را افروختند و شمع ساں بگداختند
سید از رہ تا دمِ آخر عناں را برنتافت
گرچہ در راہش بسے خار و خسک انداختند
بود یاراں را سپر تا بود در ہر شور و شر
لیک یاراں بر سرش تیغِ جفا می‌آختند
خواجہ در فکرِ صلاحِ دین و ملت درگزشت
لیک اہلِ دین و ملت قدرِ او نشناختند
جز ملامت ہیچ ننوشتند مزدِ خدمتش
چوں بنامش قرعہ در روزِ نخست انداختند
آرے از عالم ندیدستند جز جور و جفا
آں جواں مرداں کہ کارِ اہلِ عالم ساختند

آدمی وانگہ ز قومِ مردہ خیزد ، اے شگفت
کایں جہانِ مردمی زیں آب و گل چوں ساختند
حیف کاندر جمعِ مستاں ہوشیارے بود ، رفت
در زمینِ شور نخلے باردارے بود ، رفت

۵

گوے از گردش فروماندہ‌ست ، چوگاں را چہ شد
کشتی از جا می نہ‌جنبد ، موجِ عماں را چہ شد
دہ بہ ویرانی کشد و قتست ، دہقانش کجاست
گلہ سرگرداں شود زودست ، چوپاں را چہ شد
چیرہ شد سہرابِ دوراں ، رستمِ دستاں کجاست
یافت فرصت اہرمن ، مہرِ سلیماں را چہ شد
تارکِ ہر کس نہ‌دارد تابِ گرزِ روزگار
بر نمی‌تابد سرے ایں پتک ، سنداں را چہ شد

قوم را بیمِ عتاب و چشمِ رحم از کس نہ‌ماند
آں لبِ نفریں سرا ، آں چشمِ گریاں را چہ شد
پندِ ایں شیریں بیاناں در نمی‌گیرد بہ دل
آں زبانِ تلخ گو ، آں تیغِ عریاں را چہ شد
شد خزاں و از بہاراں نیست یاراں را خبر
آں بہارِ بے خزانِ بزمِ یاراں را چہ شد
دل گرفت از خندۂ گل تا ببست از خندہ لب
آں کلیدِ قفلِ دل ، آں لعلِ خنداں را چہ شد
آں کہ می بخشید جاں آں بادِ نوروزی کجاست
آں کہ می بارید دُر آں ابرِ نیساں را چہ شد
اے علی گڑھ آں کہ کردت شہرہ در امصار ، کو ؟
آں کہ از خاکت بہ گردوں برد آں معمار کو ؟

٦

آه ازاں در بیشۂ صدق و صفا شیرِ ژیاں
آں کہ در سرّ و علن بودش یکے دل با زباں

آں کہ چوں دریا نہ بودے تیرہ از بارانِ سنگ
آں کہ از عزمش نہ گشتے صورتِ کوہِ گراں

بود در امت بہ بدعت متہم از راستی
آرے ایں باشد دریں عالم سزائے راستاں

یار جز علمش نہ بود و علم دانی نا درست
ایں چنیں بے کس سزد کز جہل پردازد جہاں

بعدِ سید کز جفائے قوم نہ گزشت از وفا
کیست تا باشد بر ایں نامہربانان مہرباں

خانداش دانی یکے مہماں سرائے قوم بود
کیست مر ایں میہماناں را ازیں پس میزباں

بعد ازو کایں دشت را گلزار کرد و رفت ، کیست
ایں بناہا را ضماں ، ایں باغ ہا را باغباں

سعیِ ما مشکل کہ بعد از خواجہ ماند برقرار
جنبش از لعبت مجو ، لعّاب چوں رفت از میاں

جیش را فقدانِ سر عسکر ، خطر دارد خطر
گلہ را بگسستن از چوپاں ، زیاں دارد زیاں

رہرواں را بعد ازیں یارب دلیلِ راہ کیست ؟
دیگر ایں بے دولتاں را یارِ دولت خواہ کیست؟

۷

دوستاں ! از مرگ نه بود چاره وز فرقت مفر
چون زناں تاچند بودن بهرِ سید نوحه گر

جاے استقلال و وقتِ همت و مردانگی ست
کایں بلاے ناگهاں را نیست جز همت سپر

در غمِ سید اگر از فرضِ خود غافل شدید
ایں مصیبت را ست صد چندیں مصیبت بر اثر

خواجه دارالعلمے از بهرِ شما بگزاشت است
تا بود نسلِ شما از علم و دولت بهره ور

کوه ها کنده است تا ایں جوے شیر آورده است
بو که آبِ رفته در جوے شما آید ز سر

ترسم ایں سرچشمه گردد تیره از سنگِ خلاف
هان و هاں وقت است ، وقتِ اتفاقِ هم‌دگر

عزمِ جزم آرید و برخیزید و هم‌دستاں شوید
دست بکشائید و بربندید دامن بر کمر

شصت ملّین هست در هندوستاں توحید گوے
وه که چندیں خلق درماند ز کارِ یک نفر

یادگارِ خواجه بعد از خواجه برپا داشتن
شکرِ او را خوب تر زیں نیست اسلوبے دگر

مزدِ او ایں بس که در اصلاحِ خود کوشید زود
کز شما غیر از شما مطلوب او چیزے نبود

★★★

۳- قطعه بر وفات

آنربل نواب محمد علی خان مرحوم متخلص به رشکی
خلف اکبر حضرت نواب محمد مصطفٰی خان رحمه‌الله
رئیس جهانگیر آباد ، ضلع بلند شهر

دریغ از رحلتِ نواب **رشکی**
که بود امیدگاهِ **حالیِ** زار

به صورت گرچه بود از دیدگان دور
نه بود از دل نهان یک لحظه زنهار

به یادِ صحبتِ دیرینهٔ او
بدے روشن تر از روزم شبِ تار

ز مرگِ خواجه گم کردیم صد حیف
متاعِ کاسدِ خود را خریدار

دریغ آن شادباش و شادمان زی
دریغ آن کس مرنجان کس میازار

دریغ آن عیدِ وصلِ گاه‌گاهے
که می آمد پس از یک سال یک‌بار

دریغ آن یادِ صحبت هاے پیشین
که می شد تازه از انشا و اشعار

دریغ آن یادگارِ عهدِ اسلاف
که‌یاد از وضعِ شان دادے به کردار

قدیمان را نه راندے از درِ خویش
وگر بودند مجرم یا خطاکار

به عمرِ خویشتن نه گرفت گاهے
به جرمے ، خشم بر خیلِ پرستار

مقرر داشت چوں رزقِ مقدر
بہ ہر کس ہرچہ می بخشید دادار
چناں کایزد درِ روزی نہ‌بندد
بہ جرمے یا خطاے بر گنہگار
ز حالی گرچہ کہتر بود در عمر
ولے بربست زیں جا پیش ازو بار
مگر از ما صبوری چشم می‌داشت
کہ لختے پیش از ما راند رہوار
بلے چوں جنگ نتواں با قضا کرد
بہ مرگش صبر باید کرد ناچار
ولے از دل نہ گردد یادِ او محو
بود تا جانِ محزوں در تنِ زار

★

۴ - قطعۂ تاریخ وفاتِ قبل از وقت سید محمود علی مرحوم خلف سید ببر علی لبیسۂ مہیں برادر جناب سرسید احمد خاں بہادر رحمۃ‌اللہ

کہ از طلبۂ رشید و کامیاب محمدن کالج علی گڑھ بود

زبدۂ اتراب و شمعِ جمع ، محمودِ علی
آں کہ در باغِ شبابش بود آغازِ بہار
آنکہ انوارِ نجابت می‌درخشید از رخش
آں کہ آثارِ رشادش از جبیں بود آشکار
آں کہ در کسبِ علوم آخر بہ پایاں بردہ راہ
گرچہ آمد سنگہا در راہش از لیل و نہار
در ہزار و سی صد و نُہ کرد دنیا را وداع
پیش ازاں کز باغِ دنیا ہیچ چیند برگ و بار

پیش ازاں کز نخلِ سعیِ خویش افشاند رطب
پیش ازاں کز پائے رہ پیما برآرد نوکِ خار

پیش ازاں کز ثمرۂ تعلیم گشتہ بہرہ ور
گل دماند سرپرستاں را براہِ انتظار

پیش ازاں کز عمر و از دولت نصیبے یافتہ
ہم نیا را یار گردد ہم پدر را غم‌گسار

آں کہ بودے چشمِ یاراں را فروغ از دیدنش
آں کہ گشتے از فراقش خاطرِ یاراں فگار

حیف کز یاراں فراقِ جاودانی برگزید
نا گرفتہ در جہاں چوں قطرۂ شبنم قرار

یا رب او را کز جہاں شد با دلِ پر آرزو
جائے صدیقاں بدہ از لطف در دارالقرار!

★

۵ - قطعہ بر وفات وزیرالدولہ خلیفہ سید محمد حسن خاں مرحوم وزیر ریاست پٹیالہ

آہ از مرگِ مفاجاتِ **وزیرالدولہ**
کہ فروریخت بہ حیرت خبرش ہر کہ شنید

برنہ‌تابد جگر ایں داہیۂ دہیا را
کامد از پردۂ تقدیر بناگاہ پدید

فارغ از ماتمِ فرزندِ جواں ناگشتہ
رخت زی منزلِ فرزندِ جواں باز کشید

خلق را بہ نشدہ زخمِ دو تیرِ منکر
کز فلک بر اثرِ ایں ناوکِ دل دوز رسید

شهر **پٹیالہ** نہ تنہا بہ غمش نوحہ سراست
کہ بہ ہر ناحیہ زیں نالہ بلند است نشید

اے بسا چشم کزیں واقعہ خوناب فشاند
اے بسا دست کزیں غصہ گریباں بدرید

صبر بر مرگِ عزیزے نہ تواں کرد آرے
کہ بود فرد در اقران و در امثال وحید

آں کہ تردستیِ او در کرم و بذل و سخا
رسمِ اجداد ز سر کردہ بہ عالمِ تجدید

آں کہ ہرگاہ لب از لطف کشادے بہ سخن
گفتی از خلد نسیمِ سحری باز وزید

منتش شاملِ ہر فرقہ چہ بیگانہ چہ خویش
لطفِ او عام بہ ہر کس چہ قریب و چہ بعید

زخم مشکل کہ بہ تدبیر شود چارہ پذیر
کہ ازیں واقعہ بر دولتِ پٹیالہ رسید

ہمہ عمرش بہ نکوخواہیِ دولت بگزشت
تا توانست در اصلاحِ مفاسد کوشید

گر بکاوند ہمہ مملکتِ خالصہ را
ایں چنیں صاحبِ تدبیر و خرد نتواں دید

مگر از دودۂ او کس بہ تلافی خیزد
کش بود رائے پئے قفلِ درِ بستہ کلید

در **علی گڑھ** کہ بنا یافتہ دارالعلمے
از مددگاری و یاریش بسے داشت امید

یاورے گم شدہ از دستِ عزیزاں ہیہات
کہ ز دوراں بدلش می نہ تواں بازخرید

ذکرِ او مانده جاوید دریں دارِ علوم
کش نکو خواسته تا بود و نکو اندیشید
مردنش گرچه به هنگام نه بودست امّا
عاقبت روزے ازیں جرعه ببایست چشید
مُرد و با خویشتن از خلق بجز خیر نه برد
ایں چنیں مرگ نکو تر ز حیاتِ جاوید

★

۶ - قطعه در نوحهٔ وفات جناب مشیر الدوله خلیفهٔ سید محمد حسین خان مرحوم برادر خورد وزیرالدوله مغفور

آه از مرگِ مشیرالدوله آه !
آں عمادِ قوم و رکنِ خاندان
درس‌گاهِ قوم را پشت و پناه
دودمانِ **پهول** را حرزِ امان
آں به صورت انس و در سیرت ملک
آں به دانش پیر و در همت جوان
آں به تدبیر و خرد **بوزرجمهر**
آں به حزم و رائے **سولون**ِ زمان
آں به شوریٰ یک مشیرِ پخته‌کار
آں به دیوان یک دبیرِ کاردان
در سیاست از مفاسد برکنار
در دیانت از تعصب برکران
آنچه ملت دیده است از رحلتش
باغِ خرم می‌نه‌بیند از خزان
آنچه دولت را رسید از نهضتش
کم رسد گلزار را از مهرگان

عمرہا باید کہ خیزد مثلِ او
بخردے از سرزمینِ **پھلکیاں**

در **کراچی** چوں فراقش دست داد
بود گوئی آں فراقِ جاوداں

ناگرفتہ دم ز سیرِ **سند** آہ
کوسِ رحلت کوفت زی باغِ جناں

منتظر بودیم ازو پیغام را
کامدہ پیغامِ مرگش ناگہاں

جز نکوئی در خصالِ او نہ دید
ہیچ کس ہم در عیاں ہم در نہاں

در صفا آئینہ سرّش چوں علن
از ریا پاکش نہاں ہمچوں عیاں

آہ ازاں مخدومِ خادم پرورے
مہرباں تر از پدر بر خادماں

آہ آہ آں خواجۂ مہماں‌نواز
از کرم منت‌پذیر از میہماں

آہ ازاں در شادی و غم پائدار
آہ ازاں در ناخوش و خوش شادماں

قصہ کوتہ بود یک فردِ فرید
کاملہ از وصفِ او قاصر زباں

از خرد پرسیدمش سالِ رحیل
گفت سالِ رحلتش مغفور داں

۱۳۲۶ھ

★

۷ - قطعه بر وفات مولوی چراغ علی مرحوم

(۱۸۹۵ع)

آه آه از رحلتِ بے گاہِ **اعظم یار جنگ**
کز میانِ رہ ز ہمراہاں عناں پیچید و رفت

حیف دنیا را بہ پنجہ سالگی کردہ وداع
بزمِ ما را بزمِ ماتم باز گردانید و رفت

مستفیداں پر نہ کردہ دامنِ معنی ہنوز
مشتے از گنجینۂ لعل و گہر پاشید و رفت

از سحابِ فیضِ کلکش ناشدہ سیراب خلق
ساعتے برقِ یمانی از افق تابید و رفت

عقدہ ہا نکشودہ ماند و نکتہ ہا ننوشتہ ماند
مہرِ جوے شیر کوہِ بے ستوں کندید و رفت

کرد بے آزارِ خلق اعمالِ سلطانی ادا
نے ز کس رنجید و نے کس را برنجانید و رفت

یاورانِ قوم را تا زیست یاور بود و یار
ہرچہ بتوانست در تائید شاں کوشید و رفت

از دلِ پُر دردِ او گاہے صدائے برنخواست
مدتے چوں بحرِ کاہل در نہاں جوشید و رفت

طبعِ آزادش بہ ہر ملت کہ بینی صلح داشت
در دلِ خویش و دلِ بیگانہ درگنجید و رفت

گر زید صد سال کس انجامِ او مرگ ست و بس
چوں شرر بر وضعِ دوراں می‌تواں خندید و رفت

★★★

(ھ) قطعات

۱ ۔ قطعہ (بنام غالب)[1]

تو اے کہ رونقِ پیشینیاں بہم بشکست
ز نظم و نثرِ تو کاندر زمانِ ما گفتی
چہ نغمہ ہا کہ بہ قانونِ ذوق سنجیدی
چہ بذلہ ہا کہ بہ اندازِ دلربا گفتی

---

۱ ۔ جس موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا اس کے متعلق مفصل بحث ''یادگار غالب'' میں درج کردی گئی ہے ۔ اس قطعہ میں مرزا غالب مرحوم کی طرف خطاب کیا گیا ہے اور جو مضامین اس قطعہ میں درج کیے گئے ہیں ، اُن کا ماحصل بغیر ''یادگار غالب'' کے دیکھے اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہو سکتا ۔ (حالی)

متعلقہ بحث کا ماحصل ، حالی ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے :

''ایک روز مجھ سے ایک ایسی غلطی ہو گئی جس کے تصور سے مجھ کو ہمیشہ نہایت شرمندگی ہوتی ہے . . . مرزا کی بزرگی ، استادی اور کبرسنی کے ادب اور تعظیم کو بالائے طاق رکھ کر ، خشک مغز واعظوں کی طرح اُن کو نصیحت کرنی شروع کی ۔ چونکہ اُن کا ثقل سماعت انتہا کے درجے کو پہنچ گیا تھا اور اُن سے بات چیت صرف تحریر کے ذریعے سے کی جاتی تھی ، نماز پنج گانہ کی فرضیت اور تاکید پر ایک لمبا چوڑا لکچر لکھ کر اُن کے سامنے پیش کیا . . . مرزا کو یہ تحریک سخت ناگوار گزری . . . خصوصاً اس وجہ سے کہ انھی دنوں میں لوگ گمنام خطوں میں اُن کے اعمال و افعال پر بہت نازیبا طریقے سے نفرین و ملامت کر رہے تھے . . . اس کے بعد میں اُن سے رخصت ہو کر چلا آیا ۔ دوسرے روز حضرت نے ایک غزل لکھ کر میرے پاس بھیجی جس میں اگرچہ میرے نام اور تخلص کی تصریح نہ تھی لیکن اس کے بعض مضامین اور اشارات سے معلوم ہوا کہ اس میں جو طعن و تعریض ہے ، وہ میری ہی نسبت ہے . . . اس غزل کو دیکھ کر مجھ کو اس بات کا موقع ملا کہ مرزا کے کمالِ شاعری کی نسبت جو خیالات مکنونِ خاطر ہیں اور کبھی اُن کے اظہار کی نوبت نہیں آئی ، ان کو کسی قدر شکایت کے ساتھ ایک مختصر قطعہ میں بیان کیا جائے ۔ چنانچہ قطعۂ ذیل (تو اے کہ رونق پیشینیاں بہم بشکست) ترتیب دے کر مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا ۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

رسید نشۂ عرفاں چو ذکرِ مے راندی
شگفت خاطر یاراں گر از صبا گفتی

دوید ریشہ بہ دلہا چو حرفِ مہر زدی
دمید نخلِ تمنا چو از وفا گفتی

گہر بہ بزم فشاندی اگر ثنا خواندی
اثر ز لفظ دماندی اگر دعا گفتی

ہزار عقدۂ سربستہ باز بکشودی
ہزار نکتۂ پوشیدہ برملا گفتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا ، اُس زمانے میں مجھ کو نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم متخلص بہ شیفتہ و حسرتی ، رئیس جہاں گیرآباد کے ہاں تعلق تھا اور ان دنوں میں وہ دلی آئے ہوئے تھے اور میں انھی کے مکان پر مقیم تھا ۔ جب یہ قطعہ مرزا صاحب کی نظر سے گزرا تو انھوں نے چار بیت کا ایک نہایت لطیف قطعہ نواب مرحوم کے پاس لکھ کر بھیجا ، جو ذیل میں درج ہے :

تو اے کہ شیفتہ و حسرتی لقب داری
ہمی بہ لطف تو خود را اُمیدوار کنم

چو حالی از منِ آشفتہ بے سبب رنجید
تو گر شفیع نہ گردی بگو چہ کار کنم

دوبارہ عمر دہندم اگر بفرض محال
بران سرم کہ دراں عمر ایں دو کار کنم

یکے ادائے عباداتِ عمر پیشینہ
دگر بہ پیش گہِ حالی اعتذار کنم

. . . مرزا صاحب کے اس قطعہ پر میں نے ایک اور قطعہ لکھ کر اُن کی خدمت میں بھیجا (قطعۂ دیگر : ''تو اے کہ عذر فرستادہ‌ای بہ سوے رہی'') . . . جب یہ قطعہ مرزا صاحب کے پاس پہنچا ، اس پر یہ لکھ کر کہ '' بس اب بیت بحثی موقوف'' میرے پاس بھیج دیا ۔ اس کے بعد پھر اور کچھ نہیں لکھا گیا''۔ (یادگار غالب ، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی ، صفحہ ۷۶ تا ۸۴)

ز سرِّ تفرقه و جمع قصه‌ها راندی
ز سیرِ انفس و آفاق رازها گفتی

برآمد از دلِ بیگانگان ترانهٔ ذوق
به محفلی که سخن‌های آشنا گفتی

لطیفه‌ها که به لفظ و بیان نمی‌گنجید
تو چون فرشته ز غیب آمدی و وا گفتی

بحقِ لطفِ کلامت که هست بر دلِ ما
که پایهٔ سخن افراشتند تا گفتی

تو اے که هر سخنِ نغزِ تو به دل جا کرد
جز آن که در حقِ حالی به رمز وا گفتی

هر آنچه گفته‌ای اندر جوابِ عرضِ نیاز
خطا بود که بگیرم اگر خطا گفتی

ولے به عربده از حرفِ چند با خویشم
که گر نه‌گفته‌ام آخر تو از کجا گفتی

عجب که قاعده‌دانِ نیازمندی را
سفیه و معجب و خودبین و خودنما گفتی

عجب که چاشنی اندوزِ خاکساری را
رہینِ ذوقِ نواسنجیِ انا گفتی

عجب که منفعلے را ز نقدِ ناسره‌اش
به زرق در گروِ عرضِ کیمیا گفتی

نه راهِ حرف به سویت نه جائے منِ بدلت
جوابِ چیست اگر پرسم از کجا گفتی

اگر نه روئے سخن با تو بودمے گفتم
چگونه گفتی و چون گفتی و چرا گفتی

ولیک شرطِ ادب نیست بر تو خرده گرفت
هر آنچه در حقِ من گفته ای بجا گفتی

★

۲- قطعهٔ دیگر (بنام غالب)

تو اے که عذر فرستاده ای به سوے رہی
سزد که جان گرامی بران نثار کنم

شکایتے که توان گفت عین اخلاصش
گرم تو دوست شماری ہزار بار کنم

نمانده قاعدهٔ شکرِ بے ریا به جهان
اساسِ دوستی از شکوه استوار کنم

چو شکوه جز به تقاضاے دوستی نه بود
ز غیر شکر و شکایت ز دوستدار کنم

سرشت پاک و دلِ صاف داده‌اند مرا
به حرفِ تلخ ولے خالی از غبار کنم

خوش آنکه ساز کنم از تو شکوهٔ بے جا
تو اعتذار کنی و من افتخار کنم

خوش آنکه عذرِ تو چون در کند مرا بزمیں
دگر به پیشِ تو تمهیدِ اعتذار کنم

بران سرم که اگر مرگ امان دهد زیں پس
(ق) ز کارهاے جهان خاصه ایں سه کار کنم

ز کرده توبه نمایم ز گفته استغفار
دگر سپاسِ تو پنهان و آشکار کنم

★

۳ - قطعه در سپاس لطف و کرم جناب کرنل هالرائڈ وقتے که عنان ادارهٔ تعلیم پنجاب در دست ایشاں بود

اولاً شکرِ آں که فرمودی حاجت بندہ بےدریغ روا
ثانیاً عذرِ آں که چندیں بار آمدم از پئے صداعِ شما
آں شنیدی که گفت افلاطوں رنج برد آں که در نکوئیہا
رنجِ او عاقبت به پایاں رفت لیک نیکی ہمیشه ماند بجا
راست گویم گزاردن نه‌توان حق لطفے که کرده‌ای بر ما
می کنم ختم بر دعا گفتار که نیاید ز بنده غیرِ دعا

★

۴ - شکریه مسٹر وٹن افسر محکمهٔ پرمٹ

(از طرف عزیزی انشاء الله خاں مرحوم دہلوی)

فرزانه امیرِ دادگر وٹن[1]
کز داد و کرم زمانه بنواخت
دستش بگرفت و زود برداشت
آں را که فلک ز پا برانداخت
بنواخت به قدرِ پایهٔ آو
آں را که زمانه قدر نه شناخت
اصلاحِ ادارهٔ نمک کرد
زاں سان که ز ہر خلل بپرداخت
آوازه فگنند دار و گیرش
زاں گونه که دزد زہره درباخت
ناخواسته کامِ ما روا کرد
ناساخته کار ہائے ما ساخت

---

۱ - یه مصرع ''ضمیمه اردو کلیات نظم حالی'' میں اسی طرح چھپا ہوا ہے - (مرتب)

از فیضِ نیازمندیِ اوست
انشا کہ ز ناز سر بر افراخت

★

۵ - در شکر یادآوری عالی جناب هزهائینس امیرالامرا آنریبل نواب سر حامد علی خان بهادر مستعد جنگ والیِ ریاست رام پور دام اقبالهم

کیست یارب کز دلِ آزادگاں
مدحِ او جوشد چو از فوارہ آب

کیست کز ذکرِ جمیلش در جهاں
هر کسے نادیده می‌خواند کتاب

کیست کز ذوقِ ثنایش در دوات
خامہ می‌رقصد چو برق اندر سحاب

کیست کز صیتِ نوالش چار سو
قانعاں را در دهن گردیده آب

کیست کز رویش برافتد گر نقاب
گوئی از مشرق برآمد آفتاب

کیست کز خویش اگر حرفے رود
دفترِ اخلاق شوئی باب باب

کیست کز وصفش اگر جوئیش نام
در زماں بر دل فرود آید جواب

شہ نشاں حامد علی خاں آں کہ نیست
جز نمودارے ز رویش ماهتاب

روے آو نورِ ضمیرش را گواہ
رائے آو روے منیرش را جواب

خوے آو آمد دلیلِ خوے آو
گر دلیلے بایدت زو رو متاب

کیست کز اکسیر اگر پرسی نشاں
بشنوی خاکِ درش از دل جواب

چوں ز خلوت پا نہد در جلوہ‌گاہ
یا کند در بزم جمعے را خطاب

چشمہا از گوشہا سبقت برد
گوشہا بر چشمہا آرد شتاب

بردہ رہ گوئی بہ آبِ زندگی
ہر کہ از لطفِ کلامش کامیاب

جاوداں ماندہ ز راحت بے نصیب
ہر کہ از اعراضِ آو در پیچ و تاب

بر دلم نادیدہ بندِ مہرِ اوست
اے خوشا روزے کہ برخیزد حجاب

مہرباں بر خود گمانش کردہ ام[1]
تا چہ تعبیر آرد ایں فرخندہ خواب

اے سلف را میوۂ نخلِ آمید
وے نیاگاں را دعاے مستجاب

در جہاں باشی سلف را جانشیں
تا خلف ذی شاں بود نائب مناب

---

۱ - مسندنشینی کے چند سال بعد نواب ممدوح نے خاکسار کو رام پور میں یاد فرمایا تھا - آس وقت اول یہ قطعہ بھیجا گیا تھا ، آس کے بعد راقم خود گیا تھا - (حالی)

نامِ آباء زندہ باد از نسبتت
تا پسر جوید بہ آباء انتساب

تا حساب از عمر و از دولت کنند
دولت و عمرِ تو بادا بےحساب

★

۶ - قطعہ در شکر صحت‌یابی شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی[1]

للّٰہ الحمد پس از ناخوشی و رنجِ دراز
شبلیِ ما بہ مراد از سرِ بالیں برخاست

آں کہ نامش بہ کمالات سمر در گیتی‌ست
آں کہ مشہور در آفاق بہ شمس العلما ست

آں کہ گر سر کند افسانۂ فضل و ہنرش
خاصہ مشکل کہ بہ پایاں بردش بےکم‌وکاست

آں کہ خوانندش اگر فخرِ زمانِ خود و بس
کردہ باشند عدول اہلِ سخن از رہِ راست

بود در علتِ او علتِ قومے مضمر
لاجرم صحتِ آو بہرِ ہمہ قوم شفا ست

بسکہ او روح دمیدہ است بہ تاریخِ سلف
ہر قدر فخر بہ ذاتش بکند قوم رواست

---

۱ - ماہ ستمبر ۱۸۹۹ع میں علامہ شبلی نے ایک طویل علالت سے صحت یاب ہونے کے بعد اپنے احباب کے پاس ''قصیدۂ کشمیریہ'' کی نقلیں بھیجی تھیں جس کا مطلع یہ ہے :

دوستاں اے کہ رہ و رسم وفا کیش شما ست؟
ہیچ دانید کہ شبلی بچہ حال ست و کجا ست

حالی نے ۱۸ ستمبر ۱۸۹۹ع کو ''قصیدۂ کشمیریہ'' کی رسید اور شکریے کا خط لکھا جس میں یہ قطعہ بھی درج تھا - (بحوالہ مکاتیب حالی صفحہ — ۳۵)

زنده تا دیر بماناد که بر قدِّ کسے
بعد ازو خلعتِ تحقیق نمی‌آید راست

★

(و) متفرقات

---

۱ - ترتیب ماه های جلالی در نظم

آذر و دے ، بهمن ، اسفندار ، فروردیں ، بهشت
باز خورداد ست و تیر است و امرداد اے جوان
باز شهریور ، سپس مهر ست و آباں بعد ازو
بر یک از ماهِ جلالی پیشِ تو کردم بیاں

۲ - عیدی شبِ برات

تعالی‌الله شبے کایزد دریں شب
کساں را مُقبل و مُدبر نماید
اگر اقبال خواہی بندگی کن
که حلوه خوردنی را روے باید

۳ - تمہید رقعهٔ شادی عروسی

(منقول از دیوان حالی)

شکر که از فضلِ خداے جہاں
وقتِ خوش از پرده برآمد عیاں
شادیِ دل را سبب آمد به دست
فرصتِ بزمِ طرب آمد به دست

تا شود از مَقْدَمِ اہلِ کرم
کلبهٔ ما غیرتِ باغِ ارم

۴ - ایضاً

رفت آسیبِ زمستاں بادِ نوروزی وزید
دوستداراں را بشارت باد و یاراں را نوید

طرحِ بزمِ خرّمی با ہمدگر باید نہاد
نغمۂ شکرِ الٰہی دم بہ دم باید کشید

۵ - ایضاً

ہزار دیدہ و دل فرشِ راہِ یارانے
کہ از مسرتِ یاراں مسرت اندوزند

بہ شادی و طرب ہمدگر شوند انباز
ہزار رخ ز فروغِ دلے بر افروزند

۶ - ایضاً

کارِ احباب ساختن بتواں دوستاں را نواختن بتواں
تا بہ دہر ابر و باد خواہد ماند از شما لطف یاد خواہد ماند

۷ - فرد

چیدند خوانِ نعمتے چوں سیر شد دل از جہاں
دادند آبِ زندگی امّا پس از نزعِ روان

*

(ز) قطعاتِ تاریخ و مختلف مادہ ہائے تاریخ

---

۱ - قطعۂ تاریخ طبع دیوان میر مہدی مجروح دہلوی

مجروح آں کہ نامِ سلف زندہ است ازو
ذاتش بود غنیمتِ کبریٰ دریں زماں

دہلی کہ بود کانِ ہنر ، معدنِ کمال
امروز از کمال نیابی درو نشاں

جمعے کہ داشت سر بفلک از وجودِ شاں
راندند سوے جنتِ ماویٰ یگاں یگاں

وانانکہ ماندہ اند ازاں جمع یادگار
لبیک می‌زنند اجل را زماں زماں

غالب برفت و نیّر و آزردہ رفت و ذوق
مومن برفت و حسرتی و عارف از میاں

رفتند و جاے خود ہمہ خالی گزاشتند
کس برنخاست تا بنشیند بجاے شاں

مجروح ماندہ است ازاں جمع یادگار
یا رب بدار از بدِ دورانش در اماں

کایں عندلیب قصہ ہمی خواند از بہار
وین گل خبر ہمی دہد از عہدِ گلستاں

دیوانِ او کہ ریختہ را دورِ آخر است
خوش می زند صدا بہ حریفانِ نکتہ داں

کایں مے کہ وا گزاشتۂ میر و میرزا ست
می بخشمش بہ ہر جگرِ تشنہ رائگاں

القصہ چاپ گشتہ و ارزاں شد آں متاع
کانرا بہ نقدِ عمر خریدن ہمی‌تواں

پرسد اگر کسے ز تو تاریخ **حالیا**
گو ، ''نظم دلفریب'' بود سالِ طبعِ آں

۱۳۱۶ھ

★

۲ - قطعهٔ تاریخ طبعِ دیوانِ منشی اقبال حسین صاحب متخلص به عاشق

جوان مرد آزاده عاشق که نیست
در اقرانِ خود کس مر او را قرین

نه صیّاد و همواره از حسنِ خلق
پئے صیدِ آزادگان در کمین

نه سحّار و پیوسته زافسونِ نطق
کشد زآشیان باز و شیر از عرین

همی بارد از جبهاش انبساط
اگر مهربان است و گر خشمگین

نه بینیش گهه مر که بر ابروان
نه یابیش افتاده چین بر جبین

دو سال است کافسونِ مهر و وفاش
ربودست صبرم ز جانِ حزین

ولے دیر پیوند ، نا آشنا
که بودست فارغ ز مهر و ز کین

ندانم که عاشق چه افسون دمید
که در باخت خود را به مهرش چنین

سرِ رشته هیهات دادم ز دست
سخن زآسمان بود و رفت از زمین

کنون رانم از طبعِ دیوان سخن
که شد جلوه‌فرما بنوعِ گزین

دریں روزها کز صروفِ زمان
سخن شد مهان و سخن‌ور مهین

عروسِ سخن می‌نیرزد به جو
به حسن ار بود غیرتِ حورِ عین

صد آباد بر عاشق و عزمِ او
که در دورِ ناسازگارے چنیں
ز معنی ، به بیگانه و آشنا
فشاندست گنجینه از آستیں

چو دیوان اردوے عاشق که بست
صنم‌خانهٔ طُرفه گفتی ز چیں
به پیرایهٔ طبع آراستند
شنیدند از هر طرف آفریں

سخن کش نه بود ارزشے در جهاں
ز شادی نه گنجید در پوستیں

چو **حالی** همی جُست تاریخِ طبع
''صنم خانهٔ عشق'' آمد سنیں[1]

۱۳۰۷ھ

★

۳ - تاریخ بنائے مکان سید عوض علی مرحوم رئیس جارچه ضلع بلند شهر که حسب فرمائش برادر عزیز الوجود سید فیاض حسین مرحوم نوشته شد

کرد سید عوض علی تعمیر ایں شبستاں برائے نزهتِ دل
چوں به پایاں رسید هاتف گفت سال هجریش داں ''ظفرمنزل''

۱۳۰۷ھ

پس بکن لفظِ ''بے‌مثال'' فزوں تا شود سالِ عیسوی حاصل

۵۸۳ + ۱۳۰۷ = ۱۸۹۰ع

---

۱ - اس قطعے کے آخری چار شعر ضمیمه اردو کلیات نظم حالی میں درج نہیں ، دیوان حالی سے نقل کیے گئے ہیں - (مرتب)

۴ - قطعۂ تاریخِ تعمیرِ مسجد واقع سونی پت کہ بہ اہتمام خواجہ محمد علی مرحوم خطیب پانی پت و واصل باقی نویس تحصیل سونی پت تعمیر یافتہ

محمد علی آں مددگارِ حق
کہ از مال و جان است بر دیں فدا

کمر بستہ بر یاریِ اہلِ دیں
بہ تعمیرِ ایں جامعِ دلکشا

پئے آنکہ زیں عہدہ آید بروں
کشیدہ بسے ماہ رنج و عنا

دگر جمعے از حق پرستانِ شہر
دریں کار با او شدہ ہم نوا

چو سالِ بنایش بجستم ز دل
بگفتا "چہ خوش کرد مسجد بنا"

۱۲۹۳ھ

۵ - تاریخ وفات جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم جو حافظ محمد یعقوب صاحب مجددی کی فرمائش سے لکھا گیا تھا

شد کرامت علی ز دارِ فنا
ماند خلقے بہ گریہ و زاری

مغفرت وقفِ روحِ خواجہ کہ او
یافت رحلت بہ سال غفّاری

۱۲۹۱ھ

۶ - تاریخ وفات محمد ابراهیم جواں مرگ طالب علم بی - اے کلاس دهلی کالج

محمد براهیم چوں ترکِ جاں گفت
ز نخلِ جوانی ثمر برنخورده

بگفتم ز روے ''الم'' سالِ فوتش
ا
''بجاں آفریں جان شیریں سپرده''

۱۲۹۳ = ۱ + ۱۲۹۲ھ

★

۷ - قطعۂ تاریخ برپایاں رسیدن بناے سید مہربان علی مرحوم رئیس گلاوٹھی در بلند شہر

علی آں سیّد والا کہ باشد
بنامش مہربان جزوے ز اجزا

بود با ذاتِ او توام سیادت
چناں کز نامِ او مہرست پیدا

چو ایں کاشانہ را بنیاد بنہاد
بہ عہدِ حاکمِ بیدار و دانا

گروس آں فیض‌گستر کز وجودش
شد ایں معموره چوں گلشن سراپا

چنیں گفتمش **حالی** سالِ تعمیر
''مکان بے نظیر آباد بادا''

۱۲۹۹ھ

★

۸ - قطعۂ تاریخ اورنگ نشینی آصف جاہ نظام‌الملک سادس میر محبوب علی خاں بہادر فرماں روائے ملک دکن

بہ سالِ فرخ و ماہِ سعید و روزِ فرخندہ
نظام الملک محبوبِ علی خاں آصفِ ثانی

بہ تخت سلطنت بنشست و **حالی** گفت تاریخش
''برائے وے مبارک تاج و اورنگِ جہاں بانی''

۱۳۰۱ھ

۹ - تاریخ رحلت جناب نواب ضیاءالدین احمد خاں صاحب مرحوم دہلوی رئیس لوہارو

دردا کہ ضیاء دینِ احمد بربست

۹۲۹ھ

رختِ سفر از جہاں کہ جائے الم است
از طاق و ز ایوان و ز بزم و جلسا
۹۴ + ۳۹ + ۶۸ + ۱۱۰
بگسستہ بہ رحمتِ الٰہی پیوست[1]

۶۹۴

۱۰ - تاریخ بنائے مہماں سرائے در موضع مون واقع پنجاب ، بحساب سال عیسوی

بحرِ کرم آں وزیرچند کہ باقی‌ست
نامِ بزرگان موں ز بذل و نوالش

۱- یہ تاریخ اس‌طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جوکہ ضیاء دین احمد کے اعداد ہیں ، ۳۲۱ جو کہ طاق ، ایوان ، بزم اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے ، تخرجہ کرکے باقی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد ہیں ، ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے - (حالی)

ساختہ منزل گہے چو مہرِ غریباں
''تکیہ گہہ ہر غریب'' آمدہ سالش

ع ۱۸۷۷

۱۱ - تاریخ بنائے باغ در موضع ِتسّہ ضلع مظفر نگر
ترتیب‌دادہ سید فیاض علی خاں رئیس ِتسّہ

رئیس نامور فیاض علی خاں
کہ نتواں کرد وصفِ او ز صد یک

بہ ِتسّہ طرفہ باغے طرح انداخت
کہ در خوبی زند بر خلد چشمک

چو **حالی** سال ترتیبش ہمی جست
خرد فرمود ''باغ نو مبارک''

۱۳۲۲ ھ

۱۲ - قطعہ' تاریخ تعمیر چاہ بنا کردہ سید محمد ذکی رئیس سونی پت

بکند چاہ چو سید ذکی بہ سونی پت
ز خاک جوش بزد آبِ صافی و شیریں

ندا رسید ز ہاتف بہ گوشِ **حالیِ** زار
کہ ہست سال بنا ''چشمۂ بہشتِ بریں''

۱۳۱۷ ھ

★

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

(ح) قطعات تاریخ (غیر مدّون)

۱ - قطعۂ تاریخ وفات خواجہ فریدالدین احمد[1] حسب فرمائش سر سید احمد خاں

رختِ سفر چو از جہاں خواجہ فریدِ دیں ببست
از پئے سال رحلتش سوے بہ سو شتافتم
روے نمود ناگہاں خواجہ شبے بہ خواب در
دید و بخندہ بازگفت ''جا بہ بہشت یافتم''

۱۲۴۴ھ

۲ . قطعۂ تاریخِ وفات مولوی چراغ علی[1]

زخمے از مرگِ چراغ علی آمد بر دل
کہ ازو خاطرِ افکار بصد غم شدہ جفت
از خرد سالِ وفاتش چو بجستم محمود
''شد نہاں حیف چراغ علی از دنیا'' گفت

۱۸۹۵ع

۱ - سرسید احمد کے نانا ، خواجہ فرید الدین احمد کا انتقال ۱۴ محرم ۱۲۴۴ھ (مطابق ۱۸۲۸ع) کو ہوا تھا - ''سیرت فریدیہ'' میں سرسید لکھتے ہیں :

''آن کے چھوٹے بیٹے نواب زین العابدین خاں نے مادۂ تاریخ وفات ''جا بہ بہشت یافتم'' نکالا اور اس کو بطور قطعہ کے موزوں بھی کیا تھا جو راقم کو یاد نہیں رہا - زمانۂ تحریر اس رسالہ میں یعنی ۲۵ اگست ۱۸۹۳ع کو میں نے اس کا ذکر مولانا خواجہ الطاف حسین حالی سے کیا - انھوں نے اس مادۂ تاریخ کو اس طرح پر موزوں کر دیا - (بحوالہ سیرت فریدیہ - مشمولہ مقالات سرسید حصہ شانزدہم ، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی صفحہ ۶۶۷)-

۱ - نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی کی وفات (۱۵ جون ۱۸۹۵ع) پر سید محمود (خلف سرسید احمد خاں) نے ''حیف چراغ علی از دنیا نہاں شد'' سے مادۂ تاریخ نکالا - مولانا حالی نے اس مادۂ تاریخ کو قطعے کی صورت میں نظم فرما دیا -

۳ - قطعۂ تاریخ وفات نواب محسن الملک[1]

محسن الملک آہ ز دنیا برفت
خلق شد از رحلتش اندوہ‌گیں
سالِ وفاتش شدہ ملہم ز غیب
"انجمن آرائے بہشتِ بریں"

۱۳۲۵ھ

★★★

---

۱ - یہ قطعہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (مورخہ ۶ نومبر ۱۹۰۷ع) میں شائع ہوا تھا۔

ضمیمہ (۳)

کلام عربی

۱ - نظم عربی جو مخدومی منشی محمد کرم اللہ خاں دام بقاؤ ہم کی شادی کتخدائی کے موقع پر بہ طور مبارک باد کے بیماری کی حالت میں لاہور سے دہلی بھیجی گئی تھی - (حالی)

بنفسی ما بہٖ جاء البشیر، و ما افدی بہٖ شی یسیر،
فبشّرنی و قد القیت سمعی بسور لایکافئہ سرور،
فقمت اذاً و کیف یقوم مثلی نحیفاً لیس یبعثہ النشور،
شکیاً لا یصاحبہ انیس غریباً لا یزار و لایزور،
نسیت و لم اَکُ انسٰی همومی فما هذا النشاط و ذالسرور،
اری الارجاء قد ملئت بهاءً و فی القمرین فوق النور نور،
فیا للّربع من ربعٍ بهیجٍ بہ صحب و اخوان حضور،
کانّ الناس حول العرس کانوا نجوماً بینها قمر منیر،
و ارجو حضرۃ الاصحاب فیہ بشوق لا الیٰ هوس یصیر،
فان یک فاتنی ما کنت ارجو اذاً قد فاتنی خیر کثیر،
اَحبّ و لست اکذب عرس قوم لهم و لعرسهم شانٌ کبیر،
ابوہ فجدّہ و هلم جراً سریّ او غنیّ او امیر،

له فی ذاته کرم عمیم کما فی اسمه کرم شهیر،
فقرّت اعین الزوجین قراً الیٰ ما کان للّدنیا قدور،
و کان مبارکاً لهما ازدواج بوُدّ لا یداخله نفور،
فباطنه کظاهره صلاح و آخره کاوّله حبور،

★

۲ - ذیل کی ابیات دہلی کے احباب کو لاہور سے اُس وقت لکھ کر بھیجی گئی تھیں جبکہ راقم دلی سے بدل کر لاہور کے سررشتۂ ترجمہ میں چلا گیا تھا اور دوستوں کی جدائی میں مغموم تھا۔ (حالی)

هل مَن یبلّغ عن محصور لاهورٍ
عن مبتلی فیه بعد الکور بالجورٍ
اللی دیار بها سلمٰی و اهلیها
ان لم یکن فی زمان البین من خیرٍ
هل فیکم من یواسی حائداً اسفاً
بما مضیٰ من دوام القرب و الزورٍ
و لم یزل حدثان الدهر یزعجنی
یوماً بنجد و یوماً کنت فی غُورٍ
لٰکننّی راسخ فی حبّکم قدمی
فلن آحوَل عن طور الیٰ طورٍ
انّی آحبّ و اهوی ان آلاقیکم
ان لم یکن نحوکم مسعای او سیری

انی ارانی و قد آنضبت من نصب
بحیث لم ابق ان امتاز عن غیری

و اذ رایتُ قضاء الله محتکماً
رایتُ نفعی طوی فیما یریٰ ضیری

ارجو من الله بعد العسر میسرۃً
اما علیٰ مهلة ما او علیٰ فورٍ

★

۳ - ذیل کی نظم کارڈری صاحب[1] کی شان میں اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ وہ لاہور میں قائم مقام ڈائرکٹر سر رشتۂ تعلیم تھے اور راقم سر رشتۂ ترجمہ میں کام کرتا تھا اور صاحب ممدوح سے ایک معاملے میں سفارش کا خواستگار تھا - (حالی)

لنا آسیائین عند خصاصةٍ
تکون بنا ان نلتجی بالقصائدِ

فنثنی علیٰ من کان یکفی امورنا
ولا سیما من کان اشعر ناقدِ

و انت الذی تحوی الفضائل جمّةً
کما تحتوی الداماء جمّ الفوائدِ

ففتشناک تفتیش اللحاۃ عن العدی
فلم نر شیئاً فیک غیر المحامدِ

---

۱ - یہ وہی کارڈری صاحب ہیں جو آخر کو ریزیڈنٹ مقرر ہو کر حیدر آباد گئے اور کئی سال وہاں ریزیڈنٹ رہے - (حالی)

لقد قلما وليت امر جماعةٍ
تميزت منهم واحداً بعد واحدٍ[1]

و من ذا الذی یغرک ذرب لسانه
فانک لا تشری رضاک بکاسدٍ[1]

ولم ینسک الغیّاب عنک مغیبهم
فعندک حق الغائبین کشاهدٍ[1]

اتیت ببدع لم یجد قبل واحد
الیه سبیلاً من ذکی و خامدٍ[1]

کشفت غطاء عن خبیّات هومر[1]
کما یکشف الصبح الدجی عن مراقدٍ[1]

و هل بعد هذا الفضل للمرء حاجة
الی غیره من بیّنات الشواهدٍ[1]

مدحتک حقّاً غیر مطر مبالغ
و شانک عندی فوق تلک المحامدٍ[1]

★

۴ - مبارک باد شادی کتخدائی جناب مرزا ثریا جاه صاحب گورگانی خلف اوسط جناب مرزا ہدایت افزا المعروف بہ مرزا الٰہی بخش مرحوم جو میرے عزیز دوست مولوی مرزا اشرف بیگ مرحوم کی فرمائش سے لکھی گئی - (حالی)

ابیت اللعن نخبة آل قوم الیهم ینتهی کلّ المعالی
لهم بین الوری ذکر رفیعٌ و شان فی ملوک الدهر عال

---

۱ - کارڈری صاحب نے یونان کے مشہور شاعر ہومر کی کتاب نظم یعنی ''الیڈ'' کا ترجمہ یونانی سے انگریزی نظم میں کرکے انگلستان میں بڑی شہرت حاصل کی ہے - یہ اسی ترجمے کی طرف اشارہ ہے - (حالی)

و انک انت یا من طاب نفساً لهم خیر الجدود لخیر آل
خطبت کریمةً من طیباتٍ اولات الفضل خیّرة الفعال
فیا للمنتدی خیر التوادیً به حقت موالات الموالی
و یا للعرس من فحل کریم اثیل المجد محمود الخصال
یجود بما یضنّ ولا یباهی و یفعل مایشاء و لایبالی
یجیب السائلین بغیر مکث و یعطی العائلین بلا سوال
و ان یک اصغر الاقران سنّاً فاکبرهم بلوغاً فی الکمال
فبورک فیه مادام الثریا و ما السلخ النهار من اللیالی

۵ - قصیده بائیه

در شان حضرت شاه عبدالغنی قدس سره که هنگام اقامت آنجناب در مدینه منوره از هند بخدمت با برکت ایشان فرستاده شده بود و از آنجا اطلاع رسیدن آن ابیات حضرت ایشان به دستخط خاص در عبارت مندرجه ذیل داده بودند :

[۱]
بسم الله الرحمن الرحیم - من عبدالغنی ابن ابی سعید الی الفاضل النبیل والادیب الجلیل المولوی الطاف حسین - السلام علیکم و رحمة الله و برکاته - وصل مکتوبکم الشریف مع القصیدة الی العبد الضعیف مع فصاحته و بلاغته لایخلو عن‌الشین من جهة الممدوح -

لا عیب فیهم غیر ان سیوفهم
فیها فلول من قراع الکتائب

[۱]
و استحسنها بعض أدباء المدینة المنورة لما فیه من البراعة و الفصاحة - الله یتجاوز من زللی وینفعکم باعلی

منايا و مآرب بجاه صاحب الشفاعة الكبرى سيدنا محمد و آله و اصحابه فلک السعادة و نجوم الهداية بلا ريب و خلل - و السلام - (حالی)

هوی الحور بلوی کل حبرٍ و نادب
و فتنة قسّيسٍ و زلّة راهب
و هزم لمنصورٍ و فتح لخازلٍ
و عزّ لمغلوبٍ و ذلّ لغالب

و ما من نساء الحیّ للعز مخلص
بلمحٍ قد ستأسرن اهل التجارب
و ليس بداءٍ کاد يشفی سقيمه
صبابة قلبی بالعذاری الکواعب

قد اختطفت لبّی و روعی مليحة
بلطف مدارٍ لا بعبس معاتب
معطلة الآراء من غير رقيةٍ
مقتّلة الاحشاء لا بالمضارب
و صاحبة العشاق لا فی مکارةٍ
و کاذبة الميثاق لا بالمراقب
لفی نظرةٍ منها و غمزٍ و لمحةٍ
بلاء لذی ورعٍ الی الله تائب

و كم من حياءٍ دونها و تصبّب
و حصنٍ من التقوى و خوف العواقبٍ

عجبنا لما قد خرّ موسى و صعقه
و لكن راينا عند كشف الجلابب

ذهبنا لنلهيها بنا عن مشاغلٍ
فجاءت و الهتنى عن الاشتغال بىٍ

اشدّ بلاءً وصلها من فراقها
اذا كان عند الوصل خوف المراقب

أراقب وقت الوصل من غير موعدٍ
اصدّق فى اقدامها قول كاذب

اليلاى ما اغناک عن شان مولعٍ
له انت فى دنياه قصوى المآرب

تناسيت فى ذكراک علماً و حكمةً
لانضيت اياماً اليها ركائب

ذهبت بصبرى يوم اقدمت فى الحمٰى
نزلت و ما انزلت حمل المراكب

شغلت بلحظٍ قلبنا عن مشاغلٍ
صرفت برمزٍ قصدنا عن رغائب

يغشّى على ابصارنا منک جلوةٌ
كانک فى الاستار من غير حاجب

عتابک حلو فی المذاق فعاتبی
و ضربک حق للرقاب فضاربی
و دونک قلب العاذلین بنظرةٍ
لک الّدین عند العاشقین فطالبی

احبّة لا تشکوا حزیناً فربّما
تهیّج للاصحاب رنّة صاحب
ذرونی و قلبی بالزرأیا فانّه
مصائب اخری ذکر تلک المصائب

لقد قلّ عونی فی اخوٍّ کثیرةٍ
کانّی غریب بین خلّ و قارب
و لی من موال انّما انا بینهم
بمنزلة الکرارٍ بین الغواصب

و فیا الّتی سلمی وصولی فانّنی
ضللت سبیلی فی ضیاء الکواکب
لاصبح یوم البین کاللیل مظلماً
کانّ صباحی قطعة من غیاهب
کما اظلم الدهلی بتغریب کوکبٍ
مضیٍ علی عربٍ عن الهند عازب
عروف غزیر العلم هادٍ و مرشد
جلیلٍ المساعی مستفیضٍ المناقبٍ

صبورٍ على البلوىٰ شكورٍ على اللهىٰ
نفور من الدنيا الى الحق راغب

مدار كمال مقتدى كل كامل
محط رجال منتهىٰ كل طالب

اذا ما قضىٰ عدلٍ صدوق اذا روىٰ
مصيب اذا افتى اذا قال صائب

وحيد الورىٰ عبدالغنى الذى له
اوائل مرآة لكشف العواقب

يقوم غبّى جالس الشيخ ساعةً
بقلب ذكّى مطمئنّ مراقب

و ترجع رجعاً قهقرىٰ دون بابه
ضلالة ضّليل و خيبة خائب

ليعلم علم الناس بالشمس فى الضحىٰ
باسرار موجودٍ و احوال غائب

بدايته، اقصىٰ نهايات منته
نهايته، قصوىٰ عنايات واهب

مهابته، فى نفس الف و وامق
ارادته، فى قلب عادٍ و جانب

هو السابق الغايات من صاعدى العلى
الىٰ رجلهم لاينتهى سير راكب

كراماتهم مشهورةٌ فی مشارق
مقاماتهم مذکورةٌ فی مغاربً

لاوضح برهانٍ علیٰ اختصاصهم
بموهبة الرحمن[1] خیر المواهب

صیانتهم من کل طاغ و عاند
اذا غلبوا فی الهند کلّ اغالبً

و ممن یصدّون السبیل اَمامهم
و کم خلفهم اذا هاجروا من معاقب

فلمّا احیطوا انّما کان حولهم
نصال العوالی او ذباب القواضب

و لمّا اتیٰ نصر من الله بغتةً
لقد سابقوهم معجزی کل ناهب

مآثره شرع غریباً و قاطناً
فیا عجبا من رائجات الجلائب

و لم یرو حتیٰ اجتاز آبار قومه
فقد ورد الینبوع اصل المشارب[1]

مدحنا بما اختصّ الوریٰ من مراتبٍ
و فی الشیخ شان فوق تلک المراتبً

---

۱ - اشارة الیٰ ما نقل عن بعض الثقات ان الشیخ الممدوح رأی لیلة سید الطائفه خواجه بهاء الدین النقشبندی فی المنام فبایعه بلا واسطة بعد ما بایع شیوخ عهده مع اقرانه - و الله اعلم (حالی) -

سینفد دون الابتداء بوصفه[1]

اقاویل وصّاف و اوصاف کاتب

★

۹ - مبارک بادِ خطابِ شمس العلما به جنابِ مولانا شبلی نعمانی که در علی گڑھ نوشته شد - (حالی)

یا وحیداً من الکرام فریداً
و عزیزاً کمثل علق نفیس

انت اولی بان تلقب شمساً
بل بان یجعلوک شمس الشموس

انت شمس الهدیٰ و لست بشمس
یعرفها الخنوس بعد الخنوسً

انت طهّرت ذیل دین مبین
لوّثته اللئام بالتدلیسً

ثم دافعت عن امام نقیً
کان بعد النبیؐ خیر رئیسً

و عن الحق قد کشفت غطاءً
بعد ما اغلفوه بالتلبیس

سرت فی الارض انت برّاً و بحراً
للمعالی ولا لامرٍ خسیسً

قلّدوک التزام مدرس قومً
فیه یرجی لهم کمال النفوسً

نقمدث والتزمت لزوماً
خدمة المسلمين بالتدريس

قمت بالدرس والدراسة فيهم
فارغاً عن رياسة و رئيس

و جعلت الكمال غاية هم
واتخذت الكتاب خير جليس

فعلى القوم لازماً لكِ حق
كلهم من وجوههم و رؤس

ضانک الله عن مكاره حتى
ضرت كالقلب آمناً فى الخميس

★

۷ - تمهيد رقعهٔ شادى

سلام من محب مستكين يليه الخير و البركات تترى
سلام ردفه روح و راح و بين يديه للاحباب بشرى
و دعوة شاهدين و غائبينا من الاخوان و الخلان طراً

★

۸ - خاتمه رقعهٔ شادى

فطيب العيش فى الدنيا و رغده
رهين بزيارات الاحباء

★

۹- مثنویات حالی —— مرتبہ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ، مطبوعہ سرفراز برقی پریس لکھنؤ ، ۱۹۶۰ع -

۱۰- " " —— مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، ناشر: شیخ مبارک علی، تاجر کتب لاہور ، ۱۹۶۶ع -

۱۱- مسدس حالی —— تہذیب الاخلاق ، جلد ۱۸۸۰ع (مطابق طبع اول) -

۱۲- " " —— شائع کردہ ، دوکان الفرض ، محمدی پریس، علی گڑھ -

۱۳- " " —— مطبع نول کشور ، کانپور ، طبع سوم ، ۱۸۹۵ع -

۱۴- " " —— مرتبہ ڈاکٹر سید عابد حسین ، صدی ایڈیشن ، ۱۹۳۵ع -

۱۵- ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی —— (مجموعۂ کلام فارسی و عربی) ، طبع اول ، ۱۹۱۴ع -

۱۶- جواہرات حالی —— مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ، شائع کردہ حالی بک ڈپو ، پانی پت ، ۱۹۲۲ع -

۱۷- کلیات نظم حالی جلد اول و دوم —— مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، شائع کردہ حالی بک ڈپو ، پانی پت ، ۱۹۲۹ع -

۱۸- رباعیاتِ حالی —— مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ، شائع کردہ حالی بک ڈپو، پانی پت صدی ایڈیشن ، ۱۹۳۵ع

۱۹- کلیاتِ حالی —— مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، شائع کردہ جدید کتاب گھر دہلی ، ۱۹۶۰ع

۲۰- مرثیۂ سرسید احمد خاں —— مطبع مجتبائی دہلی ، ماہ مئی ، ۱۸۹۸ع

۲۱- مرثیۂ ملکہ معظمہ قیصر ہند —— ماہنامہ معارف ، پانی پت ، نومبر ، ۱۹۰۰ع

۲۲- شکریۂ والی رامپور —— ماہنامہ معارف ، پانی پت ، دسمبر ۱۹۰۰ع

۲۳- چپ کی داد —— ماہنامہ مخزن لاہور ، دسمبر ۱۹۰۵ع

۲۴- شکوۂ ہند —— محمدن پریس علی گڑھ ، طبع اول، ۱۸۹۵ع

۲۵- غیر مدون کلام —— گلدستۂ انجمن ، مطبوعہ مطبع اکبری ، دہلی ، ۱۲۸۴ھ

۲۶- ،، ،، —— سیرت فریدیہ ، مصنفہ سر سید احمد خاں ، مشمولہ مقالات سرسید ، حصۂ شانزدہم ، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ، ناشر مجلس ترقیٔ ادب لاہور -

۲۷- غیر مدون کلام —— علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۶ نومبر ، ۱۹۰۷ع -

۲۸- " " علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۱۱ دسمبر ۱۹۰۷ع -

۲۹- " " —— بچوں کا اخبار ، لاہور ، جولائی ۱۹۰۵ع -

۳۰- " " —— ماہنامہ مخزن لاہور ، جنوری ۱۹۴۹ع -

۳۱- " " —— نقوش لاہور ، شمارہ نمبر ۹۶ ، سالنامہ جنوری ۱۹۶۳ع -

(ب) کتب حوالہ (مقدمہ و حواشی)

۳۲- مقالاتِ حالی —— شائع کردہ انجمن ترقی اردو ، حصۂ اول طبع چہارم ، ۱۹۵۷ع -

۳۳- مکتوباتِ حالی —— مرتبہ خواجہ سجاد حسین ، حصۂ اول و دوم مطبوعہ حالی پریس پانی پت ، ۱۹۲۵ع -

۳۴- مکاتیبِ حالی —— مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ، طبع اول ، ۱۹۵۰ع -

۳۵- مقدمۂ شعر و شاعری —— مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ، شائع کردہ مکتبۂ جدید لاہور ، ۱۹۵۳ع -

۳۶- یادگارِ غالب —— مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی ، ناشر مجلس ترقیِ ادب لاہور -

۳۷- حیاتِ جاوید —— شائع کردہ اکادمی پنجاب لاہور، (طبعِ جدید)۔

۳۸- تذکرۂ سخن شعرا —— مؤلفہ مولوی عبدالغفور نساخ، طبع اول، لکھنؤ، ۱۸۷۴ء۔

۳۹- تذکرۂ حالی —— مؤلفہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، طبعِ اول، ۱۹۳۵ء۔

۴۰- ،، ،، —— مؤلفہ محمد امین زبیری (بشیر پاشا سیریز) ۱۹۲۵ء۔

۴۱- یادگارِ حالی، —— مؤلفہ صالحہ عابد حسین، طبع اول، دہلی ۱۹۵۸ء۔

۴۲- حالی کا ذہنی ارتقا —— مؤلفہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مکتبۂ کارواں لاہور، طبع دوم، ۱۹۶۶ء۔

۴۳- حالی بحیثیت شاعر —— مؤلفہ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، ناشر ادارۂ فروغ اُردو، لکھنؤ، ۱۹۶۰ء۔

۴۴- نقشِ حالی حصۂ اول و دوم —— مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی وغیرہ، ناشر ادارۂ فروغ اُردو لکھنؤ، طبع اول

۴۵- مطالعۂ حالی —— مرتبہ شجاعت سندیلوی و ناظر کاکوروی، ناشر ادارۂ فروغ اُردو، لکھنؤ، ۱۹۵۶ء۔

۴۶- روداد مسلم ایجوکیشنل کانفرنس —— دسمبر ۱۸۹۱ء۔

۴۷- رسالۂ تہذیب الاخلاق —— علی گڑھ ، یکم محرم ۱۲۹۲ھ

۴۸- باقیاتِ اقبال —— مرتبہ سید عبدالواحد معینی -

۴۹- نئے ادبی رجحانات —— مؤلفہ ڈاکٹر اعجاز حسین ، طبع سوم ، حیدرآباد، ۱۹۴۶ع -

۵۰- اردو مثنوی کا ارتقا —— مؤلفہ پروفیسر عبدالقادر سروری طبعِ جدید ، کراچی ۱۹۶۲ع -

۵۱- نوراللغات -

۵۲- A Dictionary of Urdu *by* John T. Platts, Oxford University Press, 1960.

۵۳- The Structure of the Ottoman Dynasty *by* A. D. Alderson, London, 1956.

۵۴- The History of the Ottoman Turks *by* Edward Creasy.

۵۵- King Edward *by* Sydney Lee.

۵۶- List of the Heads of Administration in India and the India Office in England.

صحت نامہ اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	۱۱	رو کتے	رو کنے
٦۵	۹	لیا	گیا
۷۷	۱۵	لھٹا	گھٹا
۸۱	۱۵	بطلیموس	بطلیوس
۹۵	۱۵	معرز	معزز
۱۱۷	۷	گر	اگر
۱۲۵	۲۰	آخری	آخر
۱۳۵	۸	[خاتمہ]	---
۱۷۹	آخری (حاشیہ)	اور ہے	ہے اور
۲۲۵	۱۲	پرد ہے مار	پر ہے مدار
۲٦۸	۱۵	سی	اسی
۳۳۰	٦	ہی	وہی
۳۳۴	۸	دلو	دیو
۳۴۰	۸	ہدایت	بدایت
۳٦۳	۱۱	خصر	خضر
۳۷۲	۱۷	مستور	مستوری
۳۹۱	۴	ما	ماہ
۳۹۴	۱۷	خر	خیر

صحت نامۂ اغلاط (کلیات جلد اول ۔ فصل پنجم)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۷۷	(پہلے شعر کے بعد یہ شعر آنا چاہیے) :		
	سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور		
	ہے چار طرف برس رہا نور		
۳۷۷	۱۲	چنگھاڑتے	جھنگارتے
۳۸۱	(آخری سطر سے پہلے)	بھی	یہ
۳۸۷	۳	امل	عمل
۳۸۷	۲۰	ہے	ہو
۳۸۸	۹	کی	کو
۳۸۸	۱۷	وعدہ	وعدے
۳۹۲	۱	کے	کی
۴۱۱	(نیچے سے چوتھی)	جوش و غضب	جوشِ غضب
۴۱۷	۶	مقدر	مقرر
۴۱۷	(آخری شعر)	مستمندوں	مستفیدوں
۴۱۸	۲۰	فکر و عمل	حکم و عمل
۴۲۲	۱۴	برتا	سونگھا
۴۳۰	۸	تھی	تھا
۴۳۴	۴	نیچوں	پنچوں
۴۳۴	۵	ہیں	تھیں
۴۳۶	۲۰	آنکھوں کے	آنکھوں سے
۴۳۹	۱۵	تجھ سے	تجھ سی
۴۵۱	۲	اندیشۂ فکر رسا	اندیشہ و فکر رسا
۴۵۵	۳	زبان و خامہ	زبان خامہ
۴۵۷	۲۰	برا	بڑا
۴۵۸	۲۰	گدا	گدھا
۴۵۹	۱۶	و	اور
۴۶۰	۳	ان پہ	ان میں

مجلس ترقي الأمور